اجیب دعوة الداع اذا دعان

مکاتبات الخلان

فی

اصول التفسیر و علوم القرآن

مرتبہ

خاکسار محمد عثمان مقبول

باہتمام رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہو کر وہیں سے شائع ہوئی

انتساب

سرسیّد اور نواب محسن الملک بہادر مرحوم مغفور بہ لحاظ اپنے تبحر علمی اور دِقّتِ نظر اور وسعت معلومات کے زمانۂ حال کے محقّقین و متکلمین میں جو اعلیٰ پایہ رکھتے تھے اُس کو ملک کے تمام اہل نظر جانتے اور اُن کی سحر آفرینی اور معجز بیانی کا اقرار کرتے ہیں۔ ان بزرگوں کے مجموعہ مضامین کو جس والانش کی ذات ستودہ صفات سے نسبت دیجائے اُس کا مرتبہ باعتبار ایک وسیع النظر جامع کمالات اور متبحر عالم ہونے کے ان بزرگوں کے ہم پلّہ ہونا لازمی ہے جو اُن علمی جواہرات کا حقیقی مبصّر اور اصلی قدر شناس ہو۔

اس لیے میں اس رسالہ کو جو سرسیّد اور نواب محسن الملک کے لٹریچر میں نہایت اہم اور ضروری ہے اور نہایت دقیق علمی مباحث پر مشتمل ہے بلکہ جو نواب محسن الملک کی مشہور اور مسلّمہ فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہے عالیجناب والاخطاب نواب عماد الدولہ عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی علی یار خاں بہادر موتمن جنگ سی۔ آئی۔ ای کے نام نامی واسم گرامی سے معنون کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاکسار

محمد عثمان مقبول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہِ الکریم

مقدمہ

عقل کی بلند پروازیوں اور علم کی کرشمہ سازیوں نے دنیا کو وہ وہ شعبدے دکھائے ہیں کہ اگر آج سائنس نے خدا کی تمام خدائی فتح نہیں کر لی ہے تو کم از کم اُسکے ایک بہت بڑے حصہ پر قابض ہے۔ اور خدا ایک خیالی مخلوق، نبوت دھوکے کی ٹٹی، وحی افسانہ، الہام خواب، روح فانی، قیامت ڈھکوسلہ، عذاب و ثواب انسانی اوہام، دوزخ و جنت الفاظ بے معنی خیال کئے جاتے ہیں۔ اور انسان ایک ترقی یافتہ بندر سمجھا جاتا ہے۔ "موجودات عالم ایک مسلسل دور ہے نہ جسکی ابتدا ہے نہ انتہا۔ مگر اُس خلاق مطلق کی قدرت اور صفات میں ان خیالات سے بال برابر فرق نہیں آسکتا۔ اُس کے رموز قدرت اور اسرار حکمت کا سوائے اوسکی ذات کے کسی کو علم نہیں۔ حضرت افضل الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ کہکر اپنی عاجزی اور لاعلمی کا اقرار کیا ہے۔ مگر اس میں بھی اُس کی کوئی حکمت مضمر ہے کہ ایک انسان جو خود اپنی ہستی اور وجود کے اسرار سے بے بہرہ اور بیخبر ہے محض ظاہری اسباب کو دیکھکر اسکا دعویٰ کر اُٹھے کہ میں نے خدا اور اُسکے رموز فطرت

کو معلوم کر لیا۔ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمَاتُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (سورہ لقمان ۳۱ آیت ۲۶)[1] اس کا جواب بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ وہ چشم بصیرت سے محروم اور فطرۃ اللہ سے بے خبر ہیں۔ نَعُوْذُ[2] بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔

سرسیّدؒ اپنی تفسیر کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جب غدر کا زمانہ گذر گیا اور جو کچھ ہونا تھا ہو گیا پر بھی جو کچھ گذرنا تھا گذر گیا تو مجھکو اپنی قوم کی اصلاح کی فکر ہوئی۔ میں نے اسمیں بہت غور کیا اور ایک زمانہ دراز کے غور کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اُنکی دینی اور دنیوی اصلاح بغیر اس کے کہ اُن کو علوم و فنون جدیدہ میں جو اور قوموں کے سرمایہ افتخار ہیں اور اُس زبان میں جو ہمپر بمشیت اللہ حکومت کرتی ہے تعلیم نہ دیجائے اور کسی طرح ممکن نہیں" پھر انھوں نے خیال کیا کہ دنیوی اصلاح میں تو کسی کو اختلاف نہو گا البتہ دینی اصلاح غور طلب ہے۔ علوم جدیدہ کے بدیہیات اور مشاہدات سے تو کسی کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر دقت یہ ہوگی کہ جب اُسکے مقابلہ میں وہ عقاید مذہبی جو توہمات سے وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے اور مسلمانوں کے دل دماغ میں زیادہ جم گئے ہیں اور اُن کی پابندی قرآن و حدیث کے احکامات سے بڑھکر اپنے اوپر لازم کر لی ہے آئیں گے تو ان علوم کے مقابلہ میں مکڑی کے جالے کی طرح نیست و نابود ہو جائینگے اور اسکا اثر متوسط طبقہ کے مسلمانوں پر یہ ہوگا کہ وہ مذہب کو ہیچ اور بیکار سمجھکر مذہبی پابندی کا جُوا اپنے کندھوں سے الگ پھینک کر دہریت اور الحاد کا حلقہ غلامی اپنے کانمیں ڈال لینگے

---

[1] اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلم بنجائیں اور سمندر اُسکی سیاہی، اُسکے بعد سات سمندر اور اُسکی مدد کریں تو بھی اللہ کی باتیں تمام نہونگی بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

[2] پناہ مانگتے ہیں ہم اپنے نفس کی بُرائیوں اور اعمال کی بدیوں سے جسکو اللہ ہدایت کرے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسکو وہ گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔

چنانچہ سرسید نے کتب تفاسیر اور تمام مذہبی مسائل پر ایک تلاش کی نظر ڈالی۔ اور آخرکار اس نتیجہ پر پہونچے کہ تمام تفسیریں اور دیگر کتب مذہبی بروایات ضعیف وموضوع اور بے سروپا قصّوں سے جو اکثر یہودیوں سے ماخوذ ہیں بھری ہوئی ہیں اور چونکہ وہ قرآن کریم اور قوانین فطرت کے بالکل متبائن ہیں۔ اسلئے ضرور ہی کہ علوم جدیدہ اور فلسفہ حال کو پیش نظر رکھکر ایک تفسیر لکھنی چاہیئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن مجید پر غور کیا اور چاہا کہ خود قرآن ہی سے سمجھنا چاہیئے کہ اُسکا نظم کن اصول پر واقع ہوا ہی۔ اور جہانتک میری طاقت میں تھا میں نے سمجھا اور میں نے پایا کہ جو اصول قرآن مجید سے نکلتے ہیں ان کے مطابق کوئی مخالفت علوم جدیدہ میں نہ اسلام سے ہی اور نہ قرآن سے .... پھر میں نے انھیں اصول پر ایک تفسیر لکھنی شروع کردی۔"

جسوقت یہ تفسیر شایع ہوئی ہے تمام اسلامی دنیا میں ایک ہلچل مچگئی اور دو قدکفر کے نعرے بلند ہونے لگے۔ مخالفت کی یہانتک نوبت پہونچی کہ جمہور اہل اسلام نے اس تفسیر کو مذہبی دائرہ سے خارج کردیا۔

ہم اُن مخالفین کی رائے سے قطع نظر کرتے ہیں جو سرسید کی ذات اور اُنکے مقاصد کے خلاف تھے۔ بلکہ نواب محسن الملک بہادر مرحوم مغفور بھی جو سرسید کی کامیابی کا ایک ہی زبردست آلہ اور اُنکے مشن کے انجن تھے اس تفسیر کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے اور تفسیر کو تفسیر القول بمالا یرضی بہ قائلہ قرار دیدیا۔ اور لکھا کہ "میں آپکی تفسیر کے بعض مضامین کا مخالف ہوں اور مخالف بھی ایسا کہ اُس مخالفت کو نہ آپکی وہ عظمت ووقعت جو میرے دل میں ہی روک سکی نہ وہ محبت وارادت جو مجھے آپ سے ہی اُسکی مانع ہوئی نہ آپکی جادو بھری تحریر نے اثر کیا نہ آپکی پُر زور تقریر نے۔" بایںہمہ وہ کون مسلمان ہوگا جو ایک نیک نیت پاک دل، عالی دماغ، روشن خیال، اسلام کے حامی، مسلمانوں کے ہمدرد، سید کی نیت پر آج حملہ کرنیکا ارادہ کرے البتہ انسے غلطی سرزد ہونا اسی طرح ممکن ہی جسطرح کسی اور انسان سے۔ ہم ایسی غلطی کو صرف

رائے کی غلطی تصوّر کرتے ہیں جو ہمیشہ انسانوں سے ہوتی ہے۔ مگر اس غلطی سے بہت سے غلط فہمیوں کا احتمال ہے جنکا ازالہ اس رسالہ کی اشاعت کا نہایت اہم اور ضروری مقصد ہے۔

اسوقت ہندوستان کے مسلمانوں کے روشن خیال طبقہ میں دو گروہ ہیں جو سر سید کو ایک برگزیدہ اور مقدس بزرگ اور اُنکی تمام تحریرات کو قرآن و حدیث کے مطابق اور اسلام کا سیدھا اور صحیح راستہ خیال کرتے ہیں۔ ایک وہ جنکے خیالات اور معلومات نہایت محدود اور رائے ناقص ہے۔ اُنکی خواہش یہ ہے کہ سر سید کی تمام تصنیفات نصاب تعلیم دینیات میں شامل کر دیجائیں۔ اسکا سبب محض حُسن عقیدت ہے جسکو حقیقت اور واقعیت سے کوئی تعلق نہیں ان حضرات کیلئے سر سید کی تفسیر نہایت مضر اور اُنکے ایمان اور اسلام پر نہایت زہریلا اثر کرنیوالی ہے۔ دوسرا گروہ اُن مقتدر منتہی علمائے محققین کا ہے جو تعلیم کے اعلیٰ مدارج طے کر چکے ہیں اور تحقیق اور تلاش کے نہایت دشوار گذار راستوں میں گذرتے چلے جارہے ہیں اور حکمت و فلسفہ کے حقایق و معارف کے جواہرات پرکھ پرکھ کر عقل و رائے کی کسوٹی پر کس رہے ہیں اور حق کو باطل سے جدا کرنے میں لومتہ لائم کا کچھ خوف نہیں کرتے۔ اُنکے حق میں یہ تفسیر اور سر سید کی تمام تحریرات نہایت مفید اور جدید علم کلام کی تدوین کے لئے یہ ایک نہایت قیمتی ذخیرہ ہے۔ وہ بآسانی اسکا بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ تفسیر قدیم تفاسیر میں کیا پایہ رکھتی ہے اور بمقابلہ فلسفہ حال کے مذہب کی کہانتک تائید کر سکتی ہے۔

چنانچہ ہمارا اصلی اور واقعی مقصد اس رسالہ کی اشاعت سے یہی ہے کہ جو حضرات مغربی علوم کے زیور سے آراستہ ہیں اُن غلط فہمیوں سے بچیں جو سر سید کے بعض مضامین سے عموماً اور تفسیر سے خصوصاً پیدا ہوتی ہیں اور اپنے حُسن عقیدت کو حد اعتدال سے متجاوز نہ کریں جو سر سید کی نسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں سر سید نہ علوم دینیہ کے عالم تھے نہ کوئی مذہبی پیشوا جنکی تقلید ہمارے لئے ضروری ہو۔ چونکہ سر سید کو مسلمانوں میں مغربی علوم کا پھیلانا مقصود تھا اور اُس زمانہ میں مسلمان انگریزی تعلیم کی مذہب کے اعتبار سے مخالفت

کرتے تھے اسلئے اُن کو مجبوراً مذہبی میدان میں قدم رکھنا اور نہایت استقلال سے کام لینا پڑا ورنہ در حقیقت نہ وہ اس میدان کے مرد تھے نہ اُن کو دعویٰ تھا۔ راقم نے اکثر نواب محسن الملک بہادر مرحوم سے سُنا ہی کہ سرسیدؒ فرماتے تھے کہ میں نے یہ تفسیر عیسایئوں اور غیر مسلموں کیلئے لکھی ہی نہ کہ مسلمانوں کے لئے اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس تفسیر کو پبلک میں شایع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ یہ دونوں بزرگ ادب اور انشا پردازی تحقیق اور جامعیت کے اعتبار سے نہایت عالی پایہ رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں کی تعداد ترقی یافتہ قوموں میں بھی زیادہ نہیں ہوتی بلکہ جب مشیت الٰہی کسی قوم کی اصلاح حالت کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اُس قوم میں صدیوں کے بعد ایسے مصلح پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ سرسید کی تمام تصانیف پر نواب محسن الملک بہادر مرحوم مغفور کو جو عبور رہا کسی دوسرے شخص کو نہیں ہوسکتا۔ اسلئے اُنکی رائے کو ان تصانیف کی نسبت صحیح ترین رائے سمجھنا چاہیئے۔ یہ خاص اہمیت بھی ہمارے اس رسالہ کی تدوین اور اشاعت میں محرک ہوئی ہی۔

شمس العلما خان بہادر مولوی ذکا اللہ صاحب مرحوم نے ایک موقعہ پر انھیں مکاتبات پر ریویو کرتے ہوئے فرمایا ہی کہ "خدا تعالیٰ نے ہندوستان میں دو سید ایسے پیدا کر دیئے ہیں کہ وہ ان سب توہمات اور بدعات کو اُڑا دیں گے اور ٹھیٹ اسلام کو دکھا دیں گے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہی کہ نواب محسن الملک مکاتبات لکھتے ہیں۔ جسکا موضوع یہ ہی کہ سرسیدؒ کے عقاید و خیالات کی تائید میں یا تردید میں تفصیلی بحث کیجائے۔ اسکو یوں سمجھنا چاہیئے کہ سرسید کے عقاید متن ہی اور نواب محسن الملک کے مکاتبات اس متن کی تفسیر ہے خواہ مخالف ہو یا موافق۔ یہ تفسیر اور متن دونوں ہم پہلو ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے درخشان دو دُرّہ یا پارہ ہائے الماس ہم پہلو ہوکر باہم ایسی عکس افگنی کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کو زیادہ روشن اور منور کرتے ہیں۔ نواب محسن الملک کی نظر قرآن شریف۔ حدیث۔ فقہ۔

تفسیر۔ علم کلام پر اور نیز اُن انگریزی کتابوں پر جو ان مضامین سے متعلق ہیں ایسی وسیع ہے کہ شاید کسی اور کی ایسی نظر ہو۔ وہ کسی مسئلہ مذہبی کو کبھی نہیں لکھتے جبتک اُسکا استناد اور استشہاد قرآن حدیث۔ اور مسلم علمائے کبار کے کلام سے نہیں کرتے۔ انکا طریقہ استدلال حکیمانہ اور فلسفیانہ زمانہ حال کے طریقہ استدلال سے ملتا جلتا ہی۔ اسلئے وہ جو سرسید کے عقاید سے بحث کرینگے وہ ایسی مدلل ہوگی اور ایسے استناد اور استشہاد پر مبنی ہوگی جسکو کوئی ہٹ دھرم ہی ایسا ہوگا جو نہ مانے گا۔ .... اسکام کو اگر انھوں نے اختتام کو پہنچا یا تو سرکار نظام نے تو انکو حیدرآباد کے حسن خدمات کے صلہ میں محسن الملک کا سچا خطاب اور کچھ پنشن انعام میں دیدی ہے اب اسلام اُن کو محسن الاسلام کا خطاب اور اس کے ساتھ سعادت دارین کی پنشن علی الدوام دیگا جس میں نہ کوئی شرط ہوگی نہ کوئی دھمکی"۔

سرسیدؒ کی تصانیف میں سب سے زیادہ اہم تفسیر القرآن ہی اور یہی وہ تصنیف ہی جسنے سرسید کے مذہبی پہلو کو اس قدر تاریک کر دیا ہی کہ بلا استثنا تمام علمائے اسلام انکی طرف سے بدظن اور بدگمان ہیں۔ اگرچہ سرسید کا ارادہ نیک اور نیت بالکل پاک تھی اور اس کام کو جس دماغ سوزی اور سخت سے سخت جانکاہی اور کاوش سے انجام دیا ہی اُسکا وہی اندازہ کر سکتا ہی جس نے اُسکو پڑھا اور اُسپر غور کیا ہی۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ سرسید کی تفسیر کے بعض مقامات ایسے اعلیٰ مضامین اور حقایق و معارف بھرے ہیں کہ اگر اُن کو مذہب کی جان کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں۔ مگر جہاں کہیں قرآن مجید کے مفہوم کو اپنی رائے میں علوم جدیدہ کے مطابق کرنا چاہا ہی وہاں بڑے بڑے دھوکے کھائے ہیں۔ اور اس تلاش میں خدا کی عظمت اور جلالت اور اُسکے کلام کی حکمت و مصلحت کو دل سے محو کر دیا ہی۔

ہر شخص کو معلوم ہی کہ سرسید مغربی فلسفہ اور سائنس سے واقف نہ تھے نہ انھوں نے ان فنون کی کہیں تعلیم حاصل کی تھی شاید کچھ سنی سنائی باتیں اُنکے حافظہ میں محفوظ ہونگی لیکن ولایت کے سفر اور لندن کی سیر میں جو عظیم الشان اور حیرت انگیز نتایج ان فنون کے

اُنکے مشاہدہ میں آئے۔ اور اسٹیم اور الکٹرسٹی کے جو روشن کرشمے انکی نظر سے گذرے انھوں نے سرسید کی طبیعت کو بے حد مرعوب کر دیا تھا۔ اسی قسم کے ذرائع سے جو صحیح یا غلط خیالات انکے ذہن میں راسخ ہو گئے تھے وہی ان کے نزدیک مغربی سائنس فلسفہ تھا اور وہی اُنکا قانون فطرت یا لاآف نیچر تھا۔ اور جو چیز اُسکے معارض ہوتی تھی وہ ان کی نظر میں پایہ صحت و اعتبار سے ساقط معلوم ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی آیات محکمات کو کھینچ تان کر اس فرضی قانون کے ساتھ مطابق کرنا اپنا فرض اور اپنی تفسیر کا بنیادی اصول سمجھتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ”سرسید کا فلسفہ مذہب حقیقتہً علوم جدیدہ کے مسائل اور نظریات پر مبنی ہے“ تاہم بھی نظریات اور حکما کی رائیں ایک دوسرے سے مختلف رہی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں اور ان تغیرات کا سلسلہ نامتناہی اسی طرح جاری رہنے والا ہے۔ ایسی حالت میں غالباً کوئی مسلمان اسکو پسند نکرے گا کہ قرآن مجید جو ایک مستقل فلسفہ ہے ہمارے ہاتھ میں ایک کھلونے کی طرح ہمیشہ نئے نئے نظریات کی خاطر وقتاً فوقتاً نئی نئی شکلوں میں تبدیل ہوتا رہے۔

سرسید مرحوم نے جن اصول پر قرآن مجید کی تفسیر کی ہے ان کو کسیقدر تفصیل کیساتھ ایک جداگانہ رسالہ میں لکھدیا ہے جس کا نام ”تحریر فی اصول التفسیر“ ہے۔ انھوں نے اثنائے مکاتبت میں نواب محسن الملک سے خواہش کی تھی کہ اوّل ان اصول پر بحث ہونی چاہیے اور بعد بحث و گفتگو کے جو اصول صحیح قرار پا دیں وہ آیندہ مباحث تفسیر میں فریقین کے نزدیک مسلم متصور ہونگے مگر نواب صاحب اس بھول بھلیاں سے کترا کر صاف نکل گئے اور ان پر گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بحث کو نواب صاحب نے نہایت لطافت اور خوبی کیساتھ لکھا ہے اور بعض اصول کے اجزا کو تحلیل کرکے دکھلایا ہے کہ ان میں کس قدر غوامض پوشیدہ ہیں۔ ہم اس بحث کا ایک حصہ ناظرین کی دلچسپی اور سہولت کی غرض سے اس مقام پر ثبت کرتے ہیں:۔

نواب صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ ”ان اصول کے متعلق میں اجمالاً بھی اپنی موافقت یا مخالفت ظاہر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جو اصول آپ نے بیان فرمائے ہیں اور جس طرح اُنکو تحریر کیا ہے

اُس کے ہر لفظ میں ہزار معنی پوشیدہ ہیں۔ اگر میں ان اصول کی بھول بھلیوں میں پڑ گیا تو نفس مطلب رہجائیگا اور اس بحث کے چھڑ جانے سے تفسیر کے متعلق جو کچھ میں عرض کرنا چاہتا ہوں اُسکی نوبت نہ آئیگی۔"

"مثلاً عرض کرتا ہوں کہ آپ اصل اوّل میں لکھتے ہیں کہ ایک خدا خالق کائنات موجود ہے بلاشبہہ یہ اصل بالکل صحیح ہے اور کون مسلمان ہے جو اس میں شبہ کریگا۔ مگر اُسی کے ساتھ آپ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں "و ہو علۃ العلل لجمیع المخلوقات علیٰ ما کانت و علیٰ ما تکون" اور گو اُس کا علۃ العلل ہونا بھی ایک طور پر مسلم ہے یعنی اگر وہ فاعل و مُرید بھی مانا جائے مگر علۃ کا فاعل و مُرید ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ہر علت کا اپنے معلول کے ساتھ ہونا لازمی ہے اور خالق کا اپنی مخلوق کے ساتھ ہونا ضروری نہیں۔ اسلئے کہ علت و معلول کا تعلق اضطراری ہے اور خالق و مخلوق کا تعلق اختیاری ہے۔"

"پانچویں اصل میں آپ فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید بالکل سچ ہے" کون مسلمان ہوگا کہ جسے اُسے شبہ ہوگا مگر اُسی میں آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ کسی قول کا نقل کرنا صرف بغرض بیان یا بغرض تردید یا لوگوں کے اعتقادات کو جو منافی مقصد قرآن کے نہیں ہیں بلا بحث اُنکی اصلیت اور واقعیت کی تسلیم کرکے اوپر استدلال کرنا یا بطور حجت الزامی کے پیش کرنا یا امور ظاہر الوقوع کو اُنکی ظاہری حالت پر بلا اُن کی اصلی لمیت پر بحث کے بیان کرنا یا کلام غیر مقصود بالذات کا اثنائے کلام میں آنا قرآن مجید کی صداقت کے منافی نہیں ہے" اس میں آپ نے ایسے مختصر مگر پر معنی الفاظ تحریر فرمائے ہیں کہ اگر میں اُسے تسلیم کرلوں تو آپ کی تفسیر کے ایک بہت بڑے حصہ کا قبول کرنا لازم آتا ہے اور اُس میں وہ حصے بھی شامل ہوجاتے ہیں جس میں مجھے آپ سے اختلاف ہے اور اگر اُس سے بحث کروں تو اُسکے لیے ایک علیحدہ رسالہ کی ضرورت ہے۔ اور اسیطرح آپ آٹھویں اصل میں بیان فرماتے ہیں کہ تمام صفات باری نامحدود اور مطلق عن القیود ہیں "یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید" کوئی وجہ اس سے اختلاف کی

نہیں ہی مگر اُسے اس طور پر آپ نے تحریر کیا ہی کہ اگر میں اُسے اجمالاً تسلیم کر لوں تو مجھے بھی آپ کی طرح خدا کو نیچر کا اور نہ نیچر کا بلکہ خیالی اور فرضی نیچر کا پابند ہونا ماننا پڑیگا"۔

"مثلاً آپ ایک جگہہ حضرت ابراہیم کے قصّے میں تحریر فرماتے ہیں کہ "فما کان جواب قومہ الا ان قالوا اقتلوہ او حرقوہ فانجاہ اللہ من النار"[1] "فانجاہ اللہ من النار" سے ثابت ہوتا ہی کہ احراق خاصہ نار کا ہی۔ ایک اور جگہہ تمثیل میں فرمایا ہے "فاصابھا اعصار فیہ نار فاحترقت" پس دونوں آیتوں سے خدا نے ہمکو قانون فطرت یہ بتایا ہی کہ آگ جلا دینے والی ہی۔ پس جبتک یہ قانون فطرت قایم ہی اُس کے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہی جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہی" اور اس سے آپ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ احراق خاصہ نار کا ہی اور یہ بیشک سچ ہی مگر اس سے آپکا مقصود اسبات کا ثابت کرنا ہی کہ اس خاصیت کو خدا کسی طرح اور کسی حالت میں اور کسی کے لئے اور کسی وقت میں بھی جدا نہیں کر سکتا تاکہ اُس سے آپکا یہ خیال صحیح سمجھا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے ہی نہیں گئے اور اگر آگ میں ڈالے جاتے تو آگ اپنے نیچر کے موافق اُنکو ضرور جلا دیتی"۔ مگر اسی آیت میں خدا کے الفاظ فانجاہ اللہ من النار سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ گو جلانا آگ کا خاصہ تھا مگر خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُس سے بچالیا۔ ورنہ فانجاہ اللہ من النار کے کچھ معنی نہیں رہتے اور ان الفاظ کے مہمل اور پوچ ہونے میں کچھ شبہہ نہیں رہتا"۔

چونکہ سرسید نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں مسئلہ دعا سے بحث کی اور دعا اور استجابہ دعا کے ان عام معنوں سے انکار کیا ہی جو جمہور فرق اسلام میں مسلم ہیں اسلئے سب سے اول یہی بحث قرار پایا۔ سید صاحب نے جو کچھ اس کے متعلق اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے اور جو مکاتبات میں

---

[1] ترجمہ۔ پھر اُس (ابراہیم) کی قوم کا بجز اس کے اور کچھ جواب نہ تھا کہ اُنھوں نے کہا کہ اُسے قتل کر دو یا جلا دو پھر اُسے خدا نے آگ سے بچا یا۔

شامل نہیں ہے ناظرین کی مزید آگاہی کے لیے ہم یہاں درج کرتے ہیں :-

"دُعا جب دل سے نکلتی ہے ہمیشہ مستجاب ہوتی ہے مگر لوگ دعا کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جس مطلب کے لیے ہم دعا کرتے ہیں دعا کرنے سے وہ مطلب حاصل ہو جائیگا۔ اور استجابت کے معنی اُس مطلب کا حاصل ہونا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلطی ہے۔ حصول مقصد کے جو اسباب خدا نے مقرر کیے ہیں وہ مطلب تو انھیں اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر دعا نہ اُس مطلب کے اسباب میں سے ہے اور نہ اُس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے بلکہ وہ اُسی قوت کو تحریک کرنیوالی ہے جس سے اُس رنج ومصیبت اور اضطراب میں جو مطلب نہ حاصل ہونے سے ہوتا ہے تسکین دیتی ہے۔ اور جبکہ دُعا دل سے اور تمام فطرتی قویٰ کو متوجہ کر کے کیجاتی ہے اور خدا کی عظمت اور اُسکی بے انتہا قدرت کا خیال اپنے دل میں جمایا جاتا ہے تو وہ قوت تحریک میں آتی ہے اور اُن تمام قوتوں پر جنسے اضطرار پیدا ہوا ہے اور اُس مصیبت کا رنج برانگیختہ ہوا ہے اُن سب پر غالب ہو جاتی ہے اور صبر واستقلال پیدا ہو جاتا ہے اور اُس کیفیت کا دل میں پیدا ہو جانا دعا کا مستجاب ہونا ہے۔

اُس امر کا اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لفظوں میں فرمایا ہے کہ "الدعاء مخ العبادة" یعنی دعا خالص عبادت ہے۔ اور اُس سے بھی واضح کر کے فرمایا ہے کہ "الدعاء هو العبادة" یعنی دعا عبادت ہی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ تمہارا پروردگار کہتا ہے کہ "ادعونی استجب لکم" یعنی مجھکو پکارو (یعنی میری عبادت کرو) میں تمہارے لئے اس عبادت کو قبول کرونگا۔

پس دعا سے مطلب کا حاصل ہونا موعود نہیں ہے بلکہ عبادت کا جو نتیجہ ہے وہ موعود ہے دعا کے ساتھ کبھی مطلب کا حاصل ہو جانا اتفاقیہ بات ہے جو اُسکے اسباب جمع ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے"۔ دعا کے متعلق سرسید نے تفسیر میں تو صرف اسیقدر لکھا ہے مگر رسالہ الدعاء والاستجابة میں اس کو کسی قدر واضح کر دیا ہے وہ بھی اس رسالہ میں شامل کر دیا گیا ہے جو صفحہ ۶۲ پر درج ہے۔

نواب صاحب نے اس اہم مسئلہ پر مذہبی اور علمی دونوں پہلوؤں سے نہایت بسط اور تفصیل کے ساتھ بحث کی ہی اور عقلی اور نقلی دلائل اور اکابر اسلام کے اقوال سے استناد کرکے ثابت کیا ہی کہ دعا اور استجابت دعا کے وہی معنی ہیں جو جمہور اہل اسلام سمجھتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض حصے نواب صاحب کے دلائل کے از قسم خطابیات ہیں جو حکما کے نزدیک مفید یقین نہیں۔ جیسے کہ سید صاحب نے بھی اپنے ایک خط میں اسپر اعتراض کیا ہی مگر انصاف یہ ہے کہ نواب صاحب نے خدا اُن کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے ایسی خوبی کے ساتھ اور اس قدر موثر اور دلنشین پیرایہ میں اُن کو لکھا ہی جس سے دعا کی نسبت انسان کے قلب کو بالکل سکون اور ایسا قطعی اطمینان ہو جاتا ہی جو بدیہی الانتاج منطقی قیاسات سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ صرف اطمینان ہو جاتا ہی بلکہ اُس کو پڑھ کر روح کو بے انتہا فرحت اور انبساط ہوتی ہی اور اُس رحمن الرحیم مجیب الدعوات کی جناب میں نہایت عاجزی اور فروتنی اور جوش کیساتھ دعا کرنے کی ایک قوی تحریک اور رغبت دل میں پیدا ہوتی ہی۔

نواب صاحب لکھتے ہیں "دعا مذہبی زندگی کی روح رواں ہی اگر دعا نہو تو مذہب میں جان باقی نہیں رہتی اور انبیاء علیہم السلام کا خاص خاص مطلب کے لئے دعا مانگنا اور اُسکا پورا ہونا قرآن مجید سے ثابت ہی۔ اگر دعا اس متبرک اور مقدس مقام سے ہٹا دیجائے جسپر وہ مذہبی زندگی کے آغاز سے قابض رہی ہی تو کون اسبات کا اندازہ کرسکتا ہی کہ مذہبی خیال اور مذہبی عقاید کی حیثیت میں کیسا عظیم تغیر پیدا ہوگا اور مذہب کا وسیع دائرہ کس قدر تنگ ہو جائے گا۔ ایک سادہ دل مسلمان جو قوانین فطرت سے ناواقف ہی یہ سنکر کہ دعا سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اُسکا خدا نیچر کی زنجیر میں ایسا جکڑا ہوا ہی کہ وہ اُس سے ہاتھ پاؤں باہر نہیں نکال سکتا نہایت حسرت اور مایوسی سے پکار اُٹھے گا کہ خدا خدائی سے معزول ہوگیا اور مذہبی زندگی کی جان باقی نہیں رہی۔ ایسا خدا ہمارے کس کام کا جو نہ ہماری دعا سن سکتا ہی نہ بغیر معمولی وسائل کے ہماری حاجت پوری کرسکتا ہی۔ اُس سے دعا کرنا تو ایسا ہی جیسا کہ ایک پتھر کے

بیجان بت کے سامنے گڑگڑانا اور اُس سے مانگنا۔ کیونکہ دعا کا مانگنا صرف اُس یقین پر مبنی ہے
کہ خدا قادر مطلق اور فاعل مختار اور نامعلوم طور پر بیقرار دل کی نکلی ہوئی دعا کا سننے والا اور
اُسکی حاجت پوری کرنیوالا ہے۔ اگر ایک لحظہ کے لئے اس یقین میں تذبذب ہو تو کونسا دل ہوگا
جو بیقراری کیحالت میں اُسکی طرف رجوع کرے اور وہ کونسا خیال ہوگا جو اُس کے اضطرار کی
آگ کو ٹھنڈا کرے .... اگر یہ مان لیا جائے کہ دعا ذریعہ حصول مقصد نہیں ہے اور یہ بھی
سمجھ لیا جائے کہ وہ اپنے بندوں کی مصیبتوں کے دُور کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور نہ کسی کی
گریہ وزاری اور اضطرار و بیقراری کا اثر ہوتا ہے تو دعا بیکار اور خدا پر توکل فضول ہے......
ایمان کی شرائط میں سے ہے اللہ پر توکل کرنا اور اُس پر بھروسہ کرنا۔ اور توکل کے معنی ہیں
حاجت کے وقت کسی غیر پر اعتماد کرنا کہ وہ ہماری طرف سے قایم مقام ہو اور ہمارا کام کر دے۔
اور اعتماد اُسی پر ہوتا ہے جو اعتماد کے قابل ہو یعنی کام کرنے کی قدرت رکھنے والا سمجھا جاتا
ہو اور قدرت بھی ایسی جو اُس کام کے پورا کرنیکے لئے بکار آمد ہو اُسکا کوئی مانع اور مزاحم
نہو۔ اور متوکل یعنی بھروسہ کرنیوالا بغیر کسی واسطہ کے سیدھا اُس تک پہنچ سکتا ہو تا کہ بھروسہ
کرنیوالا اور وکیل سمجھنے والا اُس شخص کو اپنے کام سپرد کرکے فارغ البال ہو جائے اور ایسے
وکیل کے ملنے سے اُسکے دل کو ایسا اطمینان اور اُس کے نفس کو ایسی تسلی حاصل ہو جس سے
عین مصیبت کے وقت اُسکا غم جاتا رہے اور اُسکے دل میں اُمید اور خوشی پیدا ہو" اس کے بعد
ایک نہایت عمدہ اور برجستہ مثال دی ہے کہ "کیا وہ فقیر جو آپکو امیر اور کریم النفس سمجھتا ہو آپکی
بہت بڑی عظمت بھی اُس کے دل میں ہو آپ کو وہ بڑا صاحب قدرت بھی سمجھتا ہو آپ کی
حیرت انگیز اور عالیشان کوٹھی اور کالج کو دیکھکر وہ آپ کو بہت بڑا امیر بھی جانتا ہو مگر اُسے یہ
معلوم ہو کہ آپنے فقیروں کیلئے اپنا دروازہ بند کر دیا ہے اور بھیک مانگنے والوں کو کالج میں
اینٹیں اُٹھانے اور پتھر ڈھونے پر روٹی پیدا کرنے کا راستہ بتا دیا ہے بھوک کی حالت میں گو اُسکی
جان ہی جاتی ہو کیا آپکے دروازہ پر شیئاً للہ پکارتا ہوا آئیگا اور کیا آپ کی عظمت اور قدرت

اور امارت اور بزرگی کا خیال اُسکے دل کو آپکی طرف رجوع کریگا اور بھوک سے بیقرار ہوکر وہ آپسے بھیک کا ٹکڑا مانگے گا؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ بس یہی حال اُس انسان کا سمجھنا چاہیئے جو خدا کو صرف ایک علۃ العلل سمجھتا اور معینہ اسباب اور مقررہ وسائل میں دخل نہ دینے والا جانتا ہو کیونکر کسی مصیبت میں اسباب وحیل کو چھوڑکر اُسکی طرف متوجہ ہوگا اور کس طور سے وہ اُسے قاضی الحاجات اور سمیع الدعوات سمجھکر اُس سے دعا مانگے گا۔"

سرسید فرماتے ہیں کہ "دعا کے معنی پکارنیکے ہیں۔ یہ لفظ دعا ندا کا مرادف ہے۔ اور دعا اور ندا میں بلحاظ اُسکے حقیقی معنی کے امر مسئول عنہ داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور جب خدا سے کچھ مانگا جائے اور سوال کیا جائے تو اُس حالت میں بھی خدا کیطرف متوجہ ہونا لازم آتا ہے۔ اسلئے دعا کا لفظ مسئول عنہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور لفظ دعا کے معنی الابتھال الی اللّٰہ بالسوال کے ہو جاتے ہیں یعنی عاجزی کے ساتھ خدا سے کچھ مانگنے کے۔ دعا کو بمعنی اول لو یا بمعنی ثانی وہ عبادت کہی گئی ہے۔"

نواب صاحب فرماتے ہیں "میں تسلیم کرتا ہوں کہ دعا اور ندا کے معنی لغوی پکارنیکے ہیں۔ اور یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ دعا کو عبادت کہا گیا ہے۔ مگر یہ میں نہیں تسلیم کرتا کہ دعا اور عبادت مرادف ہیں۔ بلکہ دعا اور عبادت میں نسبت عموم وخصوص مطلق کی ہے۔ ہر دعا عبادت ہے ہر عبادت دعا نہیں ہے اور یہ بھی میں قبول نہیں کرتا کہ دعا میں کوئی امر مطلوب نہیں ہوتا بلکہ ہر دعا میں صراحۃً یا اشارۃً ظاہراً یا باطناً تصریحاً یا ضمناً کوئی مقصود ضرور داخل ہوتا ہے خواہ دینی ہو یا دنیوی۔ جسمانی ہو یا روحانی۔ معاش سے متعلق ہو یا معاد سے۔ اسی واسطے جسے عرفاً دعا کہتے ہیں اور مذہب میں جو چیز دعا سے تعبیر کیجاتی ہے اُس میں امر مسئول عنہ کا داخل ہونا ضرور ہے۔"

پھر فرماتے ہیں کہ "اگر امر مسئول عنہ بالکل دعا سے خارج کر دیا جائے اور اجابت کے معنی صرف تسکین قلب کے قرار دیئے جائیں تو دعا اور اجابت میں جو مناسبت ہونی چاہیے وہ باقی نہیں رہتی۔ اجابت کو سوال سے مناسبت ہونی چاہیئے اور حکم کا درخواست کے مناسب ہونا

لازم ہے۔ اور اطمینان قلب بھی اسیوقت حاصل ہوسکتا ہے جبکہ جواب مطابق سوال کے اور اجابت مناسب دعا کے ہو........ اگر مانگنے اور دعا کرنے میں جبکہ ہم بندوں سے کرتے ہیں امر مسئول عنہ داخل نہیں ہے تو خدا سے دعا کرنے میں بھی داخل نہوگا ورنہ یہ لفظ دعا کا عالم جسمانی میں بامعنی اور عالم روحانی میں بےمعنی ہو جائیگا۔"

"اسی طرح حضرت ابراہیم حضرت ایوب حضرت یونس۔حضرت موسیٰ حضرت زکریا علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی دعاؤں کا ذکر استدلالاً کیا ہے۔

چھٹے خط میں اس امر سے بحث کی ہے کہ دعا کو جو عبادت کہا گیا ہے اُس کا کیا مطلب ہے؟ اور اس سے سرسید کے اس دعوے کو کہ "دعا حصول مقصد کے اسباب میں سے نہیں ہے" رد کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ "آپکی غرض یہ ہے کہ سوال اور مانگنا کسی چیز کا دعا کا عنصر نہ سمجھا جائے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مانگنا نہ صرف دعا کا عنصر ہے بلکہ اُسکی روح اور جان ہے۔ البتہ مانگنے کی حالتیں اور حیثیتیں مختلف اور مانگنے والوں کے مراتب اور درجات جُدا گانہ ہیں۔ ادنیٰ درجہ سوال کا اغراض دنیوی کا مانگنا ہے اور اعلیٰ درجہ کا سوال بلا اظہار کسی حاجت دینی یا دنیوی کے صرف اُسکی رحمت اور وصال اور تقرب کا چاہنا ہے۔ مگر ان سب پر مانگنے کا اطلاق ایک ہی معنی اور ایک ہی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اور چونکہ ہر حالت اور ہر درجہ میں دعا کے خشوع و خضوع اور ابتہال الی اللہ اور اظہار عبودیت اور اقرار الوہیت ہوتا ہے اسلئے کوئی دعا عبادت سے خالی نہیں ہوسکتی۔"

یہانتک بدلائل عقلی و نقلی و شہادت قرآنی اتنا ثابت ہوچکا ہے کہ دعا کے معنی ہیں خدا سے مانگنا۔ دوسرے یہ کہ بوجہ اسکے کہ دعا میں خشوع و خضوع اور ابتہال الی اللہ ہوتا ہے وہ عبادت ہے۔ تیسرے یہ کہ ہر دعا عبادت ہے مگر ہر عبادت دعا نہیں ہے۔ یعنی دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

پھر نواب صاحب لکھتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں کہ "انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہو کہ جب اُسپر مصیبت آتی ہو اور اُس کے دل کو اضطرار ہوتا ہو تو وہ کسی کی طرف استمداد اور استغاثت کیلئے رجوع کرتا ہو۔ اگر وہ ایسا ہو کہ کوئی انسان اُسکی مدد کر سکتا ہے تو وہ انسان کی طرف رجوع کرتا ہو۔ اور اگر وہ امر کسی انسان کی مدد سے بالاتر ہے تو کسی ایسی ہستی سے امداد چاہتا ہے جو اُسکے نزدیک اس میں مدد کر سکتی ہے مگر خدا نے ہمکو ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تعلیم دی ہو اور اُسکا لازمہ یہ ہو کہ ہم کسی امر میں سوائے خدا کے اور کسی سے مدد نہ چاہیں" مجھے اور تمام مسلمانوں کو آپ سے اتفاق ہو جاتا اگر آپ اپنے ان عمدہ الفاظ میں بہ اور بڑھا دیتے کہ جس ہستی سے مدد چاہی جاتی ہے وہ مدد دینے کی قوت بھی رکھتی ہو اور مدد بھی دیتی اور دلیکتی ہو - ورنہ آپکا پاکیزہ اور عارفانہ بیان جس سے معرفت اور توحید کا اعلیٰ خیال ظاہر ہوتا ہو مثل ایشیائی شاعروں کی تعریف کے ہم نافہم آدمیوں کے نزدیک حقیقی نہ ٹھہریگا"۔

ساتویں اور آٹھویں خط میں سر سید کے اُن دو اعتراضوں کا جواب جو دعا کے مفہوم عام پر کئے ہیں دیا گیا ہو۔ سید صاحب اپنے رسالہ الدعاء والاستجابۃ میں فرماتے ہیں کہ "اگر استجابت دعا کے معنی اُس سوال کے پورا کر دینے کے قرار دیئے جائیں تو اُس میں دو مشکلیں پیش آتی ہیں اوّل یہ کہ ہزاروں دعائیں نہایت عاجزی اور اضطرار سے کیجاتی ہیں مگر سوال پورا نہیں ہوتا جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ حالانکہ خدا نے استجابت کا وعدہ کیا ہو۔ دوسرے یہ کہ جو امور ہونے والے ہیں وہ مقدر ہیں یعنی علم الٰہی میں ہیں اور جو نہیں ہونیوالے ہیں وہ بھی علم الٰہی میں ہیں۔ ان مقدرات کے ہرگز خلاف نہیں ہو سکتا۔ پس اگر استجابت دعا کے معنی سوال کا پورا ہونا قرار دیئے جائیں تو خدا کا یہ وعدہ ادعونی استجب لکم اُن سوالوں پر جنکا ہونا مقدر نہیں ہو کسی طرح صادق نہیں آسکتا۔ معہذا ادعونی استجب لکم کا وعدہ عام ہے اور اس میں کوئی چیز اور کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہو۔ اور جبکہ ثابت ہو کہ حصول سوال منحصر

مقدر پر ہی تو استجابت دعا کا وعدہ خدا نے کیا ہی وہ اور کوئی معنی رکھتا ہی"۔

نواب صاحب فرماتے ہیں کہ "اس تقریر سے آپنے گویا ثبوت اپنے اُس قول کا فرمایا ہی جو ابتدائے رسالہ میں آپ نے لکھا ہی کہ "دعا کے معنی ندا کے ہیں۔ خدا کو پکارنا اور اُسکی طرف متوجہ ہونا اور اُس کو حاضر سمجھنا۔ اور اُسکے الٰہ اور معبود برحق ہونیکا اقرار کرنا دعا ہی اور جو شخص اس طرح پر خدا کو پکارتا ہے خدا اُسکو قبول کرتا ہی" اور یہی معنی آیت ادعونی استجب لکم اور آیہ واذا سألک عبادی الخ کے لئے ہیں۔ اسکے جواب میں حضرت محی الدین ابن عربی کے فتوحات مکیہ سے اور مولوی معنوی کی مثنوی سے اور امام فخرالدین رازی کے تفسیر کبیر سے اقوال نقل کئے ہیں اور ضمناً یورپ کے علما کی تحقیقات کا بھی ذکر کیا ہی۔ جو اُنھوں نے دعا کے متعلق کی ہی کہ دعا کے نتائج کو مثل اور چیزوں کے علم الاعداد سے ظاہر کرنیکا ارادہ کیا تاکہ ہندسوں کے ذریعہ سے اسبات کو ثابت کیا جائے کہ جس قدر دعائیں نامقبول ہوئی ہیں اُنکی تعداد بہت زیادہ ہی بمقابلہ اُن دعاؤں کی تعداد کے جو مقبول ہوئی ہیں۔

اس پر فرمایا ہی کہ "درحقیقت بہت دعاؤں کا مقبول نہونا بھی دعا کے موثر اور مفید ہونیکے عقیدہ کو باطل نہیں کرتا۔ اسلئے کہ نیچر کا عمل جیسا کہ جسمانی عالم میں ہی ویسا ہی روحانی عالم میں بھی ہوتا ہی۔ وہ لوگ جو صرف تدبیر کے قایل ہیں اور صرف ظاہری اسباب کے جمع کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور جو ہر عمل کے نتیجہ کے معتقد ہیں وہ بھی جسوقت مادی عالم کو دیکھیں تو اسبات کو قبول کرینگے کہ اُن کے مادی عمل بھی بہت سے ضایع اور بیکار اور غیر منتج ہوتے ہیں۔ کتنے بیج زمین میں ڈالے جاتے ہیں اور اُن میں سے کتنے بار آور ہوتے ہیں اور کتنا بڑا حصہ اُسکا ضایع اور بیکار رہتا ہی۔ مگر باوجود اسکے کوئی اُن ضایع شدہ بیجوں کو ضایع اور غیر مفید نہیں سمجھتا۔ اور نہ صرف خدا کے ماننے والے بلکہ صرف نیچری پر اعتقاد رکھنے والے بھی اسبات کو مانتے ہیں کہ جو بیج زمین پر ڈالا جاتا اور جو بظاہر ضایع

معلوم ہوتا ہے اُسکا بھی کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور حاصل ہوتا ہی۔

آٹھویں خط میں فرماتے ہیں کہ "آپکا یہ اعتراض کہ "اگر استجابت دعا کے معنی اُس سوال کے پورا کردینے کے قرار دیئے جائیں تو دوسری مشکل یہ پیش آتی ہی کہ جو امور ہونے والے ہیں وہ مقدر ہیں یعنی علم الٰہی میں ہیں اور جو نہیں ہونیوالے ہیں وہ بھی علم الٰہی میں ہیں اُن مقدرات کے برخلاف ہرگز نہیں ہوسکتا۔ پس اگر استجابت دعا کے معنی سوال پورا ہونا قرار دیئے جائیں تو خدا کا یہ وعدہ کہ ادعونی استجب لکم اُن سوالوں پر جنکا ہونا مقدر نہیں ہی کسیطرح صادق نہیں آسکتا" ایک پُرانا اعتراض ہی جو ہمیشہ سے دعا پر ہوتا رہا ہی۔ اور اسلام کے حکما اور علما نے اپنے اپنے مذاق کے موافق اُس کے جواب دیئے ہیں"۔ چنانچہ امام فخرالدین رازی اور ملا صدرالدین شیرازی وغیرہ کے تفصیلی جوابات نقل کردیئے ہیں۔

جو مختصر اقتباسات ہم اپنے مقدمہ میں درج کرنا چاہتے تھے۔ یہاں پہنچکر اُنکا سلسلہ ختم ہوگیا۔ ناظرین سے اس طول کلام کی معافی چاہتے ہیں۔ اُنکی اندراج سے ہمارا مقصد یہ ہی کہ اس سالہ کے مضامین کا ایک اجمالی خاکہ ناظرین کے پیش نظر ہوجاسے اور اُسکے بعد انکو مکاتیبات کے پڑھنے میں زیادہ لطف آئے۔

غور کرنیسے معلوم ہوتا ہی کہ سرسید مرحوم نے اپنے خطوط میں معلمانہ اور مُربیانہ لہجہ اختیار کیا ہی۔ وہ اسطرح سمجھا رہے ہیں جیسا کہ ایک شفیق اُستاد اپنے سعادتمند شاگرد کو سمجھاتا یا ایک مرشد اپنے مُرید کو منازل سلوک طے کراتا ہی۔ مگر اسی کیساتھ کہیں کہیں متانت اور وقار کے پردے میں چھپی ہوئی شوخی اور ظرافت کی جھلک بھی نظر آجاتی ہی جو نہایت لطف دیتی ہی۔ اسکے مقابلہ میں نواب محسن الملک مرحوم کا لہجہ شاگردانہ و معتقدانہ ہی انکے طرز بیان سے ظاہر ہوتا ہی کہ تشفی کی اُمید پر اپنے شکوک و شبہات پیش کررہے ہیں۔ اسکو محض تہذیب اور اخلاق پر محمول کرنا چاہیئے۔ اور یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ درحقیقت ان مختلف فیہ مسایل میں سرسید سے کچھ استفادہ کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ انھیں مکاتیبات میں جابجا ایسے قرائن موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ ان مسائل میں سرسیّد کی رایوں کو سخت ناپسند کرتے اور مکروہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ بعض مقامات پر ان کے لہجہ میں کسیقدر کرختگی اور تُرشی پیدا ہوگئی ہی جس سے ان کی قلبی کیفیات کا صحیح اندازہ ہوتا ہی۔

اس سے ان لوگوں کے خیال کی بھی تردید ہوتی ہے جو مباحثہ کو محض جنگ زرگری سمجھتے ہیں جیسا کہ مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم کا بھی یہی خیال معلوم ہوتا ہے۔

افسوس ہے کہ یہ مفید اور دلچسپ مباحثہ انھیں آٹھ خطوط تک پہونچکر ادھورا رہگیا۔ اوّل نواب صاحب کی علالت اور تہذیب الاخلاق کے بند ہونے سے اس میں کچھ تعویق ہوئی اور پھر سرسید کی وفات نے اس سلسلہ کو ہمیشہ کیلیے منقطع کر دیا۔ ورنہ وجود ملائکہ معجزات اور جبر و اختیار وغیرہ معرکۃ الآرا مسائل معرض بحث میں آتے اور خاصکر وجود شیطان کی بحث جیسا کہ نواب صاحب کبھی کبھی ازراہ خوش طبعی فرمایا کرتے تھے نہایت ہی دلچسپ اور پرلطف ہوتی مصرع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

استیعاب کی غرض سے تحریر فی اصول التفسیر اور الدعاء والاستجابۃ دونوں رسالے اس مجموعہ میں شامل کر دئے ہیں۔ اور نیز نواب صاحب کے وہ تینوں خط جو انھوں نے سرسید کی تائید میں بجواب اپنے ایک دوست کی تحریر کے لکھے تھے اس مجموعہ کے آخر میں ملحق کر دیئے گئے ہیں۔

قبل اسکے کہ یہ مقدمہ ختم ہو ہمارا ضروری فرض ہے کہ ہم اپنے شفیق دوست مرزا محمود بیگ صاحب کا جو نواب صاحب کی بیگم صاحبہ کے حقیقی برادرزادہ ہیں تہ دل سے شکریہ ادا کریں مرزا صاحب کے احسانوں کا اعتراف نکرنا جن سے اس رسالہ کی اشاعت میں بہت بڑی مدد ملی ہے سخت ناشکری ہوگی۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ اُنکو دینی اور دنیوی مقاصد میں کامیاب فرماوے۔ اور علمی کاموں میں مدد کرنے کی مزید توفیق عطا فرماوے آمین والحمد للہ اولاً و آخراً وظاہراً و باطناً ربنا[1] لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔

مدرسۃ العلوم علی گڑھ
یکم فروری ۱۹۱۵ء

خاکسار
محمد عثمان مقبول

---

[1] اے رب ہمارے جبکہ تو ہمیں ہدایت دے چکا تو ہمارے دلوں کو گمراہ نہ کر اور اپنی طرف سے ہمیں رحمت دے تو ہی دینے والا ہے۔

فہرست مضامین رسالہ مکاتبات الخلان

صحت نامه

صفحه	سطر	غلط	صحیح
۷	۶	انسان	اسلام
۱۱	۲۱	لاجابة	لاحاجة
۲۳	۳	ارلی	ازلی
۲۶	۸	واجب	جو واجب
۲۸	۱۶	ربّنا	ربُّنا
۲۹	۱۰	قاقون	قانون
۳۰	۱۱	تبدیل	تبدیلی
۳۲	۱۰	آکے	آگے
۳۶	۱۰	مرتبه واحده	مرتبة واحدة
۳۶	۱۲	مرتبه	مرتبة
۳۷	۲	کو	۰
۳۸	۱۵	خارجه	خارجة
۴۰	۱۷	فثبث	فثبت
۴۶	۲۱	کلام سے	۰
۵۶	۱۳	قاعلا	فاعلا
۶۷	۲۱	قطیعه	قطیعة
۶۹	۲۰	بصرف	بصرف
۸۶	۱۲	ساتھ	ہاتھ
۸۸	۱۶	کا	۰
۹۲	۱۳	تبدیل	تبدیلی
۹۳	۱۲	نوشا	خوشامد
۹۹	۱۰	کہ	۰
۹۹	۱۰	اُس سے متنبہ ہوکر	کر
۱۰۴	۸	امر مسئول	امر مسئول عنه
۱۰۸	۶	تصور	تصویر
۱۲۳	۱۰	الله	بالله
۱۲۸	۲۰	الخیر	الخبر
۱۳۱	۲۲	لیعطی	لیعطی ام لا
۱۳۶	۳	مین	مین آنا
۱۳۷	۱۰	واما	ولما
۱۴۱	۱۴	الا	لا
۱۵۸	۲	کو	مین
۱۶۷	۹	الابتداء	ابتداع
۱۶۹	۱۶	ابتقدیمه	بتقدیمه
۱۸۲	۱۸	تبدیل	تبدیلی
۱۸۳	۱۹	"	"
۱۸۵	۱۵	خذا	خدا
۱۹۵	۹	نعل	فعل
۱۹۶	۷	موئی	عریٰ
۱۹۶	۸	صفر	صفو
۱۹۶	۱۹	القرة	القوة
۱۹۷	۳	للقری التی	للقوی التی
۲۲۶	۲۱	حیال	خیال کے
۲۳۰	۱۰	مین	۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

پہلا خط نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان کا

بنام

سر سید احمد خان

حیدر آباد دکن　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　۹ اگست سنہ ۱۸۹۲ء

جناب عالی

آجکل مین آپ کی تفسیر دیکھ رہا ہون جسے درحقیقت اب تک اچھی طرح بلکہ سرسری طور بھی نہ دیکھا تھا اور اُس کے نہ دیکھنے کا سبب آپسے کہہ بھی دیا تھا غالباً آپ اس بات کے سننے سے تو خوش ہونگے کہ مین اب تک آپکی رایون سے اتفاق نہین کرتا اور ہر بحث مین اُسے قرآن کی وہ تفسیر جسکو کوئی قرآن کے مطابق تشریح اور تفصیل اور تفسیر سمجھے نہین سمجھتا بلکہ اکثر جگہ تفسیر کو تفسیر[1] القول بمالا یرضے بہ قائلہ تصور کرتا ہون مگر اسمین شبہہ نہین ہے کہ جس مضمون کو آپنے لکھا ہے ایسی عمدگی اور خوبی اور صفائی سے بیان کیا ہے کہ اگر آدمی نہایت ہی راسخ الاعتقاد ہو تو ضرور اُسکی تصدیق کرنے لگے اور بلاشبہہ ایک جادو کئے ہوئے آدمی کیطرح

[1] کسی قول کی ایسی تفسیر کرنا جو اُسکے قائل کا مقصد نہ ہو۔

آمنا و صدقنا پکارنے لگے۔ واقعی خدا نے دل کے حالات کو الفاظ مین ادا کرنے اور تحریر مین لانے کی عجیب حیرت انگیز قوت اور طاقت آپ کو دی ہے کہ اگر اُسے جادو کہین یا سحر تو بے محل نہو مگر افسوس ہے کہ آپنے اُن مسائل کو جو آجکل یورپ کے وہ تعلیم یافتہ لوگ جو مذہب کے پورے پابند او معتقد نہین ہین صحیح اور یقینی اور غیر قابل الاعتراض سمجھتے ہین مان لیا اور قرآن کی آیتون کو جن مین اُن کا ذکر ہے ایسا ماول کر دیا کہ وہ تاویل ایسے درجہ پر پہونچگئی کہ اُسپر تاویل کا لفظ بھی صادق نہین ہو سکتا۔ آپنے مسلمان مفسرون کو تو خوب گالیان دین اور بُرا بھلا کہا اور یہودیون کا مقلد بتایا۔ مگر آپنے خود اس زمانہ کے لامذہبون کی باتون پر ایسا یقین کر لیا کہ اُن کو مسائل محققہ صحیحہ یقینیہ قرار دیکر تمام آیتون کو قرآن کے ماول کر دیا اور لطف یہ ہے کہ آپ اُسے تاویل بھی نہین کہتے (تاویل کو تو آپ کفر سمجھتے ہین) بلکہ صحیح تفسیر اور اصلی تفسیر قرآن کی سمجھتے ہین۔ حالانکہ نہ سیاق کلام نہ الفاظ قرآنی نہ محاورات عرب سے اُس کی تائید ہوتی ہے۔ اگر آپ میرے اس شبہہ کو کسی طرح دور کر سکین تو مجھے ایسی خوشی ہو کہ کسی اور چیز سے نہو اس لئے کہ اکثر مقامات اُسکے ایسے عمدہ اور پاکیزہ اور اعلے درجہ کے ہین کہ بعد قرآن و حدیث کے اگر کوئی اُسے ورد زبان کرے اور دل پر نقش تو دنیا مین عالم اور سچا مسلمان ہوا ور عاقبت مین اُن ثوابون کا مستحق جو سچے مسلمانون کے لئے خدا نے مقرر کئے ہین۔

محسن الملک

جواب از طرف سر سید احمد خان

مکرمی مہدی

مین نہایت خوش ہون کہ آپ نے میری تفسیر کو دیکھنا شروع کیا ہے مجھے نہایت خوشی ہے کہ آپ اُس کو مخالفانہ اور غیر معتقدانہ طور پر دیکھین اور اُس کی ایک بات پر بھی یقین نکرین سب کو غلط سمجھین۔ مگر اُسکو دیکھین اور غور سے پڑھین آپ نے اس خط مین لکھا ہے کہ اکثر جگہ تفسیر کو تفسیر القول بما لا یرضے بہ قائلہ ترجمہ کسی قول کی ایسی تفسیر کرنا جو اُس کے قائل کا مقصد نہو۔ تصور کرتا ہون یقینی آپ کے پاس خدا کی بھیجی ہوئی وحی تو آئی نہین جس سے آپ کو ثابت ہوا ہو کہ اس قول سے مرضی قائل یعنے خدا کی یہ نہین ہے۔ پس ضرور ہے کہ کوئی اور ذریعہ آپ کے پاس ہے جسکی وجہ سے آپ نے تفسیر کے مقامات کو مالا یرضی بہ قائلہ قرار دیا ہے۔

مین نے بہت سوچا کہ وہ ذریعہ آپ کے پاس کیا ہے اور وہ ذریعے دو معلوم ہوئے اول بچپن کی تربیت۔ بچپن سے باتون کو سنتے سنتے اُنکا نقش کالحجر دلمین ہوجاتا ہے جسکا مٹانا بہت ہی زبردست دل اور نہایت ہی قوت ایمانیہ کا اور بہت ہی غور و فکر کا کام ہے۔

دوسرا ذریعہ جو پہلے ذریعہ کا شعبہ ہے مگر اُس پہلے کو نہایت قوی اور مضبوط کرنے والا ہے وہ علما کے اقوال اور تفاسیر کے مندرجہ رطب و یابس روایتین اور قصے ہین۔ گو آپ نے اسی خط مین ایک فقرہ لکھا ہو کہ* "میرے نزدیک یہ ساری خرابیان غلط مذہبی خیالات اور تقلید سے پیدا ہوئی ہین اور مسلمانون کو اسی کمبخت

* واضح ہو کہ یہ فقرہ خط کے پہلے فقرے مین سے ہے جو چھوڑ دیا ہے اسلئے کہ وہ متعلق الہ آباد کانفرنس کے لکھے سے تھا تفسیر کے مضمون سے متعلق نہین تھا ۱۲ سید احمد

تقلید نے اندھا۔ بہرا۔ گونگا۔ بنا دیا ہے۔" مگر افسوس ہے کہ تم یہ خیال نہین کرتے کہ خود تمہارا بھی یہی حال ہے۔ آبائی خیالات کو اور خصوصًا ایسے خیالات کو جو مذہبی روایتون پر مبنی ہین چھوڑنا نہایت مشکل ہے۔ آپ یہ دعوی نکرین کہ مین آبائی مذہب کو چھوڑکر شیعہ سے سُنّی ہوگیا ہون۔ اول تو بہت سے اسباب آپ کے گرد ایسے جمع تھے کہ جنکے سبب سے شیعہ مذہب نے بخوبی جڑ دل مین نہین پکڑی تھی علاوہ اسکے یہ تبدل صرف جزئیات مین تھا جو قابل اعتنا نہین ہے مگر جن امور کو آپ تفسیر القول بمالا یرضی بہ قائلہ قرار دیتے ہین اُنکی جڑ بہت زیادہ گہری اور نہایت مضبوط دل مین بیٹھی ہوئی ہے اُسکا اُکھڑنا اور اُسکی جگہ دوسری بات کا بیٹھنا گو کہ یہ دوسری بات کیسی ہی سچ و صحیح ہو بہت زیادہ دشوار اور بہت زیادہ مشکل ہے۔ غرضکہ آپ کے پاس کوئی دلیل اس بات کی نہین ہی کہ آپ تفسیر کو تفسیر القول مالا یرضی بہ قائلہ سے تعبیر کرین۔ ہان اُسکو غلط سمجھین اُسکو تسلیم نکرین یہ دوسری بات ہی مگر مالا یرضی بہ قائلہ نہین کہ سکتے۔ آپ نے اپنے خط مین لکھا ہے کہ "افسوس ہے کہ آپ اُن مسائل کو جو آجکل یورپ کے وہ تعلیم یافتہ لوگ جو مذہب کے پورے پابند اور معتقد نہین ہین صحیح اور یقینی اور غیر قابل الاعتراض سمجھتے ہین مان لیا ہی اور قرآن کی آیتون کو جنمین اُن مسائل کا ذکر ہے ایسا ماول کر دیا ہے کہ وہ تاویل ایسے درجہ کو پہنچگئی ہے کہ اُسپر تاویل کا لفظ بھی صادق نہین ہو سکتا۔"

تمہارے اس فقرے سے مین خوش بھی ہوا اور متعجب بھی ہوا۔ خوش تو اسلئے ہوا کہ تمنے اُسپر تاویل کا صادق آنا نہین مانا۔ کیونکہ مین قرآن مجید مین تاویل کو مطابق اُسکے مفہوم عام کے کفر سمجھتا ہون۔

متعجب اسلئے ہوا کہ تمنے اُس فقرے مین یہ قید کیون لگائی ہے کہ "جو مذہب کے پورے پابند اور معتقد نہین ہین" کیا اگر کوئی لامذہب یعنے غیر معتقد کسی مذہب کا

مذاہب موجودہ مین سے یہ بات کہے کہ دو اور دو چار ہوتے ہین تو کیا اُسکے لامذہب ہونے سے یہ بات غلط ہوجاویگی۔ اگر کوئی نہایت پابند مذہب کہے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہین تو کیا اُسکے پابند مذہب ہونے سے یہ بات صحیح ہوجاویگی۔ حاشا وکلا۔

ہان ایک بات آپ نے بہت صحیح لکھی ہے کہ اگر آپ میری تفسیر کے کسی مقام کو خلاف سیاق کلام (اگرچہ مجھکو نہایت شبہ ہو کہ تم اس بات کو سمجھے بھی ہو کہ قرآن مجید کا سیاق کلام کیا ہے اور کس طور پر ہے) اور خلاف الفاظ قرآن اور خلاف محاورہ عرب جاہلیت ثابت کردو تو مین اُسیوقت اپنی غلطی کا مقر ہوجاؤنگا۔ مگر مجاز و حقیقت مین یا استعارہ وکنایہ یا خطابیات مین بحث مت کرنا کیونکہ جیسا تمکو کسی لفظ کے حقیقی یا لغوی معنی لینے کا حق ہے ویسا ہی مجھکو اُسکے مجازی معنے لینے یا استعارہ اور کنایہ یا از قسم خطابیات قرار دینے کا حق ہی اور اُسکے لیے ایک عام مثل دینی کافی ہی جیسے کہ علما نے نسبت خدا کے ید اور وجہ اور استوی علی العرش اور ہبوط کے مذاہب مختلفہ اختیار کئے ہین اور مین خیال کرتا ہون کہ شاید تم بھی انکے حقیقی اور لغوی معنے نہین لیتے اور اُسکے لیے کوئی وجہ رکہتے ہو اُسی طرح مین بھی ایسا کرنیکے لئے قطعی اور یقینی وجہ رکھتا ہون پس اُسپر بحث بحث نہو گی بلکہ مکابرہ ہوگا۔

جانمن حقیقت یہ ہو کہ تمنے خدا کی عظمت کا جس عظمت کے وہ لایق ہے اور قرآن مجید کی صداقت کا جس صداقت کے وہ لایق ہے اور مذہب اسلام کی عزت اور سچائی کا جس عزت اور سچائی کے وہ لایق ہے اپنے دل پر نقش کالحجر نہین کیا ہے اس لئے تمھاری رائے یا تمھارا دل اور تمھارا ایمان ڈاوان ڈول ہوتا ہے اگر تم خیالات کو دل سے محو کرکے یہ سچا اور دلی تقین کر لو کہ خدا سچا ہے اور قرآن اُسکا کلام اور بالکل سچا ہے تو تمکو اس قسم کے شبہات ہرگز پیدا نہون۔

پس سمجھو کہ تفسیر لکھنے مین میرے اصول کیا ہیں اُسکے بالاستیعاب بیان کرنیکے لئے

تو ایک رسالہ مستقل چاہئے مگر مین چند کو جو مقدم ہین بتلاتا ہون۔
پہلا اصول۔ یہ ہے کہ خدا سچا ہے اور قرآن مجید اُسکا کلام اور بالکل سچ اور صحیح ہے کوئی علم یعنے سچ اُسکو جھٹلا نہین سکتا بلکہ اُسکی سچائی پر زیادہ روشنی ڈالتا ہے
دوسرا اصول۔ یہ ہے کہ اب ہمارے سامنے دو چیزین موجود ہین (۱) ورک آف گاڈ یعنے خدا کے کام (۲) ورڈ آف گاڈ یعنے خدا کا کلام یعنے قرآن مجید اور ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کبھی مختلف نہین ہو سکتا اگر مختلف ہو تو ورک آف گاڈ تو موجود ہے جس سے انکار نہین ہو سکتا اور اسلیئے ورڈ آف گاڈ جسکو کہا جاتا ہے اُسکا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے نعوذ باللہ منہا اسلیئے ضرورت ہے کہ دونون متحد ہون۔
تیسرا اصول۔ ورک آف گاڈ یعنے قانون قدرت ایک عملی عہد خدا کا ہے اور وعدہ اور وعید یہ قولی معاہدہ ہے اور ان دونون مین سے کوئی بھی خلاف نہین ہو سکتا۔ لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ اُسکی تسلیم سے خدا کی قدرت مطلق مین نقصان آتا ہے جیسا کہ مین سمجھتا ہون کہ تمہارا خیال ہے محض غلط اور وہم اور ناسمجھی ہے اس راز کے سمجھانے کو چند سطرین کافی نہین۔
چوتھا اصول۔ خواہ یہ تسلیم کرو کہ انسان مذہب یعنے خدا کی عبادت کے لئے پیدا ہوا ہے۔ خواہ یہ کہو کہ مذہب انسان کے لئے بنایا گیا ہے دونون حالتون مین ضرور ہے کہ انسان مین بہ نسبت دیگر حیوانات کے کوئی ایسی چیز ہو کہ وہ اُس بار کے اُٹھانیکا مکلف ہو اور انسان مین وہ شے کیا ہے؟ عقل ہے۔ اس لیئے ضرور ہے کہ جو مذہب اُسکو دیا جاوے وہ عقل انسانی کے مافوق نہو (مجھکو افسوس ہے کہ تم ہرگز نہین سمجھتے کہ عقل انسانی اور عقل شخصی مین کیا فرق ہے) اگر وہ عقل انسانی کے مافوق ہے تو انسان اُسکا مکلف نہین ہو سکتا بلکہ اُسکی ایسی مثال ہوگی جیسے کہ بیل یا گدھے کو امر و نہی کا مکلف قرار دیا جاوے یا جونور کا قاضی بنا دیا جاوے۔

مذہب اسلام اور خدا کا کلام ان تمام نقصانون سے پاک ہے وہ بتاتا ہے کہ تم
سمجھ لو اور سمجھ کر یقین کرو کہ جو کچھ خدا بتاتا ہے اور کہتا ہے وہ سچ ہے۔ اس سے زیادہ
سچائی کیا ہوسکتی ہے جو بانی اسلام کی زبان سے کہدینے کو خدا اُسنے فرمایا[۱] اِنَّمَآ اَنَا
بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ اِنَّمَآ اَنَا بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ۔ جانِ من
مذہب اسلام اور خدا اسکے کلام کو دیو اور پری کے قصے مت بناؤ ورنہ جو فوقیت
اسلام کو دوسرے مذاہب باطلہ سے ہے وہ ساقط ہوجاتی ہے اور انسان عقل
انسانی کی رو سے قابل یقین نہین رہتا۔
جاہل ایک بات کو جو عقل انسانی کے مافوق ہے مان سکتا ہے اس وجہ پر کہ فلان
بزرگ نے کہی ہے اور اُسکا ایمان مضبوط رہتا ہے کیونکہ وہ اسکے سوا اور کچھ نہین
جانتا مگر جسکو خدا نے عقل انسانی یا اُسکا کوئی حصہ عطا کیا ہے وہ ایسی بات پر
جو مافوق عقل انسانی ہے یقین نہین کرسکتا۔
مین نے بہت سے عالمون کو یہ بات کہتے سُنا ہے اور شاید تمپر بھی گذرا ہوگا کہ
فلان بات دل مین تو نہین بیٹھتی یا سمجھ مین تو نہین آتی مگر قرآن یا حدیث مین
آئی ہے مان لینی چاہیئے۔ اسطرح مان لینے پر یقین اور ایمان کامل کا اطلاق نہین
ہوسکتا گو کہ نجات کے لئے کافی ہو۔
اب تمہارے دل مین بہت سے شبہات پیدا ہونگے اور تم خیال کروگے کہ مذہب
اسلام اور قران مجید مین تو بہت باتین مافوق عقل انسانی ہین مگر یہ تمھاری
سمجھ کا قصور ہے قرآن مجید اس نقصان سے پاک ہے۔
تمنے بہت مدت تک نوکری کی اب اُسکو چھوڑدو علیگڈھ مین چلے آؤ یہان رہو
چند مدت کی گفتگو اور سمجھانے اور بتانے کے بعد تمکو ثابت ہوجاویگا کہ اسلام مین اور

[۱] مین تو صرف مثل تمہارے انسان ہون مگر مجھپر وحی بھیجاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے۔ مین صرف
خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہون۔

قرآن مجید مین کوئی بات ما فوق عقل انسانی نہین ہے۔ والسلام۔

ازالہ آباد — خاکسار

۱۷ اگست ۱۸۹۲ء — سید احمد

دوسرا خط نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان کا

بنام

سر سید احمد

حیدر آباد دکن — ۱۹ ستمبر ۱۸۹۲ء

جناب عالی

آپ کا خط ۱۷ اگست کا لکھا ہوا پہونچا۔ مجھے اسکا ذرا بھی خیال نہ تھا کہ اُن دو نقرونکو جو یون ہی سرسری طور پر میرے قلم سے آپ کی تفسیر کی نسبت نکل گئے تھے آپ اتنی توجہ فرمائینگے اور اُسکے متعلق ایسا بڑا خط لکھین گے۔ مگر مین نہایت خوش ہون کہ آپ نے اُسپر ایسی توجہ فرمائی اور مجھے اپنے شبہات کا زیادہ تفصیل سے عرض کرنیکا موقع دیا۔ مجھے امید ہے کہ آپ نہایت ٹھنڈے دل سے میری اس تحریر کو ملاحظہ فرمائین گے اور محققانہ جواب سے میرے دل کے سارے شکوک دور کردینگے۔ آپ یقین کیجیے کہ مین اگرچہ آپ کے نزدیک آبائی تقلید کی دلدل مین پھنسا ہون مگر اُس سے نکلنے پر آمادہ ہون۔ بشرطیکہ آپ مجھے ثابت کردین کہ مین درحقیقت کسی ایسی دلدل مین پھنسا ہون اور یہ کہ اُس سے نکلنے کے بعد کسی ایسے گہرے تاریک اور آگ سے بھرے ہوئے غار مین گرنے کا اندیشہ نہین ہے جس کی نسبت میرے حق مین دلدل ہی مین پھنسا رہنا زیادہ مفید ہو۔

حضرت۔ آپ نے اٹھارہ برس کے بعد میرے دلپر تازیانہ لگایا ہے اور بھرے ہوئے

زخم کو پھر ہرا کیا ہے اگر اُس کے درد سے مین چلاؤن اور نالہ و شیون کرون تو مجھے معذور سمجھیے اور میرے شور و فغان کو سُنکر میرے درد کی دوا فرمائیے۔ ایسا نہو کہ آپ اَور چوٹ لگا دین اور مجھے چلّانے اور غل مچانے پر زیادہ مجبور کرین۔

جناب والا۔ آپنے میرے اُس خیال کی نسبت جو آپ کی تفسیر کی نسبت ہے دو سبب قرار دیئے ہین۔ ایک آبائی خیالات کی پابندی۔ دوسرے علماء کے اقوال اور تفاسیر پر یقین پہلے امر کی نسبت مین تسلیم کرتا ہون کہ خدا نے اپنی مہربانی سے مجھے مسلمان کے گھر مین پیدا کیا۔ بچپن سے میرے کان مین اسلام کی باتین ڈالین لڑکپن سے مین اسلامی باتین سنتا رہا اور بلاشبہ اُنکا بہت بڑا اثر میرے دل پر ہوا۔ مگر مین یہ بات نہین مان سکتا کہ جو کچھ مین نے سُنا اور جو کچھ سُنی ہوئی باتون کا اثر میرے دل پر ہوا وہ عموماً ایسا قوی تھا کہ اُسکو مین دل سے مٹا نہین سکا۔ مین اپنی زندگی کے پچھلے دنون پر جب ایک سرسری نظر ڈالتا ہون تو ایک بہت بڑا سلسلہ ایسے خیالات اور اعتقادات کا پاتا ہون جنمین نہایت تغیر و تبدل ہوا ہے۔ بہت سی چیزین ایسی دیکھتا ہون جنکو مین اوّل صحیح سمجھتا تھا مگر اب غلط جانتا ہون اور بہت سے خیالات ایسے ہین جنکو ایک زمانہ مین بُرا جانتا تھا مگر اب اچھا سمجھتا ہون۔ پھر مین یہ تغیر خیالات کا صرف جزئیات مین نہین پاتا بلکہ اصول اور کلیات مین بھی پس اگر آپ کے ارشاد کے موافق آبائی تقلید کی جڑ میرے دل مین ایسی مضبوط ہوتی کہ کسی طرح وہ اُکھڑ نہ سکتی تو مین اپنے دل سے ایسی خیالات کو جو لڑکپن سے میرے دل مین جمے ہوئے تھے کیونکر اُکھاڑ کر پھینکدیتا اور بہت سی ایسی باتون کو جو سنتے سنتے کالنقش فی الحجر ہوگئی تھین حرف غلط کی طرح صفحۂ دل سے کسطرح مٹا سکتا۔ اسلئے جہان تک مین اپنے دل کو دیکھتا ہون اُسے حق کے قبول پر آمادہ اور آبائی خیالات اور رسم و رواج اور قوم اور برادری کی پابندی سے آزاد پاتا ہون اسپر میری رائے جبکہ آپ کی تفسیر کے بعض مضامین سے ایسی مخالف ہو کہ اُسکی نسبت

القول بما لا یرضی به قائله کہ بیٹھا تو اسکا کوئی نہ کوئی سبب ہوگا۔ بظاہر حالات تو مقتضی اسکے تھے کہ مین آپکی راے سے اتفاق کرتا اور آپ کے ہر خیال کو اچھا سمجھتا اسلیئے کہ علاوہ اُس یقین کے جو مجھے آپکے اسلام اور عالی دماغی اور بلند خیالی اور پاک باطنی پر ہے میرے دل کو آپ سے وہ نسبت ہے جو لوہے کو مقناطیس سے جسطرح کہ اُسکے اختیار سے خارج ہے کہ مقناطیس کیطرف نہ جھکے اور اپنے آپ کو اُسکی کشش سے بچا سکے اسی طرح میرے امکان مین نہین ہے کہ آپکی بات نہ مانون اور آپ کے خیالات کا ہمصفیر نہ ہون۔ مگر باوجود اس کے جبکہ مین آپ کی تفسیر کے بعض مضامین کا مخالف ہوا اور مخالف بھی ایسا کہ اُس مخالفت کو نہ آپکی وہ عظمت و وقعت جو میرے دلمین ہے روک سکی نہ وہ محبت و ارادت جو مجھے آپ سے ہے اُسکی مانع ہوئی نہ آپکی جادو بھری تحریر نے اثر کیا نہ آپ کی پُرزور تقریر نے۔ تو میرے پیارے سید خدا کے لئے انصاف کرو کہ اُسکا سبب بچپن کی سُنی سُنائی باتون کا اثر ہوگا یا اُس قوت ایمانیہ کا جسکے مقابلہ مین سارے خیالات محبت اور عظمت اور ارادت کے دب گئے۔ اور یہ کمزور دل کا کام ہے یا اُس برد ست دل کا جسنے حق بات پر کسی اور چیز کو غالب ہونے نہ دیا۔

دوسرا سبب۔ میری مخالفت کا آپ اُس اعتقاد کو قرار دیتے ہین جو مجھے علما کے اقوال اور تفاسیر کے رطب و یابس روایات پر ہے اور جو آپ کے نزدیک پہلے سبب کا قوی اور مضبوط کرنیوالا ہے۔ آپ کی اس تحریر نے مجھے نہایت متعجب کیا اسلئے کہ آپ سے بہتر کوئی نہین جانتا کہ میرے خیالات اس بارہ مین کیا ہین اور علما اور اُنکی کتابونکی نسبت مین کیا راے رکھتا ہون۔ آپ خوب جانتے ہین کہ میرے نزدیک نہ کوئی کتاب خدا کی کتاب کے سوا غلطی سے پاک ہے گو وہ کیسی ہی اصح الکتب کیون نہ سمجھی گئی ہو۔ اور نہ کوئی شخص سوائے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے خطا اور غلطی سے محفوظ ہے گو وہ صحابی اور امام ہی کیون نہو۔ بلاشبہ اسلام اسپر فخر کر سکتا ہے کہ اُسمین بہت بڑے

مفسر اور محدث اور مجتہد اور عالم اور فقیہ اور حکیم ہوئے اور بہت مفید اور قابل قدر کتابین لکھی گئین۔ اور ہمارے بزرگون نے بہت بڑا ذخیرہ علم کا ہمارے لیے چھوڑا اور ہم اُنکے علم اور اجتہاد اور رائے اور زبانی قیاس سے بہت بڑی مدد پاتے ہین مگر کوئی بھی اُنمین معصوم نہ تھا۔ نہ کسی پر جبریل امین وحی لائے تھے نہ کسی کی شان مین خدا نے[۵۱] مَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى فرمایا تھا۔ اسپر بھی اگر اُن کی کسیکو ہر طرح سے ہر بات مین اور ہر حالت مین واجب التقلید سمجھے اور باوجود ظاہر ہو جانے غلطی کے خواہ وہ عقل و فطرت کی وجہ سے ہو یا کسی اور سبب سے اُسکی کہی ہوئی یا لکھی ہوئی بات کو سچ سمجھتا اور یقین کرتا ہے تو وہ میرے نزدیک مشرک[۵۲] فی صفة النبوة ہی اور عقل سی خارج اور راہ راست سے کوسون دور۔ کیا خوب فرمایا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے [۵۳] من جعل الحق وقفا علی واحد من النظار فهو الی الکفر و التناقض اقرب پس جبکہ عالمون اور کتابون کی نسبت میری یہ رائے ہو اور جیسے آپ خوب جانتے ہون تو آپ میرے اُس تعجب اور تاسف کا اندازہ کر سکتے ہین جو آپکی اس تحریر سے مجھے ہوا ہوگا۔ خیر آپکو اختیار ہے جو سبب چاہین آپ اُسکا قرار دین خواہ بچپن کے خیالات کو خواہ علماء کے اقوال پر یقین کرنے کو مگر میرے نزدیک تو اسکا سبب صرف یہ ہے کہ آپکی تفسیر بعض مقام پر تفسیر الکلام بما لا یرضی به قائله ہی۔

جناب من مجھے تو آپنے اپنی تفسیر کے اعلے مقامات کے نہ سمجھنے پر یہ الزام لگایا کہ بچپن کی سُنی سُنائی باتین دل مین ایسی جم گئی ہین کہ اُنھون نے غور و فکر کی قوت کو بیکار کر دیا ہی مگر یہ تو فرمائیے کہ اس زمانہ کے فلاسفر اور سائینس (علم) کے جاننے والے جو تمام درجے

---

[۵۱] وہ اپنی خواہش سے نہین بولتا بلکہ وہ وحی ہے جو اُسکی طرف بھیجی جاتی ہے [۵۲] اگر صرف دینی امور مین یہ حالت ہو تو یہ بیشک شرک فی النبوة ہی اور اگر دینی اور دنیوی امور مین یہ حالت ہو تو اس صورت مین یہ شرک فی الالوہیت ہوگا۔ عثمان۔ [۵۳] جو شخص کسی ایک خاص مجتہد پر حق کو منحصر سمجھے تو وہ کفر اور تناقض سے زیادہ تر قریب ہے ۱۲

نیچر (فطرۃ) کے حل کرکے نئی روشنی دُنیا مین پھیلا رہے ہین اگر حضرت کی نسبت کہین کہ گو آپنے تقلید چھوڑی کتابون کو ردی سمجھا عالمون اور مفسرون کی تضحیک کی اور اپنے نزدیک تحقیق کے بڑے بڑے درجہ پر قدم رکھا اور قرآن کو نیچر اور قوانین نیچر کے مطابق کرنے مین بڑی زحمت اُٹھائی مگر باوجود اس عالی دماغی اور روشنضمیری اور محققانہ خیالات اور حکیمانہ دماغ کے بچپن کی سُنی سُنائی باتون کے اثر سے آپ اپنے آپکو بچا نہ سکے[۱] اور ابتک خدا کے مقرر رسول کے قائل اور اصول دین کے معتقد بنے رہے قصور معاف آپ کو اس کے جواب دینے مین اتنی آسانی ہوگی جتنی کہ مجھے آپکے ارشاد کے جواب مین ہے اسلئے کہ مین ایک حد پر پہونچکر عقل کو معزول اور فطرت سے اپنے آپکو نیچر کہکر اپنا پیچھا چھڑالونگا اور علی بدین العجایز کا اقرار کرنے لگونگا۔ مگر آپکو بڑی مشکل پیش آویگی کہ آپ ایک اصل کو بھی اصول دین سے اور ایک اعتقاد کو بھی منجملہ معتقدات مذہب کے ماڈرن سائینس (علوم جدیدہ) اور زمانہ حال کے فلسفہ کی رو سے لا آف نیچر کے مطابق ثابت نکر سکین گے[۲] یہ میرا کہنا درحقیقت معارضہ بالمثل نہین ہے اور نہ آپکی جناب مین گستاخانہ خیال۔ مین اپنی ارادت اور عقیدت اور آپ کی شان کو اس سے بہت ارفع و اعلےٰ سمجھتا ہون کہ کوئی بے ادبانہ اور گستاخانہ بات زبان پر لاؤن۔ مگر عقیدت یا عظمت واقعات کو بدل نہین سکتی۔ جو کچھ مین نے کہا ہے یہ ایک واقعہ ہے اور اس زمانہ کے فلاسفر اور حکیم اور نئی سائینس کے عالم مذہبی خیالات رکھنے والون کی نسبت یہی کہتے ہین چنانچہ ایک بہت بڑا یورپین عالم اپنی ایک مشہور کتاب مین جہان

[۱] کچھ عجب نہین کہ اس مقام پر جو کچھ کہا ہے سچ ہو مگر مین نے اپنی دانست مین خدا اور رسول کو اور اسلام کی حقیقت کو بعد تحقیق اور بعد یقین مانا ہے باین ہمہ اگر اسمین کوئی شایبہ بچپن کی سُنی ہوئی باتون اور تعلیم پائی ہوئی کے اثر کا ہو اُس سے مین انکار نہین کر سکتا ۱۲ سید احمد

[۲] یہ کہنا صحیح نہین ہے کیونکہ مجھے دعوےٰ ہے اور یقین ہے کہ مین عہدہ برآ ہوسکونگا۔ والا فہو کاف لتسکین قلبی ولا حاجۃ لی ان اقول علی بدین العجایز ۱۲ سید احمد

اُسنے خدا کی قدرت اور ارادہ اور علم اور تصرف فی العالم اور خالق خیر و شر ہونے سے انکار کیا ہے اور اُسے صرف ایک ایسی علۃ العلل قرار دیا ہے جسے کسی قسم کا اختیار یا تصرف عالم مین نہین ہے کہتا ہی کہ "یہ عقیدہ پُرانے خیالات سے زیادہ تر صاف اور عاقلانہ ہی مگر اسمین شک نہین اُسکے ماننے کے لیئے زیادہ قوت دل کی ضرورت ہے اور جن لوگون کو ہر معمولی واقعہ مین خدا کی خاص قدرت اور ارادہ اور پیش بینی اور ہر روزمرہ کی چیز مین اُسکی نگرانی اور علم کے آثار پانے کی عادت ہو گئی ہے اُنکو یہ عقیدہ سرد اور غیر تسکین بخش معلوم ہوگا لیکن اُمیدین اور خیالات واقعات کے مقابلہ مین بے طاقت ہین"۔ ایک اور صاحب فرماتے ہین کہ "جسے لوگ خدا اور خالق کہتے ہین وہ خود انسان کا مخلوق ہے" یعنے اپنے دل سے اُسے پیدا کر لیا ہے اور اپنی صفات کا جامع قرار دیا ہے"۔ یہ صاحب دنیا کے ناقص اور غیر مکمل اور بے ترتیب ہونے پر اُسکے بنانے والے کو براہ تمسخر وطنز آموز قرار دیکر خدا کے ماننے والون کو احمق اور بیوقوف کہتے اور کتب آسمانی کے غلط اور جھوٹ ہونے پر اُنہین کی شہادت لاتے ہین۔ چنانچہ انجیل سی پاک کتاب کی نسبت آپ فرماتے ہین کہ "میری رائے مین کسی دانشمند آدمی کو اس بات کے یقین دلانے کو کہ انجیل انسان کی بناوٹ بلکہ وحشیانہ ایجاد ہے صرف اسیقدر ضرورت ہی کہ وہ انجیل کو پڑھے"۔ پھر آپ لوگون سے فرماتے ہین کہ "تم انجیل کو اس طور سے پڑھو جیسے کہ تم اور کسی کتاب کو پڑھتے ہو اور اُسکی نسبت ایسے خیالات کرو جیسے کہ اور کتابون کی نسبت کرتے ہو۔ اپنی آنکھون سے تعظیم کی پٹی نکال ڈالو اور اپنے دل سے خوف کے بھوت کو بھگا دو اور دماغ اوہام سے خالی کرو تب انجیل مقدس کو پڑھو تو تمکو تعجب ہوگا کہ تمنے ایک لحظہ کے لئے بھی کیونکر اس جہالت اور ظلم کے مصنف کو عقلمند اور نیک اور پاک خیال کیا تھا"+ یہ خیالات کچھ ایک دو مصنفون کے نہین ہین بلکہ اکثر سائینس کے جاننے والے

+ آپ یقین کر لین کہ جب ہم اُنکے مقابل کچھ لکھین گے تو اُنکے ان اقوال کا غلط ہونا نیچر کی رو سے اور عقلی دلائل سے ثابت کر دین گے۔ ۱۲۔ اسید احمد۔

مذہب کے ماننے والون اور خدا کے متصف بصفات وجوبیہ و سلبیہ سمجھنے والون پر نہایت تعجب اور تاسف کرتے ہین پس جبتک کہ آدمی علم کی معراج سے اُس درجہ پر نہ پہنچ جاوے وہ ایسے لوگون کے نزدیک ضرور آبائی خیالات کا پابند سمجھا جاویگا اور جبتک خدا اور رسول اور معاد اور اصول دین کو مانتا رہے گو وہ کتنے ہی زینے علم و نیچر کے طے کر چکا ہو مجھہ ہی سا ضعیف القلب اور کمزور ٹھہریگا اگر فرق ہوگا تو کمی بیشی کا مجھے ایسے لوگ زیادہ بودے دل کا سمجھین گے اسلئے کہ مین خدا کو قاضی الحاجات سمجھتا ہون۔ دعا کو ایک سبب حصول مقصد کا اور اجابت دعا کے معنے مطلب کا حاصل ہونا جانتا ہون جبریلؑ کو ایک فرشتہ وحی کا لانے والا اور نبوت کو ایک عہدہ خدا کا دیا ہوا خیال کرتا ہون آپ کو ان باتون کے انکار سے بہ نسبت میرے زیادہ قوی اور زیادہ ہمت والا سمجھینگے مگر پورا مرد اور بچپن کی سنی سنائی باتون کی قید سے کامل آزاد نہ کہین گے اسلئے کہ آپ بھی خدا کے معتقد رسولؐ کے قائل قرآن کے مقر ہین اور عذاب و ثواب حشر و نشر وغیرہ اصول دین کو مانتے ہین گو بعض کی حقیقت مین عامہ مسلمین سے کچھہ اختلاف رکھتے ہون۔

بہر حال جو دو سبب آپنے میری مخالفت کے اپنی تفسیر سے قرار دیئے ہین اُنمین سے کسی ایک کو بھی نہین مانتا۔ (الحمد للہ ۱۲ سید احمد) اب رہا یہ امر کہ میرے پاس خدا کی بھیجی ہوئی وحی آئی تھی جس سے مجھے ثابت ہوا کہ مرضی قائل یعنے خدا کی وہ نہین ہے جو آپ سمجھے ہین اُسکی نسبت بادب تمام عرض کرتا ہون کہ مجھپر تو وحی آنے کی ضرورت جب ہوتی کہ مین کوئی ایسی بات بیان کرتا جو انسانون کی معمولی سمجھہ سے خارج ہوتی یا وہ معنے قرآن کے بیان کرتا جسے نہ صاحب الوحی سمجھے تھے نہ صحابہ نہ ائمہ نہ عامہ مسلمین† ہان آپنے بعض مقامات پر قرآن کے وہ معنے بتائے ہین جو نہ لفظون سے نکلتے ہین

† ابھی یہ دعوے ثابت نہین ہوا اور بغیر اسکے ثابت کرنے کے کیونکر اسکو دلیل گردانا ہے ۱۲ سید احمد۔

نہ محاورۂ عرب کے مطابق ہین نہ سیاق کلام کے موافق بلکہ جو اسلام کا منشاء اور
قرآن کا مقصود اور پیغمبرؐ کی ہدایت کی اصلی غرض ہے اُن سب کے خلاف پس
ایسی صریح اور صاف بات کے لئے مجھپر وحی آنے کی ضرورت نہ تھی اور خدا کی عام
مرضی معلوم ہونے کے بعد جو معنے اُسکے خلاف لئے گئے اُسپر لا یرضیٰ بہ قائلہ
کہنا بیجا نہ تھا۔ اب رہا اس کا ثبوت وہ مین آئندہ آپ کی تفسیر کے بعض اقوال
نقل کرکے بخوبی دونگا ✝

مگر با این ہمہ آپ یہ خیال نفرماوین کہ مین اُس ضرورت سے بیخبر ہون جسنے آپکو
تفسیر لکھنے پر مجبور کیا یا مذہب اور علم کی اُس لڑائی سے ناواقف ہون جو نہایت
زور شور سے اس زمانہ مین ہو رہی ہے۔ یا مین علم کے حملہ کو خفیف سمجھتا ہون
جو نئے ڈھنگ سے اور نو ایجاد ہتھیارون سے مذہب پر کر رہا ہے یا مین اپنے ہان کی
موجودہ کتابون کو اس وقت کی ضرورت کے لئے کافی سمجھتا ہون یا نئے خیالات
اور نئے افکار کا مخالف ہون۔ غالبًا بہت کم آدمی ایسے ہون گے جو مجھسے بڑھ کر
اس بات کے خواہشمند ہون کہ مذہب علم کے حملہ سے بچایا جاوے اور کم ایسے لوگ
ہونگے جو آپ کی اس مردانہ ہمت کی داد دیتے ہون۔ آپ اس لڑائی مین اسلام کا
سفید عَلَم لیکر علم کے سامنے آئے اور ایسے غالب اور قوی حریف سے مصالحت کی
کوشش کی۔ مجھسے بڑھکر کوئی نہین جانتا کہ تفسیر کے لکھنے سے آپکا مقصود کیا ہے
کچھ نہین سوائے اسکے کہ اسلام اپنی سلطنت پر قایم رہے اور علم اُسکا دوست
سمجھا جاوے اور آپ کی تفسیر مین اس بات کی بہت سی نشانیان بھی پائی جاتی ہین
اور وہ غور سے دیکھنے والے کو نہایت اعلےٰ مضامین اور حکیمانہ خیالات اور
محققانہ باتون سے بھری ہوئی نظر آتی ہے لاریب[ل] فیہ انہ کنز مدفون

✝ جب دوگے اور جب ثابت کرلوگے تب دلیل مین لانا اسوقت اُسپر استدلال بےموقع ہے ۱۲ سید احمد
ل اسمین شبہ نہیں کہ وہ فوائد کے جواہرات کا ایک مدفون خزانہ اور عجیب نکات کا سمندر ہے۔

من جواهر الفوايد و بحر مشحون بنفايس الفرايد مگر مین یہ نہین مانتا کہ آپ ہر جگہ اس مقصود کے حاصل کرنے مین کامیاب ہوئے بلکہ برخلاف اُسکے مین یہ کہہ سکتا ہون کہ آپ بعض جگہ تسامح کے درجہ سے گذر کر مغالطہ مین پڑگئے۔ اور جس حد پر پہنچکر آپ کو ٹھہرنا چاہیے تھا اُس سے گذر گئے۔ آپنے اُن باتون کو جو اس زمانہ کے علم و سائینس نے پیدا کی ہین بغیر کسی شک و شبہ کے صحیح اور یقینی مان لیا اور جو باتین قرآن مین بظاہر اُسکی مخالف معلوم ہوئین اُسمین ایسی تاویلین کرنی شروع کین کہ قرآن کا مقصود ہی فوت ہوگیا اور اسپر ستم ظریفی آپ کی یہ ہے کہ آپ تاویل کو کفر قرار دیتے اور اپنی تفسیر کو قرآن کے الفاظ اور سیاق اور محاورے اور مقصود محاورے کے مطابق بتاتے ہین لیکن اس سے بھی آپ کا اصل مقصود کوسون دور رہا۔ اسلئے کہ نیچر اور لا آف نیچر اگر وہی ہے جو اس زمانہ کے یورپین حکیم بتاتے ہین تو خدا کی خدائی اور رسولون کی رسالت اور عذاب و ثواب کا اقرار وہی آبائی تقلید اور بچپن کی سُنی سنائی باتون کا اثر سمجھا جاوے گا اور قرآن باوجود انکار معجزات اور خرق عادات اور دعا اور اجابت دعا اور فرشتون اور جنات کے نیچر اور لا آف نیچر کے مخالف ہی رہیگا پس میرے نزدیک آپ دو مصیبتون مین سے ایک مین سے بھی نہ نکل سکے۔ کہین قرآن کے معنی سمجھنے مین غلطی کی اور کہین نیچر اور لا آف نیچر کے ثابت کرنے مین۔ بعض جگہ تو آپ قرآن کا وہ مطلب سمجھے جو نہ خدا سمجھا نہ جبریلؑ نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ صحابہ نہ اہلبیت نہ عامہ مسلمان اور کہین نیچر کے دائرہ سے نکل گئے اور مذہبی آدمیون کی طرح پُرانے خیالات اور پُرانی دلیلون اور پُرانی باتون کا گیت گانے لگے چنانچہ آپکی تفسیر مین دونون باتون کا جلوہ نظر آتا ہے جہان آپنے دعا اور اجابت دعا کے مشہور معنون سے

انکار کیا معجزات اور خرق عادات کو ناممکن سمجھکر حضرت عیسیٰ کے بے باپ پیدا ہونے اور اُن کی طفلی کے زمانہ کے واقعات اور احیاے اموات وغیرہ باتوں کو اہل کتاب کی کہانیان بتلایا وہان آپنے دکھا دیا کہ آپکی تفسیر قرآن کے الفاظ اور سیاق عبارت اور اُس کے عام منشا رسے کچھہ مناسبت اور مطابقت نہین رکھتی۔ اور جہان آپ نے خدا کی خدائی اور پیغمبر کی پیغمبری اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے اور ثواب و عذاب وغیرہ کا اقرار کیا گو اُس کی حقیقت مین علماے ظاہری کی رایون سے اختلاف کیا ہو وہان آپنے ثابت کر دیا کہ نیچر اور لا آف نیچر کا کچھہ بھی اثر آپ پر نہین ہوا وہی سب پُرانے خیالات آپ کے دل مین سماے ہوے ہین جن پر نیچر کے جاننے والے اور لا آف نیچر کے ملننے والے ہنستے ہین۔ کیا آپ ثابت کر سکتے ہین کہ یہ اعتقادات لا آف نیچر (قوانین فطرۃ) کے مطابق ہین (ہان ۱۲ سید احمد) یا ماڈرن سائنس (علوم جدیدہ) سے اسکی تصدیق ہو سکتی ہے (ہان ہو سکتی ہے ۱۲ سید احمد) اور اعتقادات کا تو کیا ذکر ہے آپ صرف خدا کی خدائی فلسفۂ جدیدہ سے ثابت کر دیجیے (بیشک ۱۲ سید احمد) اور اُسکے خالق اور قادر اور حکیم اور علیم ہونے کا ثبوت حکماء زمانہ حال کے اقوال سے پیش کیجیے (اس کی مجھے حاجت نہین ۱۲ سید احمد) میری نزدیک اکثر فلسفی تو ایسے باہمت اور بہادر اور دل کے قوی ہین کہ وہ خدا کے وجود کے اعتقاد سے بڑھ کر کسی بات کو بیہودہ نہین سمجھتے۔ اور نعوذ باللہ خدا کو خود انسان کے وہم و خیال کا پیدا کیا ہوا کہتے ہین۔ ہان بعض اُسکے وجود کے قائل ہین یا یون کہیے کہ منکر نہین ہین مگر وہ بھی کس خدا کے قائل ہین اُس خدا کے نہین جو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد صلعم کا خدا ہے بلکہ اُس خدا کے جو ڈارون اور ہیکل کا خدا ہی جسکا نام اُنکی زبان مین فرسٹ کاز اور عربی مین علۃ العلل ہے واین خدا ایجوے نمی ارزد و بکار مانمی آید اُنکے خدا نے نہ کسی چیز کو اپنے ارادے اور مرضی سے پیدا کیا اور نہ کر سکتا ہے۔ نہ کسی چیز مین تصرف کیا نہ کر سکتا ہی نہ وہ کسی قسم کا اختیار رکھتا ہے نہ کسی چیز کو جانتا ہی نہ کسی بات کو سنتا ہی نہ قاضی الحاجات

ہی نہ سمیع الدعوات نہ فاعل مختار ہے نہ قادر علے الاطلاق۔ ہان اس سے انکار نہین
کہ وہ ایک ہستی ہو جس سے کوئی غیر معلوم مادہ بلا اُسکے اختیار اور بغیر اُسکی مرضی کے اور
بغیر تقدم زمانہ کے ظاہر یا پیدا ہو گیا اور اس سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا اور
تیسرے سے چوتھا وہلم جرا مواد پیدا ہوتے ہوتے مادی کائنات کا ظہور ہوا اور ایک
ناکامل حالت سے آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے لاکھون کرورون برسون کے تغیرات
اور تنازعات کے بعد یہ دُنیا بنی اور جو کچھ اب ہم دیکھتے ہین اُسکا اس طور پر ظہور تدریجی
عمل مین آیا۔[1] ولکن لیس فیھما مایدل علی الاختیار بل کلہ عن الاضطرار۔
پس اگر یہ مسئلہ نیچر کا مان لیا جائے اور یہ لاز آف نیچر تسلیم کر لئے جاوین تو فرمایئے
کہ وہ خدا جو خالق اور صانع قادر اور مرید سمیع علیم مصور اور حکیم اور کیا کیا مانا جاتا
ہے کہان باقی رہتا ہے اور جبتک کوئی ڈارون کا ہمخیال اور ہکسل کا ہمصفیر نہ ہوے
کیونکر وہ دل کا مضبوط اور دانشمند کہا جا سکتا ہے؟۔ رہا اُنکا ہمخیال اور ہمصفیر ہونا۔
اسکی کسی اور کو خواہش ہو تو ہو مگر مجھے تو نہ اُسکی خواہش ہے اور نہ طاقت (شاباش
شاباش۔ ۱۲ سید احمد) میرا بودا دل اور ضعیف دماغ تو اپنے اولڈ (پُرانے) خدا کے
چھوڑنے اور ساری صفات سے اُسے خالی کرکے صرف فرسٹ کاز (علۃ العلل)
ماننے سے بہت گھبراتا اور لرزتا ہے (شاباش۔ شاباش ۱۲ سید احمد) مین تو اپنی نادانی
اور بُزدلی کو اپنے حق مین ایسے حکیمون کی دانائی اور جوانمردی سے بہت زیادہ مفید
سمجھتا ہون۔ لان البلاھۃ ادنی الی الخلاص من فطانۃ بتراء والعمی اقرب
الی السلامۃ من بصیرۃ حولاء۔
اب مین اس خط کو تمام کرتا ہون اسلئے کہ جو دلچسپ مضمون آپ نے چھیڑا ہے

[1] اور ان مین کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اختیار پر دلالت کرتی ہو بلکہ وہ سب اضطراری ہیں۔
* ہم اُن کی ان سب باتون کی غلطی نیچر سے ثابت کرنے کو موجود ہین اور نیچر ہی سے اُس خدا کو ثابت کرتے
ہین جو ابراہیم اور محمد کا خدا ہے ۱۲ سید احمد۔

وہ ایک یا دو خط مین نہین آ سکتا ضرور ہے کہ ایک سلسلہ ایسی تحریرات کا آپ کی اور
آپ کی بدولت اور شائقین کی خدمت مین پیش کیا جاوے۔ مین اگلے خط مین نیچر اور
لا آف نیچر اور ورک آف گاڈ یعنے خدا کے کام اور ورڈ آف گاڈ یعنے خدا کے کلام سے
جو آپ کی تفسیر کے اصول مین سے ایک اصول ہے بحث کرونگا اور اسبات کو
دکھا دونگا کہ اس زمانہ کی سائینس کی روسے جنکو آپ ورک آف گاڈ اور ورڈ
آف گاڈ کہتے ہین بلکہ خود گاڈ خیالی ڈھکوسلے اور اولڈ فیشن والون کے سڑل خیالات
ہین۔ کہان کا گاڈ اور کہان کا ورک آف گاڈ اور کیسا ورڈ آف گاڈ۔ علم کی روشنی نے
ان تاریک خیالات سے دُنیا کو پاک کرنا شروع کر دیا ہے اور جن کے دل نئے
خیالات کی تیز شعاعون سے روشن ہوگئے ہین وہ ان لغویات کو کچھہ نہین سمجھتے
اُنکے نزدیک ان پُرانی باتون اور ان جہالت و وحشت کے یادگار خیالات کی جگہ
اب باقی نہین رہی اِلّا اُن دلون مین جو آبائی تقلید کے بندون مین پھنسے ہوئے
اور بچپن کی سُنی سُنائی باتون کے دام مین گرفتار ہین ورنہ ماڈرن سائینس نے
فتوے دیدیا ہے کہ خدا وجود معطل ہے۔ رزاقی اور الوہیت بیہودہ خیالات ہین
دُعا اور عبادت وحشیون اور جاہلون کے ڈر اور خوف کا نتیجہ ہے۔ نبوت دھوکہ کی
ٹٹی ہے۔ وحی افسانہ ہے۔ الہام خواب ہے۔ روح فانی ہے۔ قیامت ڈھکوسلہ ہے۔
عذاب و ثواب انسانی اوہام ہین۔ دوزخ و جنت الفاظ بے معنے ہین انسان صرف
ایک ترقی یافتہ بندر ہے مابعد الموت نہ سزا ہے نہ جزا۔ وہ مرنیکے بعد سب جھگڑون قصون سے
پاک ہے۔ پس اے میرے بزرگ سید اور اے میرے پیارے مرشد یہ ہین خیالات اُن لوگونکے
جو کہ حقیقت مین دل کے قوی اور عقل کے کامل اور حکمت کے موجد اور علوم کے دریا کے شناور ہین۔

لہ اَلَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا
اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ ۝ (۱۴-۳) (محسن الملک)

لہ جو لوگ آخرۃ کے مقابلہ مین دُنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہین اور اللہ کے راستہ سے روکتے اور اُسمین عیب تلاش کرتے ہین وہ پرلے درجہ کی گمراہی مین ہین۔

جواب از طرف سرسید احمد خان

مکرمی مہدی

آپ کا نہایت طولانی خط نہایت دلچسپ فصیح و زبردست دلکش مملو از قوت ایمانی و ممزوج از فطرت ربانی پہنچا۔ خوبی تحریر و فصاحت بیان جیسا کہ آپکا خاصہ تسلیم کیا گیا ہے آپ کی ہر تحریر مین پایا جاتا ہے خواہ وہ میرے نام کا خط ہو خواہ لکچر اشاعت اسلام پر خواہ اور کوئی لکچر۔ مگر معاف کیجئے اتنا ضرور کہون گا کہ ذرا سی کسر تعمق نظر مین رہجاتی ہے۔ وعندی ھذا ادا بکم

بات یہ ہے کہ مین خود یہ چاہتا ہون کہ کوئی دوست اور صاحب سمجھ ایسا ہو جو میری تفسیر پر متوجہ ہو اور اُس کی غلطیون سے مجھے آگاہ کرے۔ اور شاید آپ کو یقین ہوگا کہ اگر وہ آگاہی آپ سے مجھکو حاصل ہو تو اُس سے زیادہ خوشی مجھے اور کوئی نہین ہوسکتی۔ مگر جسطرح پر آپ نے یہ خط لکھا ہے یا آئندہ نسبت کسی مقام تفسیر کے کچھ لکھین وہ کچھ مفید نہین ہوسکتا۔ کیونکہ جو داب آپ کا میرے خیال مین ہے وہ مجھکو اُسطرف لیجاویگا کہ پوری غور نہین کی اور اصل بات نہین سمجھی۔

فروع ہمیشہ متفرع ہوتے ہین کسی اصول پر اور اس لئے فروع پر بحث مفید نہین ہوتی جبتک کہ وہ اصل جسپر وہ فرع متفرع ہے صحیح یا غلط نہ قرار پا وے۔ اگر وہ اصل صحیح ٹھہرے تو ضرور ہے کہ فروع اُسکے تابع قرار دیئے جاوین اور صحت اصل وہی دلیل قاطع اور برہان قطعی اُس امر کی صحت کی ہوگی جو بات کہ بلحاظ تابع ہونے اُس فرع کے اپنی اصل سے قرار دی گئی ہے۔

مثلاً امام شافعیؒ کے نزدیک حرمت مصاہرت بدون ازدواج شرعی کے نہین ہوسکتی اب اسپر یہ امر متفرع ہے کہ اگر کسی کے باپ کی کسی عورت سے آشنائی ہو اور کتنی ہی مدت رہی ہو بیٹا اُس سے نکاح کرسکتا ہے۔ یا خود کسی شخص نے کسی

عورت سے آشنائی رکھی پھر اُسکی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے۔ اس فرع کی بہت عیوب اور خرابیان بیان ہوسکتی ہین لیکن جب تک وہ اصل غلط نہ ٹھہرے فرع کے نقصان دعیوب بیان کرنے سے کوئی نقصان لازم نہین آتا۔ بلکہ صحت اصل دلیل قاطع صحت فرع کی ہے وہ بحال خود باقی رہتی ہے جبتک کہ وہ اصل باطل نہو۔

مشکل یہ ہے کہ ہم مین اور تم مین یہ امر طے نہین ہوئے کہ اصول تفسیر کیا ہین یا کیا ہونے چاہئین جب وہ اصول قرار پا جاوین اُسوقت کسی خاص آیت پر بحث ہوسکتی ہے۔ اور بغیر اس کے یہ کہدینا کہ یہ تفسیر نہ محاورہ عرب کے مطابق ہے نہ سیاق کلام کے موافق۔ بلکہ جو اسلام کا منشاء اور قرآن کا مقصود اور پیغمبر کی ہدایت کی اصل غرض ہے اُن سب کے برخلاف ہے۔ کچھ مؤثر نہین۔ اسطرح اُوٹ پٹانگ بات کہدینے سے کچھ فائدہ نہین ہوتا۔

مین چاہتا ہون کہ مجھ سے اور آپ سے مکاتبات ہون صرف متعلق تفسیر اور وہ بطور رسالہ کے جمع کئے جاوین اور اُسکا نام **مکاتبت الخلان فی اصول التفسیر و علوم القرآن** رکھا جاوے۔ شروع ان مکاتبات کی اسطرح پر ہو کہ مین آپکی خدمت مین ہر ایک اصول تفسیر کو وقتاً فوقتاً بھیجون۔ اگر وہ اصول آپکے نزدیک صحیح ہو تو آپ اُسپر لکھدین کہ یہ اصول صحیح ہے۔ پس وہ ہم مین اور آپ مین اصول مسلمہ ہوگا خواہ وہ اصول ہم دونون نے بلحاظ مذہب آبائی تسلیم کیا ہو خواہ از روئے تحقیق کے۔

اور جس اصول کو آپ غلط تصور کرین اُسکی تردید کردین۔ بعد تحریرات تین امر اُسکی نسبت ہونگے۔ یا تو آپ اُسکو تسلیم کرلینگے تو وہ اصول مسلمہ فریقین ہوجاویگا اور یا آپکی تردید کو مین تسلیم کرلونگا تو اُسپر کوئی تفریع معانی قرآن مین نکیجاویگی یا باہم دونون مین اختلاف باقی رہیگا اس صورت مین وہ اصول آپ کے مقابلہ مین حجت نہوگا۔

جب یہ سب اصول اسطرح پر طے ہو جاوین اُسوقت مین آپ کو اجازت دونگا کہ اب میری تفسیر کے جس مقام کو آپ غلط سمجھین اُسپر تحریر فرماوین۔ مگر جبتک اسطرح پر اول اصول نہ قرار پالین اعتراضات و تحریرات و جواب و سوال محض بے سود معلوم ہوتے ہین اور اوقات عزیز کا ضائع ہونا ہے۔ اگر اسطرح ایک رسالہ اصول تفسیر کی تحقیق مین ہماری اور آپ کی تحریرات کا جمع ہو جاوے تو کچھ شبہ نہین کہ نہایت ہی مفید اور بکار آمد ہوگا۔ پس اگر آپ اسبات کو منظور کرین تو مین آپکی خدمت مین اُن اصولون کو وقتاً فوقتاً بھیجنا شروع کرون بعد اسکے نسبت تفسیر کے جو تحریر ہو وہ ہو۔

اخیر خط مین آپ نے لکھا ہے کہ نئے خیالات کی روشنی سے مین بتاؤن گا کہ نہ خدا ہے نہ ورک آف گاڈ اور نہ ورڈ آف گاڈ بلکہ انسان ایک بندر ترقی یافتہ ہے جو فنا ہو جاویگا۔ یہ مباحث تفسیر کی بحث سے کچھ علاقہ نہین رکھتے جبکہ آپ تفسیر کی صحت و عدم صحت سے بحث کرتے ہین تو قرآن کا تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور اسکو تسلیم کرکے اُسکے معنی کی صحت پر یا عدم صحت پر بحث رہجاتی ہے۔ اگر خدا پر بحث کیجاوے تو وہ جدا گانہ بحث ہے پس آپ کا یہ خط اُس حد سے جسپر آپ نے پہلا خط لکھا ہے اور جسکا جواب مین نے لکھا خارج ہے اور جب اسطرح خارج از مبحث کلام ہوتا ہے تو اُسکی نسبت تحریرات فضول معلوم ہوتی ہین والسلام

از الہ آباد

۸ اکتوبر ۱۸۹۲ء

خاکسار

سید احمد

الاصل الاول

یہ بات مسلم ہے کہ ایک خدا خالق کائنات موجود ہے۔ وھو احد صمد لم یلد ولم یولد۔ واجب الوجود حی لا یموت۔ ازلی وابدی۔ وھو علۃ العلل لجمیع المخلوقات علی ما کانت وعلی ما تکون۔

الاصل الثانی

یہ بھی مسلم ہے کہ اُسنے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء مبعوث کئے ہین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق وخاتم المرسلین ہین۔

الاصل الثالث

یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے نزل علی قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اَو یُوحیٰ الیہ وانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ما ینطق عن الھویٰ ان ھُوَ الّا وحیٌ یُوحیٰ۔

الاصل الرابع

یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید بلفظہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل ہوا ہے یا وحی کیا گیا ہے خواہ یہ تسلیم کیا جاوے کہ جبریل فرشتہ نے آنحضرت تک پہنچایا ہے جیسا کہ مذہب عام علماء اسلام کا ہے۔ یا ملکہ نبوت نے جو روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے آنحضرت کے قلب پر القا کیا ہے جیسا کہ میرا خاص مذہب ہے کما قلت

زجبریل امین قرآن بہ پیغامے نمی خواہم ہمہ گفتار معشوق ست قرآنے کہ من دارم

اور ان دونون صورتون کا نتیجہ متحد ہے اور اسلئے اسپر کوئی بحث ضرور نہین ہے۔ مگر مین اسبات کو تسلیم نہین کرتا کہ صرف مضمون القا کیا گیا تھا اور الفاظ قرآن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہین جنکو آنحضرت نے اپنی زبان مین جو عربی تھی

اُس مضمون کو بیان کیا ہے۔ والعجب ثم العجب علی ما قال الامام حجۃ الاسلام بل حجۃ اللہ فی الانام الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی کتابہ التفہیمات الالٰھیہ حیث قال۔ فمن ذلک (ای من التدلیات) القرآن العظیم وذلک ان الفاظ القرآن انما ھی من اللغۃ العربیۃ التی یعرفھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ویتخیلھا والمعانی فایضۃ من الغیب تعلیما لہ صلی اللہ علیہ وسلم تدلیا الی الخلق فبہ صار کلاما الٰھیا انما صار کلاما لان ارادۃ الخیر بالناس امدت فی خیالہ علیہ السلام فھی التی جمعت الالفاظ ونظمھا ثم امد فی ھذا النظم فالبس لباسا حاکیا للجبروت فصار بذلک تدلیا الٰھیا وسمی کلام اللہ (تفہیمات الٰھیہ صفحہ ۱۵۸)

اللھم الا ان یقال ھذا بیان تدلیات وھو رحمۃ اللہ علیہ ادرج القرآن من حیث القاء المعانی تحت التدلیات۔

اور نہایت تعجب ہی کہ حجۃ الاسلام و حجۃ اللہ علی الانام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ نے اپنی کتاب تفہیمات آلٰہیہ مین فرمایا ہی کہ منجملہ انکے (یعنے تدلیات کے) قرآن عظیم ہو اور یہ اسلئے کہ قرآن مجید کے الفاظ عربی زبان کے ہین جنکو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جانتے اور خیال کر سکتے تھے اور معانی کا فیضان آپ کی تعلیم کے لئے غیب سے ہوا ہے جو تدلی الی الخلق ہی تو اب اُسکے کلام آلٰہی ہونے کی کیا وجہ ہی اسکی وجہ یہ ہے کہ ارادہ آلٰہی جو نوع انسان کی بہتری کا خواہان تھا اُسنے آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کے خیال مین مددی اور اسنے ان الفاظ قرآنی کو جمع کیا اور ترتیب دیا اور پھر اس نظم مین مددی اور اسکو ایک ایسا لباس پہنا دیا جو جبروت سے مشابہت رکھتا تھا اور اسلئے وہ تدلی آلٰہی ہوا اور کلام اللہ اسکا نام رکھا گیا تفہیمات آلٰہیہ صفحہ ۱۵۸۔ مگر یہ کہا جاوے کہ یہ تدلیات کا بیان ہی اور حضرت مصنف رحمہ اللہ نے قرآن مجید کو بحیثیت معانی القا ہونے کے تدلیات کے تحت مین داخل کیا ہے۔

مگر یہ قول شاہ صاحبؒ کا عقل اور نفس الامر دونون کے مخالف ہے خود قرآن مجید مین ہے کہ[1] وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ (سورۃ شعرا آیت ۱۹۲-۱۹۴) دوسری جگہ فرمایا ہے[2] اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۃ یوسف آیۃ ۳) اس سے ظاہر ہے کہ نزول قرآن قلب آنحضرت صلعم پر عربی زبان مین ہوا تھا نہ یہ کہ صرف معنے القا ہوئے تھے اور الفاظ جلنسے وہ معنے تعبیر کئے گئے ہین آنحضرت کے تھے۔

نفس الامر کے اسلئے برخلاف ہے کہ خود تم اپنے نفس پر غور کرو کہ کوئی مضمون ولین مجرد عن الالفاظ آہی نہین سکتا اور نہ القا ہوسکتا ہے۔ تخیل یا تصور کسی مضمون کا مستلزم اُن الفاظ کے تخیل یا تصور کا ہے جنکا وہ مضمون مدلول ہے مضمون کا الفاظ سے مجرد ہونا محالات عقلی سے ہے اور اس لئے قرآن مجید بلفظہ آنحضرتؐ کے قلب پر القا ہوا تھا اور وہی الفاظ اور اُسی نظم سے جسطرح القا ہوئے تھے آنحضرتؐ نے لوگون کو پڑھ سنائے۔

الاصل الخامس

قرآن مجید بالکل سچ ہے کوئی بات اُسمین غلط یا خلاف واقع مندرج نہین ہے خود قرآن مین ہے[3] وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (سورۃ فصلت الم سجدہ ۲۴ آیت ۴۱) اور حکایۃً کسی قول کا نقل کرنا صرف بغرض بیان یا بغرض تردید یا لوگون کے اعتقادات کو جو منافی مقصد قرآن کے نہین ہین بلا بحث اُنکی اصلیت اور واقفیت کے تسلیم کرکے

---

[1] اور بیشک یہ قرآن جہان کے پروردگار کا اُتارا ہوا ہے۔ اسے جبرئیل نے اُتارا ہے تیرے دل پر تاکہ تو ڈر والون مین سے ہوجاوے فصیح عربی زبان مین۔ [2] ہمنے اس قرآن کو بزبان عربی نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو۔ [3] اور یہ ایک زبردست کتاب جسمین جھوٹ کو دخل نہین ہوسکتا نہ اُسکے سامنے سے اور نہ اُسکے پیچھے سے اُسکی اُتاری ہوئی ہے جو حکمت والا قابل تعریف ہے۔

اُنپر استدلال کرنا یا بطور حجت الزامی کے پیش کرنا یا امورظاہرالوقوع کو اُنکی ظاہری حالت پر بلا اُنکی اصلی ماہیت پر بحث کے بیان کرنا یا کلام غیر مقصود بالذات کا اثنائے کلام مین آنا قرآن مجید کی صداقت کی منافی نہین ہے۔

الاصل السادس

صفات ثبوتی اور سلبی ذات باری کے جسقدر قرآن مجید مین بیان ہوئے ہین سب سچ اور درست ہین مگر اُن صفات کی ماہیت کان من حیث ھی ھی جاننا مافوق عقل انسانی ہے اسلیئے وہ صفات جس کیفیت یا جس حیثیت سے ہمارے ذہن مین ہین اور جن کو ہمنے ممکنات سے اخذ کیا ہے بعینہ وبحیثیتہ ذات باری پر واجب الوجود ہی منسوب نہین کرسکتے اور صرف یہ کہتے ہین کہ اُن صفات کے جو معنے مصدری ہین وہ ذات باری مین موجود ہین۔ یعنے علم۔ ایجاد۔ قدرت۔ حیات۔ الی غیر ذالک اور نیز اُن صفات کا ذات واجب الوجود یا علۃ العلل مین ہونا ضروری سمجھتے ہین۔

الاصل السابع

صفات باری عین ذات ہین اور وہ مثل ذات کے ازلی و ابدی ہین اور مقتضائے ذات ظہور صفات ہے باتی وجہ کان وباتی شان یکون۔ علماء متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ صفات باری نہ عین ذات ہین نہ غیر ذات۔ مگر فلاسفہ الہیین عین ذات سمجھتے ہین اور اسلیئے اُنکا ظہور مقتضائے ذات قرار دیتے ہین مگر یہ سب نزاع لفظی ہے اور نتیجہ واحد ہے ہان اسمین شبہہ نہین کہ متکلمین نے جو امر اختیار کیا ہے اُسکے لئے حجت ساطع اور بُرہان قاطع نہین ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفہیمات الٰہیہ مین فرماتے ہین کہ "

ان نزاع الفلاسفہ والمتکلمین فی ان اللہ تعالیٰ خالق بالاختیار او	فلاسفہ اور متکلمین کا یہ اختلاف کہ خداوند تعالیٰ اختیار کے ساتھ خالق ہے یا ایجاب کے ساتھ

بالایجاب لیس فی معارك المعنی فی شئ۔ لما کان الارادة عند الفلاسفه عین الذات کان الابداع ایجابا۔	معنوی حیثیت سے لاشے محض ہے۔ کیونکہ ارادہ الٰہی فلاسفہ کے نزدیک جب عین ذات ہے تو اس صورت مین ابداع ضرور ایجاب ہوگا۔

✓ الاصل الثامن

تمام صفات باری کی نا محدود اور مطلق عن القیود ہین یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ وَیَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ پس وہ اُن وعدون سے کرنے کا مختار تھا جنکو اُسنے کیا ہے اور اُس قانون فطرت سے کرنے کا بھی مختار تھا جسپر اُس نے کسی کائنات کو بنایا ہو یا اس موجودہ کائنات کو بنایا ہے یا آئندہ اور کسی صورت مین بناوے مگر اس وعدہ اور قانون فطرت مین جبتک کہ وہ قانون فطرت قایم ہے تخلف محال ہے اور اگر ہو تو ذات باری کی صفات کاملہ مین نقصان لازم آتا ہے۔ اور اُن وعدون کا کرنا اور قانون فطرت پر کائنات قایم کرنا اُسکی قدرت کاملہ کا ثبوت ہے۔ اور اُن کے ایفا سے جسکا خود اُسنے اپنے اختیار سے وعدہ کیا ہے اُسکی قدرت کے مطلق عن القیود اور نا محدود ہونے کی معارض نہین ہوسکتا۔

قال اللہ تعالیٰ۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝ (آیت ۱۲ و ۱۳ سورۃ المائدہ)	جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہین ان سے خدا نے مغفرت اور عظیم الشان اجر کا وعدہ کیا ہے اور جن لوگون نے کفر کیا اور ہماری آیتونکو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہین۔
وَعَدَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ	منافق مردون اور منافق عورتون اور

وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا۔ (آیت ۶۹ سورۃ التوبہ ۹)

کافرون سے خدا نے دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا ہے جسمین وہ ہمیشہ رہین گے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا (آیت ۷۳ سورۃ التوبہ ۹)

ایمان لانے والے مردون اور عورتون سے اللہ نے جنتون کا وعدہ کیا جنکے نیچے نہرین بہتی ہونگی اور جسمین وہ ہمیشہ رہین گے۔

جَنّٰتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا (آیت ۶۱ سورۃ مریم ۱۹)

ہمیشہ رہنے کے باغ جنکا رحمن نے بن دیکھے اپنے بندون سے وعدہ کیا ہے بیشک اُسکا وعدہ آنے والا ہے۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (آیت ۷۴ البقرۃ ۲)

اور کہتے ہین کہ ہمین آگ نہ چھوئے گی مگر چند روز تو کہہ کیا تم اللہ کے یہان عہد لیچکے ہو کہ اللہ اپنے عہد کے خلاف نکریگا یا تم اللہ کی نسبت وہ باتین بولتے ہو جو تم نہین جانتے۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ (آیت ۴۲ الاعراف ۷)

اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکار کر کہینگے کہ جو وعدہ ہمارے پروردگار نے ہمسے کیا تھا اُسکو ہمنے سچا پایا پس کیا تمنے بھی اپنے پروردگار کے وعدہ کو سچا پایا وہ کہین گے کہ ہان۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ (آیت ۴۵ فصلت ۴۱ حٰمٓ السجدہ)

اور اگر وہ بات نہوتی جو تیرے رب سے پہلے نکل چکی ہے تو انہین فیصلہ کیا جاتا۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ (آیت ۷ آل عمران ۳)

بیشک اللہ وعدہ کے خلاف نہین کرتا۔

كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا (آیت ۱۸ مزمل ۷۳)	اللہ کا وعدہ پورا ہونے والا ہے۔
فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ (۵۷ و ۷۷۔ سورۂ المومن ۴۰)	پس تو صبر کر بیشک خدا کا وعدہ حق ہے۔

ان آیتون سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور تخلف وعدہ نہین ہوسکتا اور باوجود ان وعدون اور اُنکی عدم تخلف کے جا بجا اپنے تئین قادر مطلق اور فعال لما یرید بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وعدہ اور عدم تخلف وعدہ اُسکے قادر مطلق ہونے اور اُسکی صفات کے مطلق عن القیود ہونے کی منافی نہین ہے۔

یہی حال قانون فطرت کا ہے جسپر یہ کائنات بنائی گئی ہے پہلا قولی وعدہ ہے اور قانون فطرت عملی وعدہ اُس قانون فطرت مین سے بہت کچھ خدا نے ہمکو بتایا ہے اور بہت کچھ انسان نے دریافت کیا ہے گو کہ انسان کو ابھی بہت کچھ دریافت ہوا ہو۔ اور کیا عجب ہے کہ بہت کچھ دریافت نہو مگر جسقدر دریافت ہوا ہے وہ بلاشبہ خدا کا عملی وعدہ ہے جس سے تخلف قولی وعدہ کی تخلف سے مساوی ہی جو کبھی نہین ہوسکتا۔

خدا نے فرمایا ہے[۱] اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (آیت ۴۹ قمر ۵۴) پس جس اندازہ پر خدا نے چیزون کو پیدا کیا ہے اُس سے تخلف نہین ہوسکتا۔

پھر خدا فرماتا ہے[۲] وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ (آیت ۳۲ اعراف ۷) پس ممکن نہین ہی کہ جو وقت جس چیز کے لئے

---

[۱] ہمنے ہر چیز کو اندازہ کے ساتھ پیدا کیا [۲] اور ہر ایک قوم کے لئے ایک وقت مقرر ہے سو جب آئیگا وقت تو ایک گھڑی کی بھی دیر اور سویر نہو گی۔

مقرر ہے وہ کسیطرح ٹل سکے۔

پھر خدا فرماتا ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۝ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (آیت ۲۹-

ای محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ایک طرف کا ہوکر اپنا مُنہ دین کے لئے سیدھا کر اللہ کی فطرت جسپر اُسنے آدمیونکو پیدا کیا ہے (لازم پکڑ) اللہ کی پیدائش مین تبدیلی نہین یہ سیدھا دین ہو لیکن اکثر آدمی نہین جانتے۔

الروم ۳۰) پس جس فطرت پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے اُسکی تبدیل نہین ہوسکتی

دوسری جگہ فرماتا ہے لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ (آیت ٦٥ یونس ۱)

اللہ کی باتون مین تبدیلی نہین ہے۔

ہمارے نزدیک کلمات اللہ اور خلق اللہ دو مرادف الفاظ ہین جنکا مطلب یہ ہے کہ فطرت مین تبدیل نہین ہوسکتی۔

پھر فرمایا ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ (آیت ٦٢ احزاب ۳۳)

اللہ کی سنت مین تو ہرگز تبدیلی نہ پائیگا۔

پس جو طریق کہ خدا نے مقرر کیا ہے اُسمین تبدل نہین ہوسکتا۔

یہ تو عام ہدائتین بنسبت قانون فطرت کے تھین مگر خدا نے ہمکو خاص خاص قانون فطرت بھی بتائے ہین اور فرمایا ہے کہ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ

ہمنے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا پھر اُسے ہمنے قرارگاہ استوار مین نطفہ بنایا پھر نطفہ کو لہو کی پھٹکی بنایا پھر پھٹکی کو بوٹی بنایا پھر ہمنے بوٹی کو ہڈیان بنایا پھر ہڈیون کو

لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ
فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ
(آیت ۱۲-۱۴ المؤمنون ۲۳)
دوسری جگہ فرماتا ہے کہ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ
مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ
عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ
وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ
فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى
ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا
أَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ
مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا
يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا (آیت ۵
الحج ۲۲)
ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَمِنْ آيَاتِهِ
أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا
لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ
مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (آیت ۲۱

گوشت پہنایا پھر اُسے ہم ایک دوسری صورت میں لائے سو بڑی برکت والا ہی اللہ جو سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔

تو ہمنے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر پھٹکی سے پھر بوٹی سے نقشہ بنی اور بن نقشہ بنی تاکہ ہم تمہارے لئے بیان کریں اور رحموں میں جو ہم چاہیں ایک وقت معین تک ٹھہرا رکھتے ہیں پھر ہم تمہیں بچہ نکالتے ہیں پھر ہم تمہیں پالتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کے روز کو پہنچو۔ اور بعض تم میں سے وہ ہیں جو مر جاتے ہیں اور کوئی تم میں سے وہ ہی جو ناکارہ عمر تک پہنچایا جاتا ہے تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔

اسکی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اسنے تمہارے لئے تمہاری جنس سے عورتیں پیدا کیں تاکہ تم انکے پاس آرام پاؤ اور تمہارے درمیان مہر و محبت پیدا کی اسمیں بیشک دھیان کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

الروم ۳۰) علاوہ انکے اور بہت سی آیتیں اسی مضمون کی ہیں جنمیں ہمکو قانون فطرت یہ بتاتا ہے کہ جوڑے سے یعنے زن و مرد سے اور نطفہ کے ایک مدت معین تک مقرر جگہ میں رہنے سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ پس اس قانون فطرت کے برخلاف

اسیطرح نہین ہوسکتا جسطرح کہ قولی وعدہ کے برخلاف نہین ہوسکتا۔

ایک جگہ فرمایا ہے۔ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِىْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (اٰیت ۳۷-۴۰ سورة ۳۶ یٰس ۳۶)	اور ایک نشانی انکے لئے رات ہے کہ ہم اُس سے (کھال کیطرح) دن کھینچتے ہین پھر ناگاہ وہ تاریکی مین آجاتے ہین اور سورج اپنی قرارگاہ پر چلا جاتا ہے یہ اندازہ غالب جاننے والے کا ہے۔ اور چاند کو ہمنے منزلین مقرر کین یہانتک کہ وہ کھجور کی سوکھی شاخ کی مانند ہو جاتا ہے نہ سورج سے ہوسکتا ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور سب ایک ایک گھیرے مین تیرتے ہین۔

پس یہ نہین ہوسکتا کہ سورج خلاف قانون فطرت جسطرح کہ وہ چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے کسی کے لئے چلنے سے ٹھہر جاوے اور چاند اپنی منزلین طے کرتا ہوا جسطرح ہلال ہوا تھا پھر ہلال نہو نہ یہ ہوسکتا ہے کہ سورج اور چاند ٹکرا جاوین نہ یہ ہوسکتا ہے کہ رات دن گڈمڈ ہو جاوین۔ اور جبکہ یہ ثابت ہوگیا ہے کہ سورج کا چلنا زمین کی حرکت سے دکھائی دیتا ہے تو اسی آیت سے لازم آتا ہے کہ یہ بھی نہین ہوسکتا کہ زمین حرکت کرنے سے کسیوقت کسی کے واسطے ٹھہر جاوے ایسا ہونا خلاف قانون فطرت کے ہو اور وہ ویسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔

پھر خدا نے ابراہیمؑ کی زبان سے یہ قانون قدرت بتلایا کہ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ[1] (اٰیت ۲۶۰ البقرة ۲)

[1] بیشک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے پس تو اسکو مغرب سے نکال لے تو کافر حیران رہ گیا۔

پس یہ بات غیر ممکن ہے کہ جبتک یہ قانون فطرت قایم ہے سورج شرق سے طلوع نکرے اور اُسی کے ساتھ یہ بھی ناممکن ہے کہ زمین مشرق سے مغرب کی طرف اپنے محور پر گردش نکرے اسکے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔

ایک جگہ ابراہیم کے قصہ مین فرمایا ہے [۱] فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ (آیت ۲۳ عنکبوت ۲۹) فانجاہ اللہ من النار سے ثابت ہوتا ہے کہ احراق خاصہ نار کا ہے)

ایک اور جگہ تمثیل مین فرمایا ہے [۲] فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ (آیت ۲۶۸ البقرۃ ۲) پس ان دونون آیتون سے خدانے ہمکو قانون فطرت یہ تبایا کہ آگ جلا دینے والی ہے پس جبتک یہ قانون فطرت قایم ہے اسکے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔

ایک جگہ موسےٰ کے قصہ مین فرمایا ہے کہ [۳] وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ (آیت ۴۷ البقرۃ ۲)

ایک جگہ فرمایا ہے [۴] فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ (آیت ۱۳۲ - اعراف ۷)

ایک جگہ فرمایا ہے [۵] وَقَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً (آیت ۳۹ - فرقان ۲۵)

[۱] پھر اُس کی قوم کا صرف یہی جواب تہا کہ اس کو قتل کر ڈالو یا جلا دو پس اللہ نے اُسکو آگ سے نجات دی [۲] پھر اس باغ پر بگولا آئے جس مین آگ ہو اور وہ اُسکو جلا دے۔ [۳] اور جب ہمنے تمہارے سبب دریا کو چیرا اور تمہین بچا لیا اور فرعون کے لوگون کو ڈبو دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ [۴] پھر ہمنے ان کو دریا مین غرق کردیا اسلئے کہ انہون نے ہماری آیتون کو جھٹلایا تھا اور وہ ان سے غافل تھے [۵] اور نوح کی قوم نے جب رسولوں کو جھٹلایا ہمنے انکو غرق کردیا اور لوگون کے لئے انکو ایک نشانی ٹھہرایا۔

ان آیتون مین اوران کی مثل بہت سی آیتون مین یہ قانون فطرت بتایا کہ پانی مین بوجھل چیز ڈوب جاتی ہے پس جب تک یہ قانون قدرت قایم ہے پانی سے یہ فطرت معدوم نہین ہوسکتی اُسکا معدوم ہونا ایساہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔

ایک جگہ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ۔ (آیت ۵۰ فرقان ۲۵)

وہی ہے جو اپنی رحمت کے آگے خوشخبری دینے کے لئے ہوا مین بھیجتا ہے اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اُتارا تاکہ ہم اس سے مردہ شہر کو زندہ کرین اور اپنی مخلوقات مین بہت آدمیون اور چوپایون کو اُسے پلاوین۔

پس یہ نہین ہوسکتا کہ بغیر بادل کے پانی برسے اور فوائد منہ کے جو خدا نے بیان کئے ہین وہ اُس سے حاصل نہون۔ اُنکے خلاف ہونا ایساہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کا برخلاف ہونا ناممکن ہے۔

یہ چند آیتین ہمنے بطور مثال کے لکھی ہین اُنکے سوا اور بہت کچھ قرآن مجید مین آیا ہے اور خدا نے ہمکو قانون فطرت بتایا ہے۔

علاوہ اسکے انسان نے اُن چیزون کے تجربہ سے جو خدا نے پیدا کی ہین اُسکی مخلوقات کے قانون فطرت کو معلوم کیا ہے اور بے شبہ وہ دعوے نہین کرسکتا کہ اُسنے مخلوقات کے تمام قوانین فطرت کو دریافت کرلیا ہے اُنمین سے بہت سے ایسے محقق ہین جو درجہ یقین کو پہنچ گئے ہین اور کچھ ایسے ہین جو ابھی درجہ یقین کو نہین پہونچے اور معلوم نہین کہ ابھی تک کسقدر نامعلوم ہین۔

جو کچھ کہ ہمنے قرآن مجید کی آیتون سے قانون فطرت بتایا ہے اُسپر کوئی کہہ سکتا ہے

کہ یہ قانون فطرت عام نہین ہے بلکہ اُسمین مستثنیات بھی ہین لیکن اُسکے ذمہ اُن مستثنیات کا قرآن مجید سے ثابت کرنا لازم ہوگا۔ مگر ہمارا یہ دعوی ہے کہ قرآن مجید سے اُس قانون فطرت مین مستثنیٰ ہونا ثابت نہین ہوتا جسکو ہم آئندہ بیان کرینگے۔

جو قانون قدرت کہ انسان نے تجربہ سے قایم کیا ہے اُسکی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ جبکہ تمام قانون فطرت ابھی تک نامعلوم ہین تو ممکن ہے کہ کوئی قانون فطرت ایسا ہو جس سے مستثنیات ثابت ہوتے ہون مگر یہ کہنا کافی نہین ہے اس لئے کہ امکان عقلی تو کوئی شے وجودی نہین ہے صرف ایک خیال غیر محقق الوقوع ہے وان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ علاوہ اسکے امکان کا اطلاق اُس چیز پر ہوتا ہے جو کبھی ہو اور کبھی نہو۔ لیکن جس چیز کا کبھی وقوع ثابت نہوا ہو تو اُسپر امکان کا اطلاق غلط اور محض سفسطہ ہے۔ غرضکہ جو شخص قانون فطرت مین مستثنیات کا مدعی ہو اُسکو اُن مستثنیات کے کبھی واقع ہونے کو ثابت کرنا بھی لازم ہے۔

الاصل التاسع

قرآن مجید مین کوئی امر ایسا نہین ہے جو قانون فطرت کے برخلاف ہو۔

واما المعجزات فقد ثبت من القرآن انه علیه الصلوة والسلام ما ادعی باحد من المعجزات فقال علیه السلام انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الهکم اله واحد وقال علیه السلام فی موضع اخر انما انا بشیر ونذیر فهذا قال المحقق الاجل الشاه ولی الله

لیکن معجزات پس یہ بات قرآن مجید سے ثابت ہو چکی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کے سامنے معجزات کا دعوی نہین کیا بلکہ آپ نے فرمایا کہ مین بشر ہون تم جیسا خدا کیطرف سے مجھپر وحی کیجاتی ہے کہ تمہارا پروردگار ایک ہے۔ اور نیز آنحضرتؐ نے دوسرے موقع پر فرمایا کہ مین صرف بشارت دینے والا اور ڈرانیوالا ہون۔ اسی وجہ سے علامہ محقق شاہ ولی اللہ دہلوی نے

فی التفہیمات الالٰھیة ولم یذکر اللہ سبحانہ شیئاً من المعجزات فی کتابہ ولم یشر الیہا قط

تفہیمات الٰہیہ مین لکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے کلام مین معجزات کا کچھ ذکر نہین کیا اور نہ اُنکی طرف اشارہ کیا۔

مگر شاہ صاحبؒ کے اس قول سے یہ بات سمجھنی مشکل ہے کہ اُنکی مراد اس نفی سے کیا ہے آیا اُنکا یہ مطلب ہے کہ قرآن مجید مین کسی نبی کے کسی معجزہ کا ذکر نہین ہے یا صرف آنحضرت صلعم کے کسی معجزہ کا ذکر نہین ہے۔ مگر ہم تنزلاً قبول کرتے ہین کہ اُنکا مطلب صرف آنحضرت صلعم کے کسی معجزہ کا ذکر نہونے سے ہے۔ مگر ہمکو دیکھنا چاہیے کہ اُنکا قول نسبت معجزات کے کیا ہے وہ لکھتے ہین کہ

فاللہ سبحانہ احدی مجرد من الصفات فی مرتبہ واحدة ولحاظ واحد ومقرون بالصفات فی مرتبہ اخرے ولحاظ اخر وعلی ھذا القیاس ان مواطن نفس الامر متفاوتہ منہا مواطن الاسباب وفیہ العلة والمعلول فقط والسبب والمسبب فحسب ومن المتحقق عندنا انہ لم یترک الاسباب قط ولن یترک ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا وانما المعجزات والکرامات امور اسبابیة غلب علیہا السبوغ فبانیت سیر

پس خداوند تعالیٰ ایک مرتبہ[لہ] مین اور باعتبار ایک لحاظ کے صفات سے مجرد ہے۔ اور دوسری مرتبہ مین اور باعتبار دوسرے لحاظ کے وہ صفات کے ساتھ متصف ہے اسیطرح نفس الامر کے مختلف مراتب ہین۔ منجملہ اُنکے اسباب کا مرتبہ ہے جسمین علت و معلول صرف اور سبب او مسبب محض ہے اور ہمارے نزدیک یہ امر متحقق ہے کہ اُسنے اسباب کو کبھی ترک نہین کیا۔ اور وہ ہرگز ایسا نہین کرتا ہے۔ "اور تم اللہ کی سنت مین تبدیلی نہ پاؤگے" اور معجزات اور کرامات بھی اسبابی امور ہین جنپر سبوغ غالب ہوگیا ہے اسلئے وہ دوسرے

لہ یعنی وجود وحدت اگرچہ باطلاق اور لا بشرط شئے مین وحدت کی عادت کرے وہ صفات سے مجرد ہوگا جسکو اول وحدت اور وجود مرتبہ احدیت کہتے ہین اور دوسرا مرتبہ ہے جس مین وہ اجمالاً خواہ تفصیلاً صفات کے ساتھ متصف ہے۔ (رشید احمد)

الاسبابیات (تفہیمات الٰہیہ صفحہ ۵۳) اسبابیات سے علیحدہ ہو گئے ہین۔

پس شاہ صاحبؒ کو معجزات کو مسبب باسباب سمجھتے ہین اور اس قول پر معجزات کا وقوع قانون فطرت کے مطابق ہوتاہے اور ہمکو اسمین کچھ بحث نہین ہے بحث اسمین ہے جبکہ معجزات کو ما فوق الفطرت قرار دیا جاوے جسکو انگریزی مین "سپر نیچرل" کہتے ہین اور اُس سے انکار کرتے ہین اور اُنکا وقوع ایسا ہی ناممکن قرار دیتے ہین جیسے کہ قولی وعدہ کا ایفا نہونا۔ اور علانیہ کہتے ہین کہ کسی ایسے امر کے واقع ہونیکا ثبوت نہین ہے جو مافوق الفطرت ہوا اور جسکو تم معجزہ قرار دیتے ہو اور اگر بفرض محال خدا کی قدرت کے حوالہ پر اُسکو تسلیم بھی کرین تو وہ ایک بے فائدہ امر ہوگا جو نہ مثبت کسی امر کا ہے اور نہ مسکت للخصم۔

بیشک ہمارے بعض اخوان کو اسپر غصہ آویگا اور قرآن مجید مین سے بعض امور کو معجزہ قرار دیکر اور اُنکو مافوق الفطرت سمجھکر پیش کرینگے اور کہین گے کہ قرآن مجید مین معجزات مافوق الفطرت موجود ہین۔

ہم اُنکے اس قول کو نہایت ٹھنڈے دل سے سُنین گے اور عرض کرینگے کہ جو آیت قرآن مجید کی آپ پیش کرتے ہین اور اُس سے معجزات مافوق الفطرت پر استدلال فرماتے ہین آیا اُسکے کوئی دوسرے معنے بھی ایسے ہین جو موافق زبان اور کلام عرب کے اور موافق محاورات اور استعمالات اور استعارات قرآن مجید کے ہوسکتے ہین اگر نہو سکتے ہون تو ہم قبول کرینگے کہ ہمارا یہ اصول غلط ہے اور اگر ہوسکتے ہون تو ہم نہایت ادب سے عرض کرینگے کہ آپ اس بات کو ثابت نہین کرسکے کہ قرآن مجید مین معجزات مافوق الفطرت موجود ہین۔ اگر وہ اپنے دعوے کے ثبوت مین مفسرین کے اقوال پیش کرین یا یہ کہین کہ تیرہ سو برس سے کسی نے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین یا علماء مجتہدین و مفسرین نے یہ معنے نہین کہے

بلکہ خدا بھی یہ معنے نہین سمجھا جو تم کہتے ہو تو ہم ادب سے عرض کرینگے کہ اس دلیل سے ہمکو معاف رکھئے اور صرف یہ بتایئے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے اور اُن محاورات اور استعارات سے جو قرآن مجید مین آئے ہین وہ معنے جو ہمنے بیان کئے صحیح ہوتے ہین یا نہین۔ غرضکہ جب تک وہ ہمکو یہ ثابت نکرین کہ اُس آیت کے جو اُنہون نے پیش کی ہے اور کوئی معنے بجز اُسکے جو وہ بیان کرتے ہین ہو ہی نہین سکتے اور وہ آیت مافوق الفطرت ہونے پر نص صریح ہے اُسوقت تک ہم اُسکا مافوق الفطرت ہونا تسلیم نہین کرینگے۔ لیکن کسی آیت کے کوئی معنے بیان کرنا اور اُسکی صحت کے لئے خدا کے قادر مطلق ہونے پر حوالہ کرنا صحیح نہوگا کیونکہ ہمارے نزدیک خدا بموجب اپنے وعدہ کے سب کام اُس قانون قدرت کے مطابق کرتا ہے جو اُسنے بنایا ہے۔

واما ماهية نفس الانسان والقوى المودعة فيها وما يكون لها بعد الموت من حشر الاجساد وغيرها وكيف يكون يوم الآخرة وما حقيقة الجنة والجحيم وما كيفية نعيمها وعقابها فكلها خارجة عن فهم الانسان لانها ما لا عين رايت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر ولهذا سبحانه جل شانه بينها بامثال يليق بفهم الانسان وبين نعيمها على افضل ما يرغب به الانسان وعقابها

نفس انسانی اور اُسکی قوتون کی ماہیت اور اموات کے بعد حشر اجساد وغیرہ جو حالات پیش آنے والے ہین اور یہ کہ روز آخر کیسا ہے اور جنت اور دوزخ کی کیا حقیقت ہے اور ان کے ثواب وعذاب کیسے ہین یہ باتین انسانی فہم سے خارج ہین کیونکہ یہ ایسی باتین ہین جنکو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی قلب مین انکا خیال گذرا اسلئے خداوند تعالی نے اُنکو ایسی مثالون کے ساتھ بیان کیا ہے جو انسان کے قابل تفہیم ہین جنت کی نعمتین افضل ترین و مرغوبات اور دوزخ کا

على اكبر مايدهش به فكلما
ليست بخارجة عن قانون الفطرة
بل كلها امثال واستعارات
لاحوالها ونعيمها وعقابها
لكي يتخيل بها الانسان نوع تخيل
ما فيه وما بعد الموت وما نعيمها
وما عقابها وهذا سياق الكلام
المجيد في ضرب الامثال في امور
شتى لتفهيم الانسان وتوضيح
البيان بقدر الامكان ولا يخفى
هذا على من قراء القرآن بالامعان
فتدبر۔

هذا قولي في الفطرة التي قدرها
الله سبحانه تعالى لكنا لانحد صفات
الباري بحد بل نقول ان يشاء يذهب
السموات والارض وما بينهما الاجل
اجل لها ويأت بآخرين على اى فطرت
يشاء كما قال الله تعالى ولله ما في
السموات وما في الارض وكفى بالله وكيلا
ان يشاء يذهبكم ايها الناس ويأت بآخرين
وكان الله على ذلك قديرا (آية ١٣٢ نساء)

عذاب ہولناک ترین تکلیفات سے تعبیر کیا گیا ہے
اور یہ تمام باتین قانون فطرت سے خارج نہین
ہین بلکہ وہ تمام امثال و استعارات جو جنت
و دوزخ کے عذاب و ثواب کے لئے اختیار
کئے گئے ہین تاکہ انسان کسی حد تک انکا تصور
کر سکے اور خیال کر سکے کہ موت کے بعد کیا ہونیوالا ہے
اور بہشت و دوزخ کی نعمتین و تکلیفات کیسی ہین
اور مختلف امور کیلئے امثال بیان کرتے ہین
قرآن مجید کا یہی سیاق ہے جیسا کہ ان لوگونکو
معلوم ہے جو قرآن شریف کو تدبر اور امعان
نظر کے ساتھ تلاوت کرتے ہین۔

فطرت کی نسبت جسکو خداوند تعالی نے
مقدر فرمایا ہے میرا یہ قول ہے لیکن ہم
صفات باری کے لئے کوئی خاص مقرر نہین
کرتے بلکہ ہم کہتے ہین کہ اگر وہ چاہے کہ ایسی
مدت کے بعد جو اُسنے مقرر کی ہے تمام زمین و
آسمان اور دنیا و ما فیہا کو فنا کرکے نئی دنیا اور
نئی چیزون کو جس فطرت پر چاہے پیدا کردے
جیسا کہ خداوند تعالی نے فرمایا ہی جو کچھ آسمانون
اور زمین مین ہے وہ اللہ کا ہی وہ وکالت کے لئے کافی ہے

الاصل العاشر

قرآن مجید جسقدر نازل ہوا ہے تمام موجود ہے نہ اسمین سے ایک حرف کم ہوا ہے

نہ زیادہ ہوا ہے وتواترت علیہ جیل بعد جیل فی قرن بعد قرن الی زماننا ھذا وقال اللہ تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (آیت ۹۔ الحجر ۱۵)

اور یہ بات نسلاً بعد نسل اور قرناً بعد قرن ہمارے زمانہ تک بطور تواتر کے نقل کیگئی ہے اور خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم ہی نے قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اُسکی حفاظت کرنے والے ہین۔

الاصل الحادی عشر

ہر ایک سورہ کی آیات کی ترتیب میرے نزدیک منصوص ہے۔

اذا انزلت الآیات اشار رسول اللہ صلعم انها من سورة کذا بعد ایته کذا وحفظها الحفاظ فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی هذا الترتیب ولم یزل الصحابة والتابعون ومن بعدهم یقرءون القران علی هذا فثبت ترتیب الآیات علی هذا المنوال من التواتر جیلا بعد جیل وقرنا بعد قرن الی زماننا هذا

جسوقت آیتین نازل ہوتی تھین تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے کہ یہ آیتین فلان سورۃ اور فلان آیۃ کے بعد کی ہین اور آپ ہی کے زمانہ مین حفاظ نے اُنکو اسی ترتیب کے مطابق حفظ کرلیا تھا اور نیز صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اُسی ترتیب کے مطابق ہمیشہ پڑھتے رہے پس قرآن مجید کی آیات کی ترتیب تواتر سے ثابت ہے جو نسلاً بعد نسل اور قرناً بعد قرن ہمارے زمانہ تک ہوتا چلا آیا ہے

اور یہی قول شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ کا ہے جہان فوز الکبیر مین انہون نے فرمایا ہے کہ
" در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سورتے علیحدہ محفوظ و مضبوط بود۔

الاصل الثانی عشر

قرآن مجید مین ناسخ ومنسوخ نہین ہے یعنی اُسکی کوئی آیت کسی دوسری آیت سے

منسوخ نہین ہوئی۔ ولیس فی القرآن نوع من الاشارۃ علی ھذا واما آیۃ ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا متعلقۃ بشرائع ما قبل الاسلام لا بآیات القرآن ولا شک اَن اھل الکتاب من الیھود و النصاریٰ والمشرکین لا یودون من احکام الاسلام ما خالف شرائعہم فذکرہ سبحانہ تعالیٰ اولا وقال ما یود الذین کفروا من اھل الکتٰب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ ثم قال ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علی کل شئ قدیر (آیت ۹۹–۱۰۰۔ البقرہ ۲) فظاھر ان النسخ المذکور فی الآیۃ المذکورۃ متعلق بشرایع ما قبل الاسلام

اسکی طرف قرآن مجید مین کسی قسم کا اشارہ نہین ہے اور آیۃ "ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا" قرآن مجید کی آیات سے متعلق نہین ہے بلکہ وہ ان شریعتون سے متعلق ہے جو اسلام سے پیشتر تھین۔ اسمین شبہ نہین ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین اسلام کے اُن احکام کو پسند نہین کرتے تھے جو انکی شریعتون کے مخالف تھے پس اول خداوند تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ "اہل کتاب اور مشرکین مین سے جو کافر ہین وہ نہین چاہتے کہ تمپر خدا کی طرف سے کوئی بھلی بات نازل ہو لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ جو آیۃ ہم منسوخ کرتے ہین یا بھلا دیتے ہین تو اُس سے بہتر یا اُسی کی مانند اور دوسری آیۃ پہنچا دیتے ہین کیا تو نہین جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس ظاہر ہے کہ نسخ جو آیت مین مذکور ہے آیات قرآن شریف سے متعلق نہین بلکہ ان شریعتون سے متعلق ہے جو اسلام سے پیشتر تھین

لا بآیات القرآن ولا دلیل علی ان المراد بلفظ الآیة فی قوله وَاِذَا بَدَّلْنَا اٰیَةً مَّکَانَ اٰیَةٍ (آیت ۱۰۳ النحل ۱۶) آیات القرآن ولا دلیل علی ان قوله یمحو الله ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب ۞ (آیت ۳۹۔ الرعد ۱۳) متعلق بنسخ آیات القرآن۔ فتدبر۔

اس امر کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ "اذا بدلنا آیة مکان آیة" مین لفظ آیة سے قرآن مجید کی آیة مراد ہے۔ اور نہ اس امر کی کوئی دلیل ہے کہ یمحو الله ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتب ۞ نسخ آیات قرآن مجید سے متعلق ہے۔

الاصل الثالث عشر

قرآن مجید دفعةً واحدةً نازل نہین ہوا ہے بلکہ نجماً نجماً نازل ہوا ہے۔

قال الله تعالیٰ وقرآناً فرقناه لتقرأه علی الناس علی مکث ونزلناه تنزیلا ۞ (آیت ۱۰۶ بنی اسرائیل ۱۷)

خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمنے قرآن مجید کو بتفریق نازل کیا تا کہ ٹھہر ٹھہر کر اُسے لوگون کے سامنے پڑھے اور ہمنے اُسے بتدریج نازل کیا۔

وقتاً فوقتاً واقعات کے پیش آنے سے روح القدس یعنے ملکہ نبوت کو انبعاث ہوا اور اسکے سبب سے وحی نازل ہوئی پس وہ مختلف اوقات کے کلام کا مجموعہ ہے جو خدا نے وقتاً فوقتاً بمقتضائے اُسوقت کے نازل کیا ہے اور بطور ایک تصنیف کی ہوئی کتاب کے نہین ہے جسمین اول مصنف ابواب وفصول کو تقسیم کرکے اُسکے مضامین کو ترتیب خاص سے مرتب کرتا ہے۔ شاہ ولی الله صاحب فوز الکبیر مین لکھتے ہین کہ "قرآن بروش متون مبوب ومفصل ساختہ نشدہ است تا ہر مطلبے ازان در بابے یا فصلے مذکور شود بلکہ قرآن را مانند مجموعہ مکتوبات فرض کن چنانچہ بادشاہان برعایائے خود بحسب اقتضائے حال مثالے نویسند وبعد زمانے مثال دیگر وعلی ہذا القیاس تا آنکہ

امثلہ بسیار جمع شود شخصے آن امثلہ را تدوین کند و مجموعہ مرتب سازد ہمچنین ملک علی الاطلاق بر پیغمبر خود صلے اللہ علیہ وسلم برائے ہدایت بندگان بحسب اقتضائے حال سورۃ بعد سورۃ نازل فرمود و در زمان آنحضرت صلی اللہ ہر سورتے علیحدہ محفوظ و مضبوط بود الا سورتہا تدوین نفرمودند و در زمان حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہمہ سورتہا در یک مجلد بترتیب خاص جمع نمودند و این مجموع بمصحف مسمی شد (فوز الکبیر صفحہ ۷۳)

قرآن مجید کا نجماً نجماً نازل ہونا اور وقتاً فوقتاً واقعات کے پیش آنے پر ملکہ نبوت کا انبعاث ہونا اور وحی کا نازل ہونا ایک طبعی امر ہے۔ انسان کے دماغ مین متعدد قسم کے علوم و فنون کا ملکہ موجود ہوتا ہے مگر بغیر محرک کے وہ ملکہ تحریک مین نہین آتا۔ پس قرآن مجید کا اس منوال پر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ایک تصنیف کی ہوئی کتاب نہین ہے جسکے مضامین کو مصنف پہلے سے سوچکر اور اپنی مرضی کے موافق کتاب مرتب کرتا ہے۔

قرآن مجید کے اوقات مختلفہ کے کلام کے مجموعہ ہونے پر یہ بھی دلیل ہے کہ جسطرح مختلف اوقات مین کلام کرتے ہین اور اُسوقت بمقتضائے محل اور بغرض مزید تنبیہ اشخاص کے اُس کلام کے دوہرانے کی ضرورت پڑتی ہے جو کسی پہلے وقت مین کہا گیا تھا۔ بعض مضمون کو جو مہتم بالشان ہین ہر دفعہ کے کلام مین بار بار جتلانا پڑتا ہے۔ بعض دفعہ کسی قصہ کی تلمیح کرنی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ کسی قصہ کے اُسی جزو کا بیان کافی ہوتا ہے جو اُسوقت کے کلام کے لئے ضرور ہے۔ بعض دفعہ کسی قصہ کو بالاجمال اور بعض دفعہ زیادہ تفصیل سے بیان کرنا مقتضائے کلام ہوتا ہے غرضکہ ہر ایک امر جو مختلف اوقات مین کلام کرنے مین پیش آتا ہے وہ سب قرآن مجید مین پایا جاتا ہے اور یہ کافی ثبوت اس بات کا ہے کہ قرآن ایک تصنیف کی ہوئی کتاب نہین ہے اور جبکہ اُسمین صرف کلمات وحی ہی لکھے گئے ہین تو مبادی کلام جس سے وحی متعلق ہے اُسمین شامل نہین ہین

اور اس سبب سے بعض مقامات قرآن مجید مین بلکہ متعدد ایسے ہین کہ ایک مقصد بیان کرتے کرتے دوسرا مطلب بیان ہونے لگا ہے جو ایک نیا اجنبی معلوم ہوتا ہے حالانکہ وہ ایسا نہین ہے بلکہ مبادی کلام کے مندرج نہونے سے ایسا معلوم ہوتا ہے بعض دفعہ قرینہ حالیہ کسی کلام کے مقتضا پر دلالت کرتا ہے اور متکلم بغیر اسکے کہ اپنے کلام مین اُسکی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت سمجھے اپنا کلام شروع کر دیتا ہے اور جبکہ صرف متکلم ہی کا کلام بلا بیان اُس قرینہ حالیہ کے لکھا جاوے تو جو دلالت کلام کی قرینہ حالیہ سے پائی جاتی تھی وہ اسمین نہین ہوتی اور اسلیئے اُسکی تلاش یا تعین کی ضرورت پڑتی ہے اسی بنیاد پر علمار اسلام نے آیات کی شان نزول تفتیش کرنے پر توجہ کی ہے جسکی بنیاد صرف روایات ضعیف پر ہے اور اسلیئے زیادہ پُرامن طریقہ یہ ہے کہ جہان اُسکی ضرورت ہو حتے المقدور صرف قرآن مجید کے سباق و سیاق کلام سے اور اُسکی طرز ادائے کلام سے اُسکو تلاش کیا جاوے۔ اور جو اصول کہ قرآن مجید مین بیان ہوئے ہین اُنکو ہر ایسے موقع پر ملحوظ رکھا جاوے۔

الاصل الرابع عشر

موجودات عالم اور مصنوعات کائنات کی نسبت جو کچھ خدا نے قرآن مجید مین کہا ہے وہ سب ہو بہو یا بحیثیتہ من الحیثیات مطابق واقع ہے۔ یہ نہین ہو سکتا کہ اُسکا قول اُسکی مصنوعات کے مخالف ہو یا مصنوعات اُسکے قول کے مخالف ہون۔ بعض جگہ ہمنے قول کو ورڈ آف گاڈ اور اُسکی مصنوعات کو ورک آف گاڈ سے تعبیر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ورڈ آف گاڈ اور ورک آف گاڈ دونون کا متحد ہونا لازم ہی اگر ورڈ۔ ورک کے کسی حیثیت سے مطابق نہین ہے تو ایسا ورڈ۔ ورڈ آف گاڈ نہین ہو سکتا۔

الاصل الخامس عشر

باوجود اس بات کے تسلیم کرنیکے کہ قرآن مجید بلفظہ کلام خدا ہے مگر جبکہ وہ عربی مین اور انسان کی زبان مین نازل ہوا ہے تو اُسکے معنے اسطرح پر لگائے جاوینگے جیسے کہ ایک نہایت فصیح عربی زبان مین کلام کرنے والے کے معنی لگائے جاتے ہین اور جسطرح کہ انسان استعارہ و مجاز و کنایہ و تشبیہ و تمثیل اور دلائل لمی و اقناعی و خطابی و استقرائی والزامی کو کام مین لاتا ہے اسیطرح قرآن مجید مین بھی استعارہ و مجاز و کنایہ و تشبیہ و تمثیل اور دلایل لمی و اقناعی و خطابی و استقرائی والزامی سب موجود ہین۔ علاوہ اسکے ہمکو اُن اصول اور اُن قولی و عملی وعدون پر غور کرنا ضرور ہوتا ہے جو خود خدا نے کئے ہین اور اُس طرز کلام اور طریق استعمال الفاظ کو دیکھنا لازم ہوتا ہے جو مخصوص قرآن مجید سے ہی اور جسکے لئے ہمکو ایک آیت کی تفسیر بیان کرنے مین دوسری آیت سے استمداد لینی پڑتی ہے۔

ہر ایک کلام کے معنے قرار دینے مین وہ کلام کسیکا ہو خواہ خدا کا یا انسان کا مندرجہ ذیل باتون کا محقق ہونا ضرور ہے۔

(۱) جس لفظ کے جو معنے قرار دیئے گئے ہین اُسکی نسبت جاننا چاہئے کہ وہ لفظ انھین معنو نمین وضع کیا گیا ہے۔

(۲) اس بات کا قرار دینا کہ جن معنو نمین وہ لفظ وضع کیا گیا تھا اُن معنون سے کسی دوسرے معنون مین مستعمل نہین ہوا ہے۔

(۳) اگر وہ لفظ مشترک المعنے ہے تو اس بات کا قرار دینا لازم ہے کہ وہ اُن مشترک معنون مین سے کس معنے مین استعمال کیا گیا ہے ضمائر جنکا مرجع مختلف ہوسکتا ہو وہ بھی الفاظ مشترک المعنے مین داخل ہین۔

(۴) اسبات کو قرار دینا ضرور ہے کہ وہ اُن اصلی معنون مین بولا گیا ہے جو اُس سے تبادر ہوتے ہین یا مجازی معنونمین۔

(۵) اس بات کو قرار دینا کہ اُس کلام مین کوئی شے مضمر ہے یا نہین۔

(۶) اسبات کو قرار دینا ضرور ہے کہ جن معنون پر وہ لفظ دلالت کرتا ہے اُنمین کوئی تخفیص بھی ہے یا نہین۔

(۷) یہ بات دیکھنی لازم ہے کہ جو معنے اُس لفظ کے قرار دیئے گئے ہین اُسپر کوئی عقلی معارضہ بھی ہے یا نہین۔ اگر ہے تو وہ معنے اُسکے صحیح نہونگے۔ اور یہ بات کوئی نئی نہین ہے بلکہ تمام علمار اسلام نے سیکڑون مقامونمین اسکی پیروی کی ہے۔ مثلاً خدا کے عرش پر مستوی ہونے ہین اُسکے ہاتھ اور مُنہ اور ساق ہونے ہین اور مثل انکے اور بہت سے لفظون کے اصلی معنے اسلیئے نہین لئے گئے کہ دلیل عقلی اُنکے برخلاف تھی۔ پس کوئی وجہ نہین ہے کہ اور الفاظ کے ایسے معنی جو دلیل عقلی سے محال ہین یا خود اُس قانون فطرت کے مخالف ہین جو خود خدا نے بیان کیا ہے یا تجربہ کے مخالف ہین چھوڑ کر دوسرے معنے نہ لئے جاوین۔

اسمین کچھ شک نہین کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت مین الفاظ کے معنے معین و مستعمل تھے اور اگر ہم تسلیم کرلین کہ وہی معنے تبواتر ہم تک پہونچے ہین تو اُس سے صرف امر اول کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔ مگر اس بات کا تصفیہ کہ وہ لفظ دوسرے معنونمین مستعمل نہین ہوا اور اگر وہ مشترک المعنے ہے تو کونسے معنونمین مستعمل ہوا ہے اور وہ مجازی معنونمین مستعمل ہوا ہے یا نہین الی غیر ذلک نہین ہوسکتا پس جبتک کہ ساتوین امر کی پیروی نکیجاوے جسکی پیروی بہت سے مقامونمین علمار اسلام نے کی ہے نہ کسی انسان کے کلام کے معنے صحیح طور پر قرار دیے جا سکتے ہین نہ خدا کی کلام کے کلام کے قرآن مجید کے معنے قرار دینے مین ہمکو ایک اور مشکل یہ پیش آتی ہے کہ عرب

جاہلیت کا کلام بہت کم ہم تک پہونچا ہے اور کچھ شک نہین کہ اُسمین سے بہت بڑا حصہ ضائع ہوگیا ہے اور علمار علم ادب اس بات کو خود تسلیم کرتے ہین۔ پس یہ امر قابل یقین نہین ہے کہ اہل لغت اور علمار علم ادب نے جو معنے الفاظ کے لغت کی کتابون مین اور اُس کے محاورات اور استعارات کو لکھا ہے اُنکے سوا اور کوئی معنے اور استعارات زمانہ جاہلیت اور خود زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مین نہ تھے۔

بلا شبہ اس امر مین ہم مجبور ہین اور بجز اسکے کہ قرآن مجید کے معنی قرار دینے مین موجودہ لغت کی کتابون اور علم ادب کی کتابون کی طرف رجوع کرین اور کچھ چارہ نہین ہے لیکن اگر بالفرض ہمکو قرآن مجید سے کسی لفظ کا ایسے طور پر استعمال یا ایسے معنو نمین استعمال بطور یقین کے ثابت ہو جاوے جو کتب لغت یا علم ادب کی کتابو نمین نہ ملے تو ہم اُسکے اختیار کرنے مین کوئی وجہ تامل کی نہین پاتے اور ایسا کرنے مین ہم قرآن مجید کے ساتھ اس سے زیادہ کچھ نکرینگے جو کلام جاہلیت کے ساتھ کیا ہے کیونکہ ہماری تمام لغت کی کتابون اور علم ادب کی کتابون کی بنیاد اسی بات پر ہے کہ ہمنے وہ معنے یا محاورہ کلام جاہلیت سے اخذ کیا ہے۔

(۸) قرآن مجید کے معنی قرار دینے مین ہمکو ایک اور امر کا تصفیہ بھی لازم ہے کہ جس کلام پر ہم استدلال کرتے ہین آیا وہ کلام مقصود ہے یا غیر مقصود کیونکہ اگر وہ کلام غیر مقصود ہے تو اسپر استدلال نہین ہوسکتا۔ کلام غیر مقصود قرآن مجید مین بہت جگہ پایا جاتا ہے اور انسان کے کلامونمین بھی کلام غیر مقصود ہوتا ہے جسپر حجت قایم نہین ہوسکتی۔ مثلاً

خدا کا یہ فرمانا کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَاسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡہَا لَا تُفَتَّحُ لَہُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ حَتّٰی یَلِجَ الۡجَمَلُ فِیۡ سَمِّ الۡخِیَاطِ (ایت ۳۸ اعراف ۷)	جن لوگون نے ہماری آیتون کو جھٹلایا اور انسے تکبر کیا انکے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جاینگے اور نہ وہ جنت مین داخل ہونگے یہان تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ مین داخل ہو۔

اس سے یہ استدلال نہین ہو سکتا کہ کسی وقت مین اونٹ سوئی کے ناکہ مین نکل جاویگا کیونکہ وہ کلام غیر مقصود ہے اور صرف اُن لوگون کے جنہون نے خدا کے احکام کو جھٹلایا ہے جنت مین داخل ہونیکے عدم امکان کا بیان ہے۔ اسی طرح اس آیت سے آسمان کے دروازون کے ہونے پر بھی استدلال نہین ہو سکتا کیونکہ وہ کلام اس مقصد کے لئے نہین بولا گیا ہے بلکہ صرف خدا کی رحمت سے محروم رہنے کے مقصد سے بولا گیا ہے۔ اسیطرح کلام غیر مقصود کی بہت سی مثالین قرآن مجید مین موجود ہین اور اُنسے اُنکے اصلی معنون پر استدلال نہین ہو سکتا۔

اسی کے ضمن مین ایک بہت بڑی بحث تاویل کی آتی ہے یعنے جب کسی لفظ کے اصلی معنے نہین بن سکتے تو دوسرے معنے اختیار کرتے ہین جس سے قول قائل کا صحیح ہوجاوے مگر مین اس مقصد سے تاویل کو قرآن مجید مین جائز نہین سمجھتا اور میری راے یہ ہے کہ تاویل اُسکو کہتے ہین جبکہ یہ متحقق ہو جاوے کہ قائل کا اس کلام سے درحقیقت یہ مطلب تھا اور وہ مقصد صحیح نہو اور اُسوقت اُس کلام کے دوسرے معنی اختیار کئے جاوین تاکہ وہ کلام صحیح ہو جاوے۔ اور اگر قائل کا درحقیقت وہی مقصد ہو جو بعد تاویل کے قرار دیا گیا ہے تو وہ تاویل نہین ہے بلکہ قائل کے اصلی مقصد کا ظاہر کرنا ہے۔ مثلاً قائل کا یہ قول کہ "زید اسد" اگر قائل کا درحقیقت لفظ اسد سے حیوان معروف مراد ہو اور وہ زید پر صادق نہ آوے اور کوئی شخص خلاف مقصد اُس قائل کے اُسکے معنی شجاعت کے لے تو درحقیقت یہ تاویل ہے۔ اور اگر قائل نے اسد کے لفظ سے خود ہی شجاعت مراد لی ہو تو اسد سے شجاعت مراد لینا تاویل نہین ہے بلکہ قائل کے اصلی مطلب کا اظہار ہے۔ اسیطرح جب ہم قرآن مجید کے کسی لفظ کے اصلی معنے نہین لیتے بلکہ مجازی معنی لیتے ہین تو ہم اُسکو تاویل نہین کہتے اسلیئے کہ ہم بقدر اپنی طاقت کے یہی سمجھتے ہین کہ خدا نے ان ہی مجازی معنو نمین اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔

قرآن مجید کے معانی بیان کرنے مین سب سے زیادہ دھوکہ انسان کو اُن مقامات مین پڑتا ہے جہان قرآن مین قصص انبیاء سابقین بیان ہوئے ہین۔ انبیاء سابقین کے قصے عہد عتیق کی کتابون مین بھی آئے ہین اور علماء یہود نے بھی قصص انبیاء مستقل کتابون مین لکھے ہین جنمین بہت کچھ باتین دوراز عقل و خلاف قانون فطرت مندرج ہین وہ قصے مشہور تھے اور ہمارے علماء بھی اُنسے مانوس تھے اور اُنکے عجائبات کو جو قانون فطرت کے برخلاف تھے معجزات قرار دیتے تھے۔ وہ قصے قرآن مین بھی بیان ہوئے ہین اور وہ بیان بہت کچھ اُسی کے مشابہ اور مماثل ہے جو اُن قصون کی نسبت بیان ہوا ہے مگر قرآن مجید کے الفاظ اُن قصونمین اسطرح آئے ہین کہ اُن سے وہ باتین جو دوراز عقل اور خلاف قانون قدرت اُن قصونمین مشہور تھین اُنکا ثبوت نہین ہوتا۔ ہمارے علماء متقدمین نے اس بات پر خیال نہین کیا بلکہ جہان تک اُنسے ہوسکا قرآن مجید کے الفاظ کو اُن قصون پر بعینہ حمل کرنے پر کوشش کی اور اُسکے کئی سبب تھے۔

اول یہ کہ اُن قصون کی کیفیت مشہورہ اُنکے دل مین بسی ہوئی تھی اسلئے قرآن مجید کے اُن الفاظ پر اُنھون نے توجہ نہین کی۔

دوسرے۔ یہ کہ اُنکے پاس ہر ایک عجیب چیز کو گو وہ کیسی ہی قانون فطرت کے برخلاف کیون نہو خدا کی قدرت عام کے تحت مین داخل کردینے کا نہایت سہل طریقہ تھا اور اس سبب سے اُن الفاظ کی حقیقت پر غور کرنے کو توجہ مائل نہین ہوتی تھی۔

تیسرے یہ کہ اُنکے زمانہ مین نیچرل سائنس نے ترقی نہین کی تھی اور کوئی چیز اُنکو قانون فطرت کیطرف رجوع کرنیوالی اور اُنکی غلطیون سے متنبہ کرنیوالی نہ تھی پس یہ اسباب اور مثل اُنکے اور بہت سے اسباب ایسے تھے کہ اُنکی کافی توجہ قرآن مجید کے اُن الفاظ کیطرف نہین ہوئی۔ مثلاً اُنکے زمانہ مین یہ مسئلہ ثابت نہین ہوا تھا کہ طوفان نوح کا تمام دنیا مین عام ہونا

اور پانی کا اونچے سے اونچے پہاڑون کی چوٹیون سے بلند ہو جانا محالات سے اور خلاف واقعہ ہے اور اسلیئے اُنکے خیال مین یہ بات نہ آئی کہ قرآن مجید مین جو الارض کا لفظ ہے اُسمین الف لام استغراق کا نہین ہے بلکہ عہد کا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے قصہ مین کوئی نص صریح اس بات پر نہین ہے کہ درحقیقت اُنکو آگ مین ڈالدیا گیا تھا مگر اُنھون نے اس بات پر خیال نہین کیا۔

اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت مین کوئی نص صریح قرآن مجید مین موجود نہین ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔

اسی طرح حضرت یونسؑ کے قصے مین اسبات پر قرآن مجید مین کوئی نص صریح نہین کہ درحقیقت مچھلی اُنکو نگل گئی تھی ابتلع کا لفظ قرآن مین نہین ہے التقم کا لفظ ہے جس سے صرف مُنہ مین پکڑ لینا مراد ہے کیونکہ جب کوئی لفظ تاکید کا اُسکے ساتھ نہین جیسے التقمہ فلقمہا تو التقم کے معنے ابتلع کے نہین ہو سکتے۔اور اگر فرض کرو کہ بغیر لفظ تاکید بھی اُسکے معنے ابتلع کے ہون تو بھی لقم و التقم کے دو معنے ہین ایک سرعۃ الاکل۔ دوسرے والقبا درعلیہ اور ان دوسرے معنون سے بلع ثابت نہین ہوتا۔پس دوسرے معنون پر جو مطابق قانون فطرت کے تھے اُنھون نے توجہ نہین کی اور اس آیت مین کہ فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون (آیت ۱۴۳ و ۱۴۴۔الصافات ۳۷) اسپر التفات نہین کیا کہ لبث فی بطن الحوت کی نفی دو طرح پر متحقق ہو سکتی ہے۔اول اسطرح پر کہ مچھلی نے نگلا ہی نہین۔دوسرے اسطرح کہ نگلا ہو مگر اُسکے پیٹ مین نہ ٹھہرے ہون۔مثلاً اگر کوئی کہے کہ اگر مین اُسکو نہ بچاتا تو وہ قبر مین ہوتا۔اُسکا مقصد صرف یہی ہے کہ قتل نہین ہوا نہ یہ کہ قبر مین جاکر نکل آیا۔مگر اُنھون نے ان معنون پر توجہ نہین کی غرضکہ اس قسم کی بہت سی مثالین قرآن مجید مین ہین۔ہمکو ضرور ہے کہ صرف الفاظ قرآن مجید کے پابند رہین نہ اُن قصون کے

جو یہود و نصاریٰ میں مذکور و مشہور ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "نقل از بنی اسرائیل بیشتر است کہ در دین ما داخل شد بعد از آنکہ لا تصدقوا اھل الکتاب و لا تکذبوا ھم قاعدہ مقرر است پس دو چیز لازم آمد یکے آنکہ تعریض قرآن را و سنت حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم بیان یافتہ شود مرتکب نقل از اہل کتاب نباید شد مثلاً چون محل آیت وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ" در سنت نبویہ یافتہ میشود و آن قصہ ترک انشاء اللہ و مواخذہ بر آنست مرتکب ذکر سخرہ مار دچرا باید شد۔ دوم آنکہ الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ را در نظر داشتہ قدر اقتضار تعریض سخن باید گفت تا بشہادت قرآن تصدیق کردہ باشیم و از زیادت زبان باید کشید ۱۲ (فوز الکبیر صفحہ ۹۷-۹۸)

ہمسے کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے معنے اسطور پر قرار دینے ضرور ہیں جسطرح کہ ایک اُمّی آدمی اُسکے معنے سمجھہ سکتا ہے کیونکہ بدوین اور تمام قبائل عرب کے ان پڑھے پس اُس زمانہ کے اہل عرب جسطرح سیدھے سادھے طور پر الفاظ قرآن کے ظاہری معنے سمجھتے تھے اُسی طرح ہمکو بھی قرآن کے معنے بیان کرنے چاہئیں۔

ہم کہتے ہیں کہ ہم بھی اسیطرح کرتے ہیں کیونکہ الفاظ کے وہی معنے لیتے ہیں جو عرب جاہلیت سمجھتے تھے کلام جاہلیت ہی کی بناء پر صرف و نحو و لُغت کی کتابیں بنی ہیں جنسے ہم قرآن مجید کے معنی بیان کرنے میں استمداد لیتے ہیں۔ موجودہ علم ادب عربی زبان کا بدوین اور اہل عرب کے کلام کی بنا پر مبنی ہے مگر بحث اسپر آجاتی ہے جبکہ بلحاظ علوم و فنون کے قرآن مجید پر توجہ کی جاتی ہے اور جس سے اہل عرب بالکل ناواقف اور عاری محض تھے۔ اس حالت میں بھی ہم کوئی نئی بات پیش نہیں کرتے بلکہ خود موافق زبان اہل عرب کے قرآن مجید کے الفاظ کے اُن معنوں پر متوجہ کرتے ہیں جو علوم کی ترقی کے سبب ہمکو صحیح و درست معلوم ہوتے ہیں۔

مثلاً اہل عرب بجز اسکے کہ جسپر وہ رہتے تھے اُسکو ارض کہتے تھے اور جو نیلی چیز گنبد نما اُنکے سر پر تھی اُسکو سما جانتے تھے اور اُور بحثون سے جو علوم مین اُن سے متعلق ہین محض ناواقف تھے اور باینہمہ جو نتیجہ ہدایت اور تعلیم روحانی اور وحدت و قدرت ذات باری کا قرآن مجید سے مقصود تھا وہ اُنکو حاصل ہوتا تھا۔ مگر جب بلحاظ علوم کے قرآن کے الفاظ پر بحث کی جاوے تو اُسوقت اُسنے کہتے ہین کہ الفاظ قرآن کے وہ معنے لینے جو مطابق زبان عرب کے اور اُن علمی بحثون کے مطابق ہین کیون نظر انداز کئے جاتے ہین اور جو قانون فطرت خود خدا نے بنایا ہے اُسکے مطابق وہ معنے جو کلام عرب کے مطابق بھی ہین کیون نہین لئے جاتے۔

ہم سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید کا یہی سمجھتے ہین کہ وہ اُس طرز کلام مین نازل ہوا ہے کہ اُمّی اور عالم و جاہل و فلسفی کسی طرح پر اُسکے معنے سمجھین سیدھے سادہ طور پر یا علمی و فلسفی طریقہ پر مگر نتیجہ مین سب متحد ہو جاتے ہین۔ کوئی کلام بجز قرآن مجید کے ایسا نہین ہے کہ وہ جاہل اور اُمّی محض کو بھی اُسی نتیجہ پر پہونچاوے جس نتیجہ پر ایک عالم فلسفی کو پہونچاتا ہے اور ہر ایک بقدر اپنے علم اور استعداد کے اُس سے فائدہ اُٹھا کر ایک منزل مقصود پر پہونچتا ہے۔

ہمسے طعناً کہا جاتا ہے کہ جب حکمت و ہیئت و فلسفہ یونانی مسلمانون مین پھیلا اور جو اُس زمانہ مین بالکل سچ و صحیح اور مطابق حقیقت واقع سمجھا جاتا تھا علماء اسلام نے قرآن مجید کے اُن مقامات کی جو اُنکے مطابق معلوم ہوتے تھے تائید کی اور اُن مقامات کو جو بظاہر مخالف اُن علوم کے معلوم ہوتے تھے اُنکے مطابق کرنے پر کوشش کی اب کہ معلوم ہوا کہ وہ علوم غلط اصول پر مبنی تھے اور اُنکا علم ہیئت بالکل خلاف حقیقت تھا اور علم طبعیات اور نیچرل سائنس نے زیادہ ترقی کی تو اب اُن معنون سے جو اُن علما نے مطابق یونانی علوم کے قرار دیئے تھے تکلف کرتے ہو اور دوسرے معنی

اختیار کرتے ہو جو حال کے علوم کے مطابق ہین اور کیا عجب ہے کہ آئندہ زمانہ مین ان علوم کو اور زیادہ ترقی ہو اور جو امور اسوقت محققہ معلوم ہوتے ہین وہ غلط ثابت ہون اُسوقت قرآن مجید کے الفاظ کے دوسرے معنی قرار دینے کی ضرورت ہوگی۔ وھلم جرا پس قرآن لوگون کے ہاتہہ مین ایک کھلونا ہو جاویگا۔ ہم اس طعنہ کو بطور ایک بشارت کے نہایت خوشی سے تسلیم کرتے ہین کیونکہ ہمارا الیقین ہے کہ قرآن مجید حقیقت امور کے مطابق ہے کیونکہ وہ ورڈ آف گاڈ ہے اور بالکل ورک آف گاڈ اُسکے مطابق ہے مگر اسمین بہت بڑا معجزہ یہ ہے کہ ہمارے ہر درجہ علم مین اُن امور مین جنکی ہدایت کیلئے قرآن نازل ہوا ہے یکسان ہدایت کرتا ہے اُسکے الفاظ ایسے اعجاز سے نازل ہوئے ہین کہ جہانتک ہمارے علوم کو ترقی ہوتی جاویگی اور اُس ترقی یافتہ علوم کے لحاظ سے ہم اُسپر غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ اُسکے الفاظ اُس لحاظ سے بھی مطابق حقیقت ہین اور ہمکو ثابت ہو جاویگا کہ جو سعنے ہمنے پہلے قرار دیئے تھے اور اب غلط ثابت ہوتے وہ ہمارے علم کا قصور تھا نہ الفاظ قرآن کا۔ پس اگر ہمارے علوم کو آئندہ زمانہ مین ایسی ترقی ہو جاوے کہ اسوقت کے امور محققہ کی غلطی ثابت ہو تو ہم پھر قرآن مجید پر رجوع کرینگے اور اُسکو ضرور مطابق حقیقت پاوینگے اور ہمکو معلوم ہوگا کہ جو سعنے ہمنے پہلے قرار دیئے تھے وہ ہمارے علم کا نقصان تھا۔ قرآن مجید ہر ایک نقصان سے بری تھا۔

مثلاً فرض کرو کہ قرآن مجید سے ہم نے یہ سمجھا تھا کہ سورج زمین کے گرد پھرتا ہے جس سے طلوع و غروب ہوتا ہے اب معلوم ہوا کہ سورج ساکن ہے اور زمین سورج کے گرد پھرتی ہے اب ہم قرآن مجید پر غور کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ سورج کا پھرنا قرآن مجید مین بطور حقیقت واقع کے بیان نہین ہوا بلکہ علی مایفہمہ الناس بیان ہوا ہے اور وہ سچ ہے۔ پس ہمنے جو اُسکو بطور حقیقت واقع کے سمجھا تھا وہ ہماری غلطی تھی نہ قرآن مجید کی۔ غرض کہ ترقی علوم سے ہمکو اُن امور سے رجوع کرنا جو ہمنے پہلے نسبت قرآن کے قرار دیئے تھے اور قرآن مجید کا اُسکے مطابق پانا جسکی طرح ہمنے بعد ترقی علم رجوع کی ہے ہمارے علم سابق کا نقصان اور قرآن مجید کے

کامل ہونے کا ثبوت ہے مگر ہماری نسبت کسی قسم کی طعنہ زنی کا سبب نہیں۔

یہ بحثیں جہان تک ہین صرف اُن اُمور سے متعلق ہین جو علوم سے اور طبیعات سے علاقہ رکھتے ہین۔ باقی رہے وہ امور جو روحانی تعلیم سے متعلق ہین اور جنکو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ حاوی ہے ہر وقت مین ایک حالت مستقل پر قایم ہین اُسمین نہ کبھی تبدل ہوا نہو گا۔ نہونے کی حاجت جسکے لئے منطوق آیہ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا شاہد عادل ہے۔

الان نختم الکلام ونقول ھذہ اصول معدودۃ من الاصول التی اسسنا علیھا تفسیر القران ونبین کلھا فی وقت اٰخر انشاء اللہ تعالیٰ۔

تیسرا خط نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علیخان کا

بنام

عالی جناب سر سید احمد خان بہادر دام ظلہم

رستے این مثنوی تاخیر شد	مہلتے بایست تا خون شیر شد

علیگڈھ۔ ۹ر فروری ۱۸۹۵ء

جناب عالی۔

مجھسے جو تاخیر آپ کی تفسیر کے متعلق اپنے شبہات ظاہر کرنے مین ہوئی اُسپر جسقدر مجھے افسوس تھا اُتنی ہی اس بات کی امید تھی کہ آپکی خدمت مین زیادہ حاضر ہونے اور آپ کی زبان مبارک سے الہامی مضامین سننے سے میرے شکوک دور ہو جائینگے۔ مگر باوجودیکہ مجھے ہفتون بلکہ مہینون آپکی حضوری نصیب ہوئی آپکی زبان الہام ترجمان سے مین نے بہت کچھ سُنا اور آپنے اکثر نہایت عالی اور بلند مقامات مجھے دکھائے

مگر افسوس ہے کہ میرے دل کا ایک شک بھی دور نہوا۔ بلکہ بچپن سے جو خیالات میرے دلمین بیٹھے ہوئے تھے۔ اور جن بندون سے آپ مجھے چھوڑانا چاہتے تھے وہ اور مضبوط ہوگئے۔ اور اب تو مجھے پورا یقین ہوگیا کہ فلسفیانہ خیالات اور حکیمانہ رایون نے آپ کے خیالات اسقدر بلند کردیئے ہین کہ ہم کم سمجھ آدمیون کی سمجھ وہان تک پہنچ نہین سکتی۔ اور نیچر کے طوفان خیز اور ناپیدا کنار دریا مین آپ نے اپنے جہاز کو اس مردانگی اور بیباکی سے ڈالدیا ہے کہ ہمارے خیالات کی کمزور کشتیان وہان تک پہنچتے پہنچتے پاش پاش ہوجاتی ہین۔ اسلئے مین اپنے شبہات تحریراً عرض کرنا چاہتا ہون شاید آپ کے الہامی قلم سے کچھ ایسے دلائل نکلین کہ مجھے اُس سے فائدہ پہنچے یا دوسرے لوگ اُس سے مستفید ہوسکین۔

آپ نے اپنے عنایت نامہ مورخہ ۸ اکتوبر ۱۸۹۲ء مین تحریر فرمایا تھا کہ تفسیر پر بحث کرنے سے اول اُن اصول کا تصفیہ کرلینا چاہیئے جو تفسیر لکھتے وقت آپ کے پیش نظر تھے۔ اور اُن اصول کو آپ نے تحریر فی اصول التفسیر مین بیان بھی کردیا ہے مگر مین ان اصول پر بحث کرنے سے معافی چاہتا ہون۔ اور اجمالاً بھی اُن کی نسبت اپنی موافقت یا مخالفت ظاہر نہین کرسکتا۔ اسلئے کہ جو اصول آپ نے بیان فرمائے ہین اور جسطرح اُنکو تحریر کیا ہے اُسکے ہر لفظ مین ہزار معنے پوشیدہ ہین۔ اور ہر اصول تفصیلی بحث کی ضرورت ہے اور اگر یہ شروع ہو تو نفس مطلب رہجاویگا۔ اور تفسیر کے متعلق جو کچھ مین عرض کرنا چاہتا ہون اُسکی نوبت نہ آئے گی۔

مین مثالاً عرض کرتا ہون کہ آپ اصل اول مین لکھتے ہین۔ کہ "ایک خدا خالق کائنات موجود ہے"۔ بلاشبہ یہ اصل بالکل صحیح ہے اور کون مسلمان ہے کہ اسمین شبہ کریگا مگر اُسی کے ساتھ آپ یہ بھی تحریر فرماتے ہین کہ "وھو علۃ العلل لجمیع المخلوقات علی ما کانت وعلی ما تکون" اور گو اُسکا علۃ العلل ہونا بھی ایک طور پر مسلم ہے

یعنی اگر وہ فاعل[1] اور مرید بھی مانا جاوے مگر علة کا فاعل اور مرید ہونا ضروری نہیں[2] ہے بلکہ ہر علت کا اپنے معلول کے ساتھ ہونا لازمی ہے اور خالق کا اپنی مخلوق کیساتھ ہونا ضروری نہیں ہے اسلئے کہ علة ومعلول کا تعلق[3] اضطراری ہے اور فاعل ومفعول یعنے خالق ومخلوق کا تعلق اختیاری

فالفاعل عندنا عبارة عن من يصدر منه الفعل مع الارادة على سبيل الاختيار ومع العلم بالمراد وعندكم ان العالم من الله تعالى كالمعلول من العلة يلزم لزوما ضروريا لا يتصور من الله تعالى دفعه لزوم الظل من الشخص والنور من الشمس۔ وليس هذا من الفعل شيئا والفاعل لم يسم فاعلا صانعا بمجرد كونه سببا بل بكونه سببا على وجه مخصوص۔ وهو وقوع الفعل منه على وجه الارادة والاختيار۔

فاعل ہمارے نزدیک وہ ہے جس سے ارادہ کے ساتھ اختیاری طور پر فعل صادر ہو اور وہ شی مراد کو بھی جانتا ہو۔ اور تمہارے نزدیک عالم کا صدور اللہ تعالیٰ سے ایسا ہی لازمی ہے جیسا علت سے معلول کا۔ خداوند تعالیٰ اُسکو روک نہیں سکتا جسطرح کہ آدمی سے اُسکا سایہ اور سورج سے اُسکی روشنی جدا نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ اس کو فعل سے کوئی تعلق نہیں اور فاعل کو محض سبب ہونے کی وجہ سے صانع نہیں کہتے۔ بلکہ خصوصیت کے ساتھ سبب ہونے کی وجہ سے وہ صانع کہلاتا ہے اور وہ خصوصیت یہ ہے کہ ارادہ اور اختیار کے ساتھ اُس سے فعل صادر ہو۔

[1] بیشک خدا فاعل ومرید ہے اور یہ دونوں اُسکی صفتیں ہیں اور تمام صفات اُسکی عین ذات ہیں پس وہ اپنی ذات سے فاعل ومرید ہے (سید احمد) [2] یہ امر غیر ذوی العقول علت پر صادق آسکتا ہے نہ ذوی العقول علت پر اور خدا سے زیادہ صاحب عقل کون ہے (سید احمد) [3] خدا کا تعلق اپنی معلول کے ساتھ اضطراری نہیں ہے بلکہ ایجابی ہے (سید احمد) [4] هذا قول من تصور ارادة الله واختياره كارادتنا واختيارنا وليس كذلك لان صفاته عين ذاته لا يحدث فيه ولا ينفك عنه بخلاف ارادتنا واختيارنا

پس اگر اس اصول سے مین بحث شروع کرون تو علۃ العلل کے مسئلہ کی بحث چھڑ جاتی ہے۔ اور آپ جانتے ہین کہ یہ کیسی باریک اور مشکل اور دقیق بحث ہے اور جبتک کہ اُس سے تفصیلی بحث نہو مین کسطرح آپ کے اس اصول کے ساتھ اتفاق یا اختلاف کا لفظ زبان پر لا سکون
اسیطرح پانچوین اصول مین آپ فرماتے ہین کہ قرآن مجید بالکل سچ ہے کون مسلمان ایسا ہے کہ اُسے اسمین شبہ ہوگا" مگر اُسی مین آپ یہ بھی لکھتے ہین کہ "کسی قول کا نقل کرنا صرف بغرض بیان یا بغرض تردید یا لوگون کے اعتقادات کو جو منافی مقصد قرآن کے نہین ہین بلا بحث اُنکی اصلیت اور واقعیت کے تسلیم کرکے اُنپر استدلال کرنا یا بطور حجت الزامی کے پیش کرنا یا امور ظاہر الوقوع کو اُنکی ظاہری حالت پر بلا اُنکی اصلی لمیت پر بحث کے بیان کرنا یا کلام غیر مقصود بالذات کا اثنائے کلام مین آنا قرآن مجید کی صداقت کے منافی نہین ہے"
اس مین آپنے ایسے مختصر مگر پر معنے الفاظ تحریر فرمائے ہین کہ اگر مین اُسے تسلیم کرلون تو آپ کی تفسیر کے بہت بڑے حصہ کا قبول کرنا لازم آتا ہے' اور اُسمین وہ حصے بھی شامل ہوجاتے ہین جسمین مجھے آپسے اختلاف ہے اور اگر اُس سے بحث کرون تو اُسکے لئے ایک علٰحدہ رسالہ کی ضرورت ہے۔ اسیطرح آپ آٹھوین اصول مین بیان فرماتے ہین کہ تمام صفات باری کی نامحدود اور مطلق عن القیود ہین یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید کوئی وجہ اُس سے اختلاف کی نہین ہے مگر اُسے اس طور پر آپنے تحریر کیا ہے۔ کہ اگر مین اُسے اجمالاً تسلیم کرلون تو مجھے بھی آپکی طرح خدا کو نیچر کا اور نہ نیچر کا بلکہ خیالی اور فرضی نیچر کا پابند ہونا ماننا پڑتا ہے۔ اور میرے نزدیک اُسکے معنے یہ ہین کہ خدا ایک وجود معطل ہے اور اُسکی طرف قدرت و اختیار و مشیت و ارادہ کی نسبت بے معنے† ہے۔ اور سوا اسکے جن آیتون سے آپنے اس اصل مین نیچر کا ثبوت کیا ہے اُسی سے میرے خیال کے موافق آپکے دعویٰ کا بطلان ہوتا ہے۔ مثلاً آپ فرماتے ہین کہ "ایک جگہ ابراہیمؑ کے

† ہان خدا کی طرف انسانون کیسی قدرت اور اختیار اور مشیت اور ارادہ کی نسبت کرنی بےمعنی ہو (سید احمد)

قصہ مین فرمایا ہے فما کان جواب قومہ الا ان قالوا اقتلوہ او حرقوہ فانجاہ اللہ من النار (ایت ۲۳ عنکبوت ۲۹)	پھر اُس (ابراہیم) کی قوم کا بجز اسکے اور کچھ جواب نہ تھا کہ اُنہون نے کہا کہ اُسے قتل کردو یا جلادو پھر اُسے خدا نے آگ سے بچایا۔

فانجاہ اللہ من النار سے ثابت ہوتا ہے کہ احراق خاصہ نار کا ہے ایک اور جگہ تمثیل مین فرمایا ہے فاصابہا اعصار فیہ نار فاحترقت (ایت ۲۶۸ البقرۃ ۲) پس ان دونون آیتون سے خدا نے ہمکو قانون فطرت یہ بتایا کہ آگ جلادینے والی ہے۔ پس جب تک یہ قانون فطرت قایم ہے اسکے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے"۔ اور اس سے آپ یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ احراق خاصہ نار کا ہے اور یہ بیشک سچ ہے مگر اُس سے آپ کا مقصود اس بات کا ثابت کرنا ہے کہ اس خاصیت کو خدا کسیطرح اور کسی حالت مین اور کسی کیلیے اور کسی وقت مین بھی جدا نہین کرسکتا تاکہ اُس سے اپنا یہ خیال صحیح سمجھا جاے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ مین ڈالے ہی نہین گئے۔ اور اگر آگ مین ڈالے جاتے تو آگ اپنے نیچر کے موافق ضرور اُنکو جلادیتی۔ مگر اسی آیت مین تدلیکے الفاظ

فانجاہ اللہ من النار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جلانا آگ کا خاصہ تھا مگر خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُس سے بچایا ورنہ فانجاہ اللہ من النار کے کچھ معنے نہین رہتے اور ان الفاظ کے مہمل اور لُوچ ہونے مین کچھ شبہ نہین ہوسکتا۔ یا ایک دوسری آیت اپنے دعوی کے ثبوت مین آپ یہ تحریر فرماتے ہین کہ ایک جگہ موسیٰ کے قصہ مین

فرمایا ہے کہ واذ فرقنا بکم البحر فانجینکم واغرقنا ال فرعون وانتم تنظرون ٥ (ایت ۴۷ البقر ۲) ایک جگہ فرمایا ہے وقوم نوح لما کذبوا الرسل اغرقنہم وجعلنہم للناس ایہ (آیہ ۳۹ فرقان ۲۵)	اور جب ہمنے تمہارے لیے سمندر کو چیرا اور تمہین بچالیا اور فرعون کے لوگون کو ڈبو دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ اور نوح کی قوم کو جبکہ اُنہون نے رسولون کو جھٹلایا ہمنے اُنہین غرق کیا اور اُنہین لوگون کے لیے ایک نشانی ٹھہرایا۔

اِن آیتون مین اور اِن کی مثل بہت سی آیتون مین خدا نے یہ قانون فطرۃ بتایا کہ پانی مین بوجھل چیز ڈوب جاتی ہے پس جبتک یہ قانون قدرت قایم ہے پانی سے یہ فطرۃ معدوم نہین ہوسکتی اُسکا معدوم ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے" جناب عالی آپنے اغرقنا آل فرعون سے تو نیچر کا ثبوت نکالا مگر واذ فرقنا بکم البحر فانجینٰکم کا خیال نہ رکھا اگر اغرقنا آل فرعون مین بقول آپ کے خدا نے اپنے نیچر کا یہ قانون بتایا ہے کہ پانی مین بوجھل چیز ڈوب جاتی ہے تو اُسکے ساتھ میرے نزدیک اُسنے واذ فرقنا بکم البحر فانجینٰکم مین اپنے اختیار اور قدرت کا بھی یہ قانون بتا دیا ہے کہ جسکو ہم چاہتے ہین اُسے ہم ڈوبنے سے بچا دیتے ہین۔ پھر حیرت اور تعجب تو مجھے اسپر ہے کہ آپ اسی اصل کے بیان کے آخر حصہ مین فرماتے ہین کہ "جو کچھ کہ ہمنے قرآن مجید کی آیتون سے قانون فطرت بتایا ہے اُسپر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قانون فطرت عام نہین ہے بلکہ اُسمین مستثنیات بھی ہین لیکن اُسکے ذمہ اُن مستثنیات کا قرآن مجید سے ثابت کرنا لازم ہوگا۔ مگر ہمارا یہ دعوٰی ہے کہ قرآن مجید سے اُس قانون فطرت مین مستثنیٰ ہونا ثابت نہین ہوتا جسکو ہم آئندہ بیان کرینگے۔ جو قانون قدرت کہ انسان نے تجربہ سے قایم کیا ہے اُسکی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ جبکہ تمام قانون فطرت ابھی تک نامعلوم ہین تو ممکن ہے کہ کوئی قانون فطرت ایسا ہو جس سے مستثنیات ثابت ہوتے ہون۔ مگر یہ کہنا کافی نہین ہے اسلئے کہ امکان عقلی تو کوئی شے وجودی نہین ہے۔ صرف ایک خیال غیر محقق الوقوع ہے وان الظن لا یغنی من الحق شیئا ترجمہ۔ گمان یقین کا کچھ بھی نہین فائدہ دیتا۔ علاوہ اسکے امکان کا اطلاق اُس چیز پر ہوتا ہے جو کبھی ہوا اور کبھی نہو۔ لیکن جس چیز کا کبھی وقوع ثابت نہوا ہو تو اُسپر امکان کا اطلاق غلط اور محض سفسطہ ہے غرضکہ جو شخص قانون فطرت مین مستثنیات کا مدعی ہو اُسکو اُن مستثنیات کے کبھی واقع ہونے کو ثابت کرنا بھی لازم ہے"۔ اگر آپ کی اس تحریر کے مطابق مین فرض کرلون کہ قانون فطرۃ عام ہے

اور یہ بھی فرض کر لوں کہ قانون قدرت وہی ہے جو انسان نے اپنے تجربہ سے قایم کیا ہے تو میں اُسکا یہ جواب دونگا کہ اس عام قانون میں مستثنیات کا ہونا خود قرآن سے ثابت ہے جیسا کہ میں نے نظیرًا اوپر بیان کیا اور آئندہ بیان کرونگا۔ لیکن گو کہ یہ میں مانتا ہوں کہ قانون فطرۃ تبدیل نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ میں نہیں مانتا کہ جسکو قانون قدرت کہا جاتا ہے اور جسکی بنا استقراء اور تجربہ اور جزئیات کی تحقیقات پر ہے اُسے انسان نے ایسا دریافت کر لیا ہے کہ جو چیز بظاہر اُسکے خلاف معلوم ہو اُسے خلاف قانون قدرت کہکر اُسکا انکار کر دیا جائے۔ خصوصًا ایسی حالت میں کہ اُسکا ثبوت عمدہ شہادت سے ہوتا ہو۔ انسان کی عقل محدود ہے اور وہ قدرت الٰہی کی کنہ نہیں جان سکتا اور نہ اُسکا جزوی تجربہ خدا کے کلام کو باطل کر سکتا ہے۔ کائنات کی حدود میں کوئی ایسا مقام نہیں ہے جو خدا کی قدرت کی حد ہو اور جہاں پر قادر مطلق کی قدرت کی بڑھنے والی موج سے کوئی ملاح یہ کہہ سکے کہ یہ تیری حد ہے تو اس سے آگے مت بڑھ ورنہ تو روکی جائیگی۔ یہ خود دریا کے اختیار میں ہے کہ جہاں تک چاہے اپنی لہریں بڑھاتا رہے۔ خدا کا قادر مطلق ماننا ہی اس بات کے لئے کافی ہے کہ نہ اُسکی قدرت محدود ہے نہ اُسکی قدرت کو کوئی جان سکتا اور نہ سمجھ سکتا اور نہ محدود کر سکتا ہے۔ خدا کے ارادہ اور فعل کے بیچ میں ایک ایسا عمیق خندق ہے کہ انسان کی عقل وادراک کا اُسپر سے گذرنا ناممکن ہے۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ قدرت کے قوانین ناقابل تبدیل ہیں اور اُسکا ناقابل تبدیل ہونا خود خدا کے فرمانے سے ہمیں معلوم ہوا کیونکہ اُسنے قرآن میں متعدد جگہ فرمایا ہے لاتبدیل لکلمٰت اللہ ولا تجد لسنت اللہ تحویلا۔ ترجمہ۔ خدا کے کلمات میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں۔ تم خدا کی سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤگے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے کہ انسان نے اُن قوانین کو پورے طور پر ضبط کر لیا ہے اور جو کچھ اُسکے خلاف واقع ہو گو اُسکا ثبوت قرآن ہی سے ہوتا ہو اُسکا انکار کیا جائے اور اُسے قانون قدرت کی تبدیلی کہا جائے

یہ خیالات درحقیقت خدا سے اُسکے شاہی حقوق چھینتا اور اُسے کائنات کے تخت سے اُتار دیتا ہے۔ خدا اپنی حکومت سے اس عالم مین خارج نہین ہوگیا، نہ وہ اپنے کامل اقتدار اور حقوق الوہیت سے دست بردار ہوا ہے۔ پس ہم صرف اسی بنیاد پر کہ خدا قادر مطلق ہے اور وہ اپنی قدرت دوسرے کو دیکر عرش پر آرام سے بیٹھ نہین رہا ہے۔ یہ کہتے ہین کہ جو فعل اُسکے کلام سے ثابت ہو وہ قانون قدرت کی تبدیلی نہین ہے بلکہ اُسی قانون کے کسی ضمن یا دفعہ مین داخل ہے[1]۔ اس سے زیادہ لکھنا اس موقع پر غیر ضروری ہے۔ کیونکہ ہر اصل آپکے اصول مقررہ کی تفصیلی بحث کی محتاج ہے۔ اسلئے مین امید کرتا ہون کہ آپ اپنے اصول کی بھول بھولیّون مین مجھے نہ گھمائیے اور تفسیر کی بحث کرنیکی اجازت دیجئے۔ اور خاتمہ پر اس بات کی اَور اجازت چاہتا ہون کہ مجھے بھی اپنے اصول مختصراً بیان کرنے دیجئے جو آپ کی تفسیر سے بحث کرنیکے متعلق مین نے اختیار کئے ہین۔ وہ کچھ زیادہ نہین ہین بلکہ کلمۂ طیبہ کی طرح صرف دو جملے ہین۔ ایک یہ کہ مجھے تحقیق منظور ہے نہ مناظرہ خصوصًا وہ مکروہ اور قابل نفرت مباحثہ کا طریقہ جو ہمارے متکلمین نے مذہبی بحثون مین اختیار کیا ہے جو درحقیقت سخن پروری اور اظہار قابلیت ہے۔ دوسرے یہ کہ مین قرآن کو معیار صدق قرار دیتا ہون نہ کسی اور علم اور نہ کسی قانون قدرت کو۔ اسلئے کہ قرآن یقینی ہے اور وہ یقین کسیطرح زائل نہین ہو سکتا۔ اگر کوئی بات صریح اور صاف صاف قرآن مجید سے ایسے ثابت ہو جسکے دوسرے معنے کسی طرح قرآن کے مقصود عرب کی زبان اور اُنکے محاورے کے مطابق نہون تو وہ واجب القبول ہے۔ اور جو بات اُسکے خلاف ہو گو اُسکا نام سائنس ہو یا نیچر یا لا آف نیچر اُسے مین قرآن پر مقدم نکرونگا اور نہ اُسکے سبب سے قرآن کی ایسی تاویل جائز سمجھونگا جو بمنزلہ تحریف کے ہو۔ آئندہ خط مین دعا کے متعلق جو آپنے اپنی تفسیر مین لکھا ہے اُس سے بحث کرونگا[2]۔

---

[1] اگر تمہارا یہ یقین ہے کہ جو واقعات ہوتے ہین وہ قانون قدرت کی کسی ضمن یا دفعہ مین داخل ہین گو ہم نہ جانتے ہون تو ہمارے اور تمہارے اعتقاد مین کچھ بھی فرق نہین۔

[2] من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی ٭ تاکس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری (سید احمد)

نوٹ

چونکہ اسکے بعد وہ خط شروع ہوتا ہے
جس مین مسئلہ دعا سے بحث کی گئی ہے اسلئے یہی مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے قبل ہم سرسید کے رسالہ "الدعا والاستجابہ" کو بھی
نقل کردین تاکہ اس رسالہ کے ناظرین کو نفس مضمون کے سمجھنے مین
آسانی ہو۔ (محمد عثمان)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلدُّعَاءُ وَالْاِسْتِجَابَةُ

دعا اور ندا دو لفظ مرادف ہین اور اُنکے لغوی معنے پکارنے کے ہین حضرت زکریا کے حال مین ایک جگہ خدا نے فرمایا وزکریا اذ نادی ربہ اور یہ کافی ثبوت اس بات کا ہے کہ دعا اور ندا دو مرادف لفظ ہین۔ خدا کو پکارنا اُسکی طرف متوجہ ہونا اور اُسکو حاضر سمجھنا اور اُسکے الٰہ اور معبود برحق ہونے کا اقرار کرنا ہے پس جو شخص کہ اسطرح پر خدا کو پکارتا ہے خدا اُسکو قبول کرتا ہے قال اللہ تعالیٰ[1] وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (ایت ٦٢ المؤمن ۴٠) اور دوسری جگہ فرمایا ہے[2] وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ (ایت ١٨٢- البقر ٢)

غرضکہ لفظ دعا اور ندا مین بہ لحاظ اُسکے حقیقی معنے کے امر مسئول عنہ داخل نہین ہوتا بلکہ وہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے جیسے کہ ان دو آیتون مین سے پہلی آیت یہ ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ[3] (ایت ٣٣- ال عمران ٣)

اسوقت دعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے عطا کر مجھکو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد بیشک تو دعا کا سننے والا ہے۔

[1] اور کہا تمہارے پروردگار نے دعا کرو تم مجھ سے مین تمہاری دعا قبول کرونگا [2] جب میرے بندے میری بابت تجھ سے سوال کرین تو کہہ مین قریب ہون پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو مین اُسکی پکار کا جواب دیتا ہون پس چاہیئے کہ وہ مجھے مانین اور مجھپر ایمان لائین شاید وہ نیک راہ پر آجائین۔

اور دوسری آیۃ یہ ہے وَزَکَرِیَّا اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ ۝ (آیۃ ۸۹-الانبیاء ۲۱)

اور یاد کر زکریا کو جبکہ پکارا اُسنے اپنے رب کو ای رب مت چھوڑ مجھکو اکیلا اور تو بہترین وارث ہے۔

بہت جگہ قرآن مجید مین بغیر لفظ دعا کے سوال کیا گیا ہی اور حاجت چاہی گئی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ۝ (آیت ۹۸ و ۹۹ الصافات ۳۷)

ای رب مجھکو ایک نیک بیٹا عطا فرما پھر ہمنے اُسے ایک بُردبار بیٹے کی بشارت دی۔

اور سورۃ النمل مین جو یہ آیت ہے اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ (آیت ۶۳-النمل ۲۷)

بھلا کون ہی جو بیقرار کی دعا قبول کرتا ہی جب وہ اُسکو

اسمین بھی لفظ دعا انہین معنو مین آیا ہی جو اور آیتو مین آیا ہی اور مسئول عنہ بولا نہین گیا ہی بلکہ اُسکا مطلب یہ ہے کہ اذا دعاہ بکذا وکذا۔

لیکن اگر خدا سے کچھ مانگا جاوے اور سوال کیا جاوے تو اُس حالت مین بھی خدا کی طرف متوجہ ہونا اور اُسکو معبود برحق سمجھنا لازم آتا ہے اور لفظ ندا لفظاً یا معناً اُسپر مصدر ہوتا ہے اسلئے دعا کا لفظ مسئول عنہ پر بھی بولا جاتا ہے اور لفظ دعا کے معنی الابتہال الی اللہ بالسؤال کے ہوجاتے ہین یعنے عاجزی کے ساتھ خدا سے کچھ مانگنے کے اور یہی سبب ہے کہ دعا کو بمعنی اول لو یا بمعنے ثانی عبادت کہا گیا ہے چنانچہ اس آیت مین وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (آیت ۶۲-المؤمن ۴۰)

اور تمہارے رب نے کہا مجھسے دعا کرو مین تمہاری دعا قبول کرونگا بیشک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہین وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم مین داخل ہونگے۔

عبادت کا لفظ مرادف دعا کے آیا ہے اسلئے کہ شروع آیت مین ادعونی کا لفظ ہے تو اُسکی مناسبت سے یستکبرون کے بعد عن دعائی آتا مگر وہان عن عبادتی آیا ہے

جو کافی ثبوت ہے کہ دعا اور عبادت مرادف لفظ ہین۔

اسی آیت کے مطابق دو حدیثین مشکوٰۃ شریف مین موجود ہین پہلی حدیث یہ ہے۔

عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء ھو العبادۃ ثم قرأ وقال ربکم ادعونی استجب لکم رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی	نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دعا عبادت ہے پھر پڑھی آپ نے یہ آیت ادعونی استجب لکم روایت کیا اس حدیث کو احمد اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے۔

وابن ماجہ۔ اور دوسری حدیث یہ ہے

عن انس رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء مخ العبادۃ رواہ الترمذی۔	انس سے روایت ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا عبادت کا مغز ہے روایت کیا اس حدیث کو ترمذی نے۔

باقی رہی استجابت دُعا اگر استجابت دعا کے معنے اُس سوال کا پورا کردینے کے قرار دیئے جاوین تو اُسمین دو مشکلین پیش آتی ہین۔ اول یہ کہ ہزارون دعائین نہایت عاجزی اور اضطرار سے کی جاتی ہین مگر سوال پورا نہین ہوتا جسکے معنی یہ ہوتے ہین کہ دعا قبول نہین ہوئی حالانکہ خدا نے استجابت کا وعدہ کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو امور ہونے والے ہین وہ مقدر ہین یعنے علم الٰہی مین ہین اور جو نہین ہونے والے ہین وہ بھی علم الٰہی مین ہین اُن مقدرات کے برخلاف ہرگز نہین ہوسکتا۔ پس اگر استجابت دُعا کے معنے سوال کا پورا ہونا قرار دیئے جاوین تو خدا کا یہ وعدہ کہ ادعونی استجب لکم ان سوالون پر جنکا ہونا مقدر نہین ہے کسیطرح صادق نہین آسکتا۔

تقدیر کی دو قسمین مبرم اور معلق قرار دینا بچون کی باتین ہین اور اسسے بھی کوئی فائدہ مترتب نہین ہوتا کیونکہ جسکو تقدیر معلق قرار دیا جاتا ہے وہ بھی بمنزلہ اُسی کے

ہو جاتی ہے جسکو تقدیر مبرم کہا جاتا ہے معہذا ادعونی استجب لکم کا وعدہ عام ہے اور اُسمین کوئی چیز اور کوئی شخص مستثنےٰ نہین ہے اور جبکہ یہ ثابت ہے کہ حصول سوال منحصر مقدر پر ہے تو استجابت دُعا جسکا وعدہ خدا نے کیا ہے وہ اور کوئی معنے رکھتا ہے۔

ہان اسمین شبہ نہین کہ بعض امور جن کا ہونا مقدر ہے اور اُنکے لئے بھی دعا مانگی جاتی ہے وہ حاصل ہو جاتے ہین اور اُنپر استجابت کا مجازاً اطلاق کیا جا سکتا ہے جیسے کہ اس آیت مین هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ (آیہ ۳۳-۳۴ آل عمران ۳)

اس موقع پر زکریاؑ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہا کہ اے میرے رب مجھکو اپنی طرف سے پاک اولاد بخش بیشک تو دعا سنتا ہے پھر جب زکریا محراب مین کھڑا نماز پڑھ رہا تھا فرشتون نے اُسکو آواز دیکر کہا اللہ تجھے خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی جو خدا کے کلمہ (یعنی عیسےٰ) کا مصداق ہو اور ایک سردار ہوگا اور عورتون سے الگ رہیگا اور ایک نبی ہوگا نیکو مین سے

اور جیسے کہ اس آیت مین ہے وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ۝ (آیہ ۸۹-۹۰ الانبیاء ۲۱)

اور زکریا کو یاد کر جبکہ اُسنے اپنے رب کو پکارا کہ اے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے سو ہمنے اُسکی دعا قبول کی اور اُسے یحییٰ بخشدیا اور اُسکی عورت کو چنگا کر دیا یہ لوگ نیکیون پر دوڑتے اور امید اور خوف سے ہمین پکارتے اور ہمارے سامنے عاجزی کرتے تھے۔

حضرت زکریا کے بیٹا پیدا ہونے کو مجازاً استجابت دعا کہا جاوے کیونکہ بیٹا ہونا مقدر مین تھا

وہ ضرور ہوتا تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کی نسبت رَبِّ هَبْ لِي

مِنَ الصَّالِحِينَ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ (آیت ۹۸-۹۹-الصافات ۳۷)	اے رب مجھ کو نیک بیٹا عطا فرما پھر ہمنے اُسے ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔

مجازاً استجابت دعا کہا جاتا ہے کیونکہ بیٹا ہونا مقدرات مین سے تھا۔

اور جبکہ یہ بات محقق ہوئی کہ دعا عبادت ہے جو دل سے اور خضوع وخشوع سے ہو اُسکے قبول کرنے کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے اور وہ کبھی نامقبول نہین ہوتی تو استجابت دعا کی ٹھیک مراد عبادت کے قبول کرنے اور انسان کے دل مین جو حالت کہ صدق دل سے عبادت کرنے مین پیدا ہوتی ہے اُسکے پیدا ہونے کی ہوئی۔

وهذا ما وعد الله وان الله لا يخلف الميعاد۔ قال الله تعالى إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (آیت ۱۲۱-التوبہ ۹) وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (آیت ۱۱۷-ہود ۱۱) أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ (آیت ۱۹۳-آل عمران ۳)	اور یہ وہ ہے جسکا اللہ نے وعدہ کیا ہے اور اللہ وعدہ کے خلاف نہین کرتا۔ فرمایا اللہ تعالے نے تحقیق اللہ نیکون کا اجر ضائع نہین کرتا۔ اور کہا صبر کر کیونکہ اللہ نیک کام کرنیوالون کا اجر ضائع نہین کرتا۔ مین تم مین سے کسی عامل کا عمل ضائع نہین کرتا مرد ہو یا عورت۔

جو معنے استجابت دعا کے مین نے بیان کیے اُسکے مناسب مشکوٰۃ مین ایک حدیث ہے۔

عن ابی سعید الخدری ان النبی صلی الله علیه وسلم قال ما من مسلم یدعو بدعوة لیس فیها اثم ولا قطیعة رحم الا اعطاه الله	ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان نہین جو ایسی دعا کرتا ہے جسمین نہ تو گناہ ہو اور نہ قطع رحم مگر یہ کہ خدا اُسکو تین باتون مین ایک

ها احدی۔ ثلث اما ان یعجل له دعوته واما ان یدخرها له فی الآخرۃ واما ان یصرف عنه من السوء مثلها قالوا اذا نکثر قال الله اکثر رواہ احمد قوله اما ان یعجل له۔	ضرور عطا فرماتا ہے یا تو اُسکی دعا فوراً قبول کرتا ہے یا اُسکو آخرت کے لئے ذخیرہ بنا دیتا ہے یا اُس سے اُسکی مثل بُرائی دور کر دیتا ہے۔

اسکا یہی مطلب ہے کہ اگر وہ امر مقدر ہے تو وہ ہو جاویگا وقوله اما ان یدخرها فی الآخرۃ یہ اُنہی امور پر اشارہ ہے جو مقدر نہین ہین اور دعا کے عبادت ہونیکے سبب اُسکا ثواب آخرۃ مین ملیگا وهذا هو قوله تعالی ادعونی استجب لکم وقوله اما ان یصرف عنه من السوء کما قال الله ویکشف السوء اس سے یہی مراد ہے کہ وہ دعا اُس قوت کو تحریک کرنے والی ہوتی ہے جس سے اُس رنج ومصیبت واضطرار مین جو مطلب حاصل ہونے سے ہوتا ہے تسکین دیتی ہے اور جبکہ دعا دل سے اور اپنے تمام فطرتی قویٰ کو متوجہ کرکے کی جاتی ہے اور خدا کی عظمت اور بے انتہا قدرت کا خیال اپنے دل مین جمایا جاتا ہے تو وہ قوت تحریک مین آتی ہے اور اُن تمام قوتوں پر جنسے اضطرار پیدا ہوا ہے اور اُس مصیبت کا رنج برانگیختہ ہوا ہے اُن سب پر غالب ہو جاتی ہے اور انسان کو صبر واستقلال پیدا ہو جاتا ہے اور ایسی کیفیت کا دل مین پیدا ہونا لازمۂ عبادت ہے اور یہی دعا کا مستجاب ہونا ہے۔

انسان کی فطرت مین یہ بات داخل ہے کہ جب اُسپر کوئی مصیبت آتی ہے اور اُسکے دل کو اضطرار ہوتا ہے تو وہ کسیکی طرف استمداد اور استغاثت کے لیے رجوع کرتا ہے اگر وہ امر ایسا ہو کہ کوئی انسان اُسکی مدد کر سکتا ہے تو وہ انسان کیطرف

رجوع کرتا ہے اگر وہ امر کسی انسان کی مدد سے بالا تر ہے تو کسی ایسی ہستی سے امداد چاہتا ہے جو اُسکے نزدیک اُس امر مین مدد کر سکتی ہے مگر خدا نے ہمکو اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کی تعلیم دی ہے اور اُسکا لازمہ یہ ہے کہ ہم کسی امر مین سواے خدا کے اور کسی سے مدد نہ چاہین۔ وہ امر کیسا ہی بُرا یا کیسا ہی جھوٹا ہو۔

مشکوٰۃ مین یہ حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیسال احدکم ربہ حاجتہ کلھا حتے یسال شسع نعلہ اذا انقطع یعنے ہر شخص اپنی تمام حاجتین خدا ہی سے مانگے یہان تک کہ اگر اُسکی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جاوے تو اُسکو بھی خدا سے مانگے پس دعا سے مقصد یہ ہے کہ ہر حال مین بندہ کو خدا سے تعلق اور ہر امر مین اُسکی طرف رجوع رہے نہ کسی غیر کی طرف۔

جو لوگ کہ حقیقت دعا سے اور جو حکمت اُسمین ہے اُس سے ناواقف ہین وہ کہہ سکتے ہین کہ جب یہ امر مسلم ہے کہ جو مقدر نہین ہے وہ نہین ہونیکا تو دعا سے کیا فائدہ ہے۔ مگر اُسمین چند ناسمجھیان ہین۔ اول تو یہ معلوم نہین کہ وہ مقدر ہے یا نہین۔ دوسرے یہ کہ وہ ایسا کہنے مین فطرت انسانی کو بھول جاتے ہین کہ انسان کی فطرت مین یہ امر داخل ہے کہ حالت اضطرار مین یا حصول مطلب کے لئے دوسرے سے استمداد کی خواہش رکھتا ہے بلا خیال اسکے کہ وہ ہوگا یا نہین اور انسان کی یہ فطرت اُس سے جدا نہین ہو سکتی اور بمقتضائے اُسکی فطرت کے اُسکو کہا گیا ہے کہ خدا ہی سے مانگو جو مانگو۔ واللہ یعلم انھا مقدر ام لا فان لم یکن مقدرا یعطیك ثوابھا ویدخرھا لك فی الآخرۃ فاما فی الدنیا یصرف عنك من السوء مثلھا۔ فانظر

اور اللہ جانتا ہے کہ وہ مقدر ہے یا نہین۔ پس اگر وہ مقدر نہو گی تو تجھکو اُسکا ثواب دیگا اور اُس کو آخرت کے لئے اُٹھا رکھیگا۔ یا دنیا مین تجھ سے مثل اُس کے بُرائی دور کر دے گا۔ دیکھو

ما تفعل فی امور دنیاك انت تسعی
بکمال جهد وابتهال فی حصولها
وتعلم انها لا تحصل ان لم یکن
مقدرا فاف لك ان قصرت فی
الدعاء الی الله مع ان الله عزوجل
وعدك احدی ثلث اما ان یعجل
لك دعوتك واما ان یدخرها
لك فی الآخرة واما ان یصرف
عنك من السوء مثلها ولهذا
قال رسول الله صلی الله علیه
وسلم من لم یسأل الله یغضب علیه
رواه ابو هریره (مشکوٰة)
وهذه دعائی الی الله - رَبَّنَا
تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ
(آیت ۱۲۱ - البقر۲)
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا
مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (آیت ۱۲۲ البقر۲)

دنیوی معاملات مین تم کیا کرتے ہو تو اپنے
مقصد کے حصول مین نہایت کوشش کرتے ہو
حالانکہ تمکو معلوم ہے کہ اگر وہ مقدر نہوگا تو
ہرگز حاصل نہوگا تو پھر افسوس کی بات ہے
اگر تم دعا مین کوتاہی کرو کیونکہ خداوند تعالی نے
تین مین سے ایک کا وعدہ کیا ہے - یا تو
فوراً دعا قبول ہوگی یا وہ ذخیرہ آخرۃ
بنجاویگی اور یا مثل اسکے برائی دور کردیجاویگی
یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا جو شخص خدا سے سوال نہین کرتا خدا
اس سے ناخوش ہوتا ہے روایت کیا اس
حدیث کو ابو ہریرہ رض نے -

یہ میری خدا سے دعا ہے :- ای ہمارے رب
ہماری دعا قبول کر بیشک تو سننے والا اور
جاننے والا ہے -

ای ہمارے رب تو ہم دونون کو اپنا فرمانبردار بنا
اور ہماری اولاد مین سے ایک فرمانبردار امت
نکال اور ہمکو عبادت کا دستور سکھا اور تو ہمین
بخشدے کیونکہ تو ہی بخشنے والا مہربان ہے -

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (ایت ۱۹۷-البقرہ ۲)

ای ہمارے رب ہمین دنیا مین بہی خوبی دے اور آخرة مین بہی خوبی دے اور ہمین آگ کے عذاب سے بچا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (ایت ۲۸۶ البقرہ ۲)

ای ہمارے رب اگر ہم بہول گئے یا ہمنے خطا کی تو گرفت نکر۔ اور ای ہمارے رب ہمپر بوجھ نہ ڈال جیساکہ تونے اگلون پر بوجھ ڈالا تھا اور ہمسی وہ بوجھ نہ اُٹھوا جسکی ہمکو طاقت نہین اور ہمسے درگذر کرا ور ہمین بخشدے اور ہمپر رحم کر تو ہمارا آقا ہے تو ہمین کافر قوم پر مدد دے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ٥ (ایت ۸ ال عمران ۳)

ای ہمارے رب جبکہ تو ہمین ہدایت دے چکا تو ہمارے دلون کو گمراہ نکرا ور اپنی طرف سے ہمین رحمت دے۔ توہی دینے والا ہے۔

رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (ایت ۱۶- ال عمران ۳)

ای ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہ بخشدے اور ہمین آگ کے عذاب سے بچا۔

رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ (ایت ۵۳- ال عمران ۳)

ای ہماری رب جو کچہ تونے نازل کیا ہی ہم اُسپر ایمان لائے اور ہمنے رسول کی پیروی کی پس توہمین گواہون مین لکھ لے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا

ای ہماری رب ہمارے گناہ اور جو زیادتی ہمسے

فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ○ (آیت ۱۴۱

ہماری کامون مین ہوئی معاف کر اور ہمکو ثابت قدم رکھ اور ہمین کافر قوم پر مدد دے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (آیت ۱۸۸۔ آل عمران ۳)

ای ہمارے رب تونے یہ عبث پیدا نہین کیا تو پاک ہے پس ہمین آگ کے عذاب سے بچا۔

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ○ (آیت ۱۹۱-۱۹۹۔ آل عمران)

ای ہمارے رب ہمنے ایک پکارنیوالے کو سُنا جو ایمان کیلئے منادی کرتا ہی کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لائے پس ای ہمارے رب ہماری گناہ معاف کر اور ہماری بدیون کو دور کر اور ہمکو نیک کردارون کے ساتھ موت دے

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آیت ۱۹۲ آل عمران ۳)

ای ہمارے رب جو تونے اپنے رسولون کی معرفت ہمسے وعدہ کیا ہو وہ ہمین عطا کر اور قیامت کے دن ہمین رُسوا نکرنا بیشک تو وعدہ خلافی نہین کرتا۔

رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (آیت ۸۶۔ المائدۃ ۵)

ای ہمارے رب ہم ایمان لائے پس ہمکو گواہوں مین لکھ لے۔

رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (آیت ۱۱۴۔ المائدۃ ۵)

ای ہمارے رب آسمان سے ہمپر ایک خوان نازل کر جو ہمارے لئے عید ہو۔ ہمارے پہلون اور پچھلون کے لئے اور تیری طرف سے ایک نشان ہو اور ہمین رزق دے تو بہتر رزق دینے والا ہے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (آیت ۲۲۔ اعراف ۷)

ای ہمارے رب ہمنے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہمپر رحم نہ کرے تو ہم گھاٹے میں رہینگے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (آیت ۴۵۔ الاعراف ۷)

ای ہمارے رب تو ہمکو ظالم قوم کے ساتھ مت کر۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ (آیت ۸۷۔ اعراف)

ای ہمارے رب ہم میں اور ہماری قوم میں تو حق کیساتھ فیصلہ کر تو بہتر منصف ہے۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (آیت ۱۲۳۔ اعراف ۷)

ای ہمارے رب تو ہمیں صبر دے اور ہمکو مسلمان مار۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (آیت ۸۵۔ یونس ۱۰)

ای ہمارے رب تو ہمیں کافر قوم کا فتنہ (محل عذاب) نہ کر۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (آیت ۹ کہف ۱۸)

ای رب ہمپر اپنی طرف سے رحم کر اور ہمارے معاملہ میں ہمارے لئے راہ سیدھی نکال۔

رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (آیت ۱۱۱۔ المؤمنون ۲۳)

ای ہمارے رب ہم ایمان لائے سو تو ہمیں بخشدے اور ہمپر رحم کر تو سب سے بڑا مہربان ہے۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (آیت ۷۴۔ فرقان ۲۵)

ای ہمارے رب ہماری عورتوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہمیں متقیوں کا پیشوا بنا۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (ايت ۱۰۔ الحشر ۵۹)

ای ہمارے رب ہمین اور ہمارے بھائیون کو جو ہمسے پہلے ایمان لائے بخشدے اور ہمارے دلون مین ایمانداروںکی عداوت نہ رکھہ تو شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (ايت ۴۔ الممتحنۃ ۶۰)

ای ہمارے رب ہمنے تجھپر توکل کیا اور ہم تیری طرف رجوع لائے اور تیری ہی طرف پھر جانا ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (ايت ۵۔ الممتحنۃ ۶۰)

ای ہمارے رب تو ہمکو کافر قوم کا فتنہ (یعنے محل عذاب مت بنا اور تو ہمکو بخشدے تو زبردست حکمت والا ہے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (ايت ۸۔ التحريم ۶۶)

ای ہمارے رب ہماری لئے روشنی پوری کردے اور ہمین بخشدے تو ہر چیز پر قادر ہے۔

چوتھا خط متعلق الدعا والاستجابة

بمبئی یکم اگست ۱۸۹۵ء

جناب عالی - آپ نے جو کچھ دعا کی نسبت اپنی تفسیر اور رسالہ الدعا والاستجابۃ میں تحریر فرمایا ہے اُسے مین نے غور سے دیکھا - اور جو کچھ بالمشافہ آپ نے کہا اُسے بھی دل سے سنا - مگر افسوس ہے کہ میرے دل کو کچھ تسلی نہوئی اور نہ وہ اختلاف جو مجھے آپ سے اس مسئلہ مین تھا رفع نہوا -

چونکہ یہ مسئلہ دعا کا منجملہ دیگر مذہبی مسائل کے نہایت اہم اور ضروری ہے - بلکہ بہت سے ضروری عقائد کے مباحث پر مشتمل ذات وصفات باری اور فطرت اور قوانین فطرت کے شامل ہے - اور ہر زمانہ مین نہایت پیچیدہ اور مشکل خیال کیا گیا ہے - اسلیئے اس امر کی ضرورت ہے کہ اُسکے تمام مالہ وماعلیہ سے پوری بحث کیجائے اور نہ صرف مذہبی رُخ سے بلکہ علمی نظر سے بھی وہ دیکھا جاوے -

لان هذه المسئلة من جملة المسائل الغامضة الشريفة التي اختلفت فيه الراء وتشعبت فيه الملل هب والاهواء وتحيرت فيه الافهام واضطربت فيه اراء الانام -	کیونکہ یہ مسئلہ منجملہ اُن دقیق اور شریف ترین مسائل کے ہے جسمین رائین مختلف ہوگئین اور مذاہب جدا جدا ہوگئے ہین - اور جس کی وجہ سے لوگون کی عقلون کو حیرانی اور انکی رایون مین پریشانی پیدا ہوگئی ہے -

اس سے کوئی انکار نہین کر سکتا کہ دعا مذہبی زندگی کی جان ہے - اور اہل مذہب کے نزدیک مذہب کے عملی زندگی کا فیصلہ بہت کچھ اُسپر منحصر ہے اور دعا سے امر مسئول حاصل ہونا اور انبیاء کرام علیہم السلام کا خاص خاص مطلب کے لئے دعا مانگنا اور اُسکا

قبول ہونا کتب سماوی سے ایسا ثابت ہے کہ نہ اُس سے انکار ہو سکتا ہے اور نہ اُسکی
کوئی تاویل کی جا سکتی ہے۔ مگر باوجود اسکے وہ لوگ بھی جنہون نے اس مسئلہ کو صرف
مذہبی نظر سے دیکھا اور دعا کو سبب حصول مقصد قرار دیا ہے۔ ہزارون دعاؤن کے
قبول نہونیکے کافی اور اطمینان بخش وجوہ بیان کرنے سے عاجز رہے ہین۔ اور علمی
نگاہ سے دیکھنے والون نے تو دعا کو یا خیالی فلسفہ کی پیچیدگی مین ڈالکر غیر قابل الفہم
بنا دیا ہے۔ یا آپ کی طرح دعا کو صرف عبادت اور اجابت کو محض تسکین قلب
خیال کیا ہے۔ اور اس زمانہ مین قوانین فطرۃ کے غیر متبدل پذیر اصول کو ماننے والون نے
اس مسئلہ کی دقت اور پیچیدگی کو جیسا کچھ بڑھا دیا ہے وہ تو خدا کی قدرت اور
مشیت کے انکار اور دہریت کی حد تک پہنچگیا ہے۔ غرضکہ دعا اور اجابت دعا کا مسئلہ
نہ صرف اس وجہ سے دلچسپ ہے کہ وہ ایک معمولی مسئلہ منجملہ مذہبی مسائل کے ہو۔ یا علمی
مضامین مین سے ایک مضمون خیال اور غور کے قابل ہے۔ بلکہ اسلئے قابل بحث اور لائق
غور ہے کہ وہ اُن اُمور پر حاوی اور مشتمل ہے جو ایک مسلمان بلکہ تمام بنی نوع انسان
کے لئے جو خدا کو مانتے ہون بمنزلہ روح اور جان کے ہین۔ اگر دعا اُس متبرک اور مقدس
مقام سے ہٹا دیجائے جسپر وہ مذہبی زندگی کے آغاز سے قابض رہی ہے تو کون اسبات کا
اندازہ کر سکتا ہے کہ مذہبی خیال اور مذہبی عقائد کی حیثیت مین کیسا عظیم تغیر پیدا ہوگا
اور مذہب کا وسیع دائرہ کس قدر تنگ ہو جائیگا۔ ایک سادہ دل مسلمان جو قوانین فطرۃ سے
ناواقف ہے یہ سنکر کہ دعا سے کچھ حاصل نہین ہوتا اور اُسکا خدا نیچر کی زنجیر مین ایسا
جکڑا ہوا ہے کہ وہ اُس سے اپنے ہاتھ پاؤن باہر نہین نکال سکتا۔ نہایت حسرت اور
مایوسی سے پکار اُٹھے گا کہ خدا خدائی سے معزول ہو گیا۔ اور مذہبی زندگی کی جان باقی نرہی
ایسا خدا ہمارے کس کام کا جو نہ ہماری دعا سن سکتا۔ نہ بغیر معمولی وسائل کے ہماری
کوئی حاجت پوری کر سکتا ہے۔ اُس سے دعا کرنا تو ایسا ہے جیسا کہ ایک پتھر کے

بے جان بت کے سامنے گڑگڑانا اور اُس سے مانگنا۔ کیونکہ دعا کا مانگنا صرف اس یقین پر مبنی ہے کہ خدا قادر مطلق اور فاعل مختار اور نامعلوم طور پر بے قرار دل کی نکلی ہوئی دعا کا سننے والا اور اُسکی حاجت پوری کرنے والا ہے۔ اگر ایک لحظہ کے لئے اس یقین مین تذبذب ہو تو کونسا دل ہوگا جو بیقراری کی حالت مین اُسکی طرف رجوع کرے اور وہ کونسا خیال ہوگا جو اُسکے اضطرار کی آگ کو ٹھنڈا کرے۔ اسلئے کہ صرف یہ خیال کہ خدا دعائین سُننے اور حاجت پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اضطرار کی حالت مین بندہ کا خیال خدا کی طرف رجوع کراتا ہے۔ اور محض اس اعتقاد سے کہ باوجود قدرت کے خدا کا دعا قبول نکرنا کسی مصلحت پر مبنی ہوگا۔ اور وہ امر مسئول عنہ سے بہتر کوئی چیز دیگا دعا کرنے والے کے دل کو تسلی ہوتی ہے۔ اگر دعا کا عمل موقوف ہوگیا اور خدا سے دعاؤن کے سننے اور حاجتون کے پورا کرنے کا خدائی حق لیلیا گیا۔ تو مذہبی زندگی بھی ختم ہوگئی۔ اگر یہ مان لیا جاوے کہ دعا ذریعہ حصول مقصد نہین ہے اور یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ وہ اپنے بندون کی مصیبتون کے دور کرنے کی قدرت نہین رکھتا اور نہ کسیکی گریہ وزاری اور اضطرار و بیقراری کا اثر ہوتا ہے تو دعا بیکار اور خدا پر توکل فضول ہے۔ پھر یقین اور اعتقاد کو بھی اپنے قدم جمانیکے لئے کوئی جگہ نہین رہتی اور بندہ کو بجز اسکے کہ وہ غیر تغیر پذیر قوانین فطرۃ کو اپنا خدا مانے دوسرا کوئی چارہ نہین رہتا۔ ایسی حالت مین انسان کو بیجان قانون سے واسطہ رہتا ہے نہ ایک زندہ خدا سے۔ اور یہ خیال اُس محبت کے رشتہ کو جو خدا اور اُسکے بندون کے بیچ مین ہے توڑ دیتا ہے۔ اگر اُسمین مدد کرنے کی طاقت نہین ہے تو ہم کس لئے اُسپر بھروسہ کرین۔ اگر وہ ہماری دعائین نہین سُنتا تو ہم کیونکر اُسے رحیم مانین۔ اور اگر اُسمین رحم نہین تو ہم کیون اُس سے محبت رکھین۔ پس درحقیقت اس سے ہمارا یقین جاتا رہتا ہے۔ ہمکو خدا سے محبت باقی نہین رہتی۔ اور ہم ایسے مذہب کے ماننے والے رہجاتے ہین جسمین نہ یقین ہو نہ محبت۔

اسلئے اگر دعا کی اجابت ناممکن ہے تو مذہب بھی ناممکن ہے۔

لان من شرائط الایمان التوکل علی
الله والتوکل هو الاعتماد علی الغیر
عند الحاجة بان ینوب عنك فیها؟
واذا کان المتوکل علیه ثقة یکون
قلب المتوکل علیه ساکنا ونفسه
مطمئنة۔ واذا کان غیر ثقة یکون
قلب المتوکل غیر ساکن ونفسه غیر
مطمئنة۔ والتوکل علی الله والاخلاص
فی الدعاء لایکون الا عند انقطاع
الحیلة والتبری من الحول والقوة
والمثال فی ذلك من رکاب البحر
وذلك انهم یدعون الله ویسئلونه
السلامة عند دخولهم السفینة
ولکن غیر مخلصین لاتکالهم علی
الملاحین فی حفظها حتی اذا توسطوا
البحر وهاجت الامواج واضطربت
المراکب وفزع الملاحون واشرفوا
علی الهلاك فعند ذلك یدعون الله
مخلصین له الدین۔ لانهم قد علموا
انه لایقدر احد من خلق الله

کیونکہ ایمان کے شرائط مین سے خدا پر توکل ہے
اور توکل کے معنے ہین ضرورت کے وقت
دوسرے پر اعتماد کرنا کہ وہ ہمارا قایم مقام ہوگا
پس اگر توکل کرنے والے کو اُسپر پورا بھروسہ
ہوگا تو اُسکا قلب ساکن اور اُسکا نفس مطمئن
ہوگا۔ اور اگر بھروسہ نہوگا تو اُسکا قلب غیر ساکن
اور نفس غیر مطمئن ہوگا۔ اور خدا پر توکل اور
دعا مین اخلاص صرف اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ
ظاہری تدبیرین منقطع ہوجاوین اور اپنی
طاقت اور قدرت سے مایوسی ہوجاوے
اسکی مثال کشتی کے مسافرونکی ہے۔ کیونکہ وہ
جب کشتی مین سوار ہوتے ہین تو وہ صحیح سلامت
پہنچنے کی دعا کرتے ہین لیکن انکی اس دعا مین
اخلاص نہین ہوتا کیونکہ انکو کشتی کے ملاحون پر
بھروسہ ہوتا ہے۔ مگر جب وہ سمندر کے بیچ مین
پہنچتے ہین اور موجین اُٹھتی ہین اور کشتی
ڈاوان ڈول ہوتی ہے اور ملاح گھبرا اُٹھتے
ہین اور ہلاکت کے قریب آجاتی ہے تو اُس
وقت خلوص کے ساتھ وہ خدا سے دعا کرتے
ہین کیونکہ انکو معلوم ہوجاتا ہے کہ اسوقت

على معلومهم ولا قوة لاحد على دفع ما ورد عليهم الا الله عز وجل ولا تعلق قلوبهم بسبب من الاسباب فيعلمون عند ذلك فى دعائهم وتضرعهم الى الله - بالكشف عنهم ما فيه - ان لهم الها جبارا عالما قادرا يسمع دعاءهم ويعلم ما هم فيه وهو قادر على نجاتهم يراهم وان كانوا لا يرونه ولا يدرون اين هو وعلى هذا القياس كل ما يصيب الناس من الجهد والبلاء فيضطرهم ذلك الى الدعاء والتضرع الى الله عز وجل مثل الغلاء والوباء والام الاطفال ومصائب الاخيار وما شاكلها من الامور التى لا سبيل لاحد لدفعها عنه الا الله تعالى - فيكون ذلك دلالة لهم على الله عز وجل وهداية اليه - كما قال "امن يجيب المضطر اذا دعاه ويكشف السوء ويجعلكم خلفاء الارض ءاله مع الله قليلا ما تذكرون ٥

کوئی مخلوق انکی مدد نہین کرسکتا اور سوائے خداوند تعالی کے کوئی شخص انکی مصیبت کے دور کرنے پر قادر نہین ہی اور انکے دل اسباب مین سے کسی سبب کے ساتھہ متعلق نہین ہوتے پس اس دعا اور تضرع سے انکو معلوم ہوتا ہی کہ انکے لئے ایک خدا ہی جو جبار ہی عالم ہی قادر ہی اور جو انکی دعا کو سنتا اور انکے مصائب کو جانتا ہی اور انکو نجات دینے پر قدرت رکھتا ہی وہ انکو دیکھتا ہی اگرچہ وہ اسکو نہین دیکھتے وعلی ہذا القیاس انسانون پر جو مصیبتین پڑتی ہین وہ انکو خدا سے دعا کرنے اور اسکے سامنے گڑگڑانے پر مجبور کرتی ہین مثلاً قحط اور وبا مین بچون کی بیماریان اور نیکون کے مصائب اور مثل انکے دیگر امور جنکو سوائے خدا کے کوئی دفع نہین کرسکتا یہ امر ان کے لئے خدا کی طرف رہنمائی کا باعث ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے:-

بھلا کون بیقرار کی دعا قبول کرتا ہی جب وہ اُس سے دعا کرتا ہی اور کون برائی کو دفع کرتا ہی اور کون ہی کہ تمکو اگلون کا خلیفہ زمین پر بناتا ہی کیا الله کے ساتھہ اور کوئی معبود ہے

اسلئے کہ ایمان کی شرائط مین سے ہی اللہ پر توکل کرنا اور اُسپر بھروسہ کرنا۔ اور توکل کے معنے ہین حاجت کے وقت کسی غیر پر اعتماد کرنا کہ وہ ہماری طرف سے قایم مقام ہو اور ہمارا کام کر دے۔ اور اعتماد اُسی پر ہوتا ہے جو اعتماد کے قابل ہو یعنے کام کرنے کی قدرت رکھنے والا سمجھا جاتا ہو۔ اور قدرت بھی ایسی جو اُس کام کے پورا کرنیکے لئے بکار آمد ہو اُسکا کوئی مانع اور مزاحم نہو۔ اور متوکل یعنے بھروسہ کرنے والا بغیر کسی واسطہ کے سیدھا اُس تک پہنچ سکتا ہو تاکہ بھروسہ کرنے والا اور وکیل سمجھنے والا اس شخص کو اپنے کام سپرد کرکے فارغ البال ہو جائے۔ اور ایسے وکیل کے ملنے سے اسکے دل کو ایسا اطمینان اور اسکے نفس کو ایسی تسلی حاصل ہو جس سے عین مصیبت کے وقت اسکا غم جاتا رہے اور اسکے دل مین امید اور خوشی پیدا ہو۔ بلکہ اُس مصیبت کے قایم رہنے پر بھی اس خیال سے کہ اُسکا وکیل حکیم اور دانا ہے اور اپنے موکل کے مصالح کو اس سے بہتر سمجھتا ہے خوش اور بشاش رہے۔ جب ایسا توکل کسی دعا کرنے والے کو خدا پر ہوگا تب اسکی دعا سچی اور خالصًا للہ ہوگی۔ اور ایسی دعا اُسی وقت دل سے نکل سکتی ہے جبکہ سارے حیلے جاتے رہین اور تمام دیگر قوتون سے مایوس ہو اور کوئی سبب اسباب ظاہری مین سے نظر نہ آتا ہو۔ چنانچہ یہ حالت رات دن دیکھنے مین آتی ہے اور جسکی مثال خود خداوند تعالیٰ نے اپنے پاک کلام مین اچھی طرح بیان فرمائی ہے۔ اور وہ مثال دریا مین سوار ہونے والون کی ہے کہ وہ کشتی مین سوار ہونے کے وقت خدا سے دعا کرتے ہین اور اُس سے سلامتی چاہتے ہین۔ لیکن اُنکو خلوص نہین ہوتا اسلئے کہ اُنکا بھروسہ اُسوقت ملاحون اور کشتی اور بادبانون پر ہوتا ہے۔ مگر جبکہ کشتی منجدھار مین جا پڑتی ہے اور دریا اپنی ہولناک موجون سے اُسے گھیر لیتا ہے اور طوفان کے طپانچے اُسپر پڑنے لگتے ہین اور خوفناک ہوائین کشتی کو ڈانوان ڈول کرنے اور رسیون اور بادبانون کو

توڑنے لگتی ہین اور ناخدا اور ملاح بے بس ہو کر اپنی مجبوری ظاہر کرنے لگتے ہین اور کشتی کے ڈوبنے اور مرنے کا وقت قریب آجاتا ہے اور کوئی کشتی کا پار لگانیوالا اور اُنکا بچانے والا نظر نہین آتا اُسوقت تمام وسائل اور اسباب کا خیال دل سے نکل جاتا ہے اور سچے دل سے اضطرار اور بیقراری کی حالت مین اُسکی طرف نظر جاتی ہے جو نہ کسی سبب کا پابند ہے نہ کسی ذریعہ کا محتاج۔ اور جس کے قبضۂ قدرت مین دریا اور اُسکی موجین ہین اور جسکے کہنے مین سمندر اور اُسکا تلاطم ہے وہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ اُسوقت وہ سمجھتے ہین کہ خدا کی مخلوقات مین سے کوئی اسوقت اُنکو بچا نہین سکتا اور نہ بجز اُسکے جو اسباب کا پیدا کرنے والا ہے اُس مصیبت کو جو اُنپر پڑی ہے دور کرسکتا ہے۔ اُسوقت بے اختیار ہر ایک دل سے یہ دعا نکلتی ہے[1] اور ہر کافر و مسلمان مضطر ہو کر یہ کہنے لگتا ہے۔

اے خدا آن کن کہ از تو می سزد	کہ ز ہر سوراخ مارم میگزد
وقت تنگ آمد مرا و یک نفس	پادشاہے کن مرا فریاد رس
در جگر افتادہ ہستم صد شرر	در مناجاتم ببین خون جگر

اور یہ حالت اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ اس بات کا اعتقاد ہو کہ ان لھم

الٰہنا جبّارًا عالمًا قادرًا یسمع دعاءہم ویعلم ما ہم فیہ وہو قادر علیٰ نجاتہم[2] یراہم فان کانوا لا یرونہ ولا یدرون این ہو۔

کہ وہ ایک خدا رکھتے ہین جو کہ سب پر حاکم اور سب پر مسلط ہے اور جو ہر چیز کا جاننے والا اور ہر بلا کا ٹالنے والا ہے وہ اُنکی دعاؤنکو سنتا ہے اور جس مصیبت مین وہ گرفتار ہین اُسے جانتا اور اُس سے بچانیکی قوت رکھتا ہے اور اُنکو دیکھ رہا ہے گو وہ اُسے نہ دیکھتے ہون اور نہ یہ جانتے ہون کہ وہ کہان ہے۔

[1] مگر با وصف اس اضطرار اور دعا کے جو کشتی ڈوبنے والی ہوتی ہے وہ ڈوب ہی جاتی ہے۔ [2] اگر عشق و محبت بر آنست کہ جمالش مستحق عشق و محبت است عبادت است و اگر بخواہش نفسانی است نہ عشق است نہ محبت بلکہ ضلالت است و ندامت
(سید احمد)

اور یہ یقین فطرۃً ہر انسان کے دل مین ہے۔ گو مسلم ہو یا کافر یہانتک کہ وہ ملحد اور دہریہ بہی جو اطمینان اور چین کی حالت مین خدا کے انکار پر دلیلین لایا کرتے ہین مصیبت کے وقت بے قرار ہو کر بے اختیار خدا کو پکارنے لگتے ہین۔ اگر یہ اعتقاد نہو اور خدا کی قدرت اور اختیار کا درحقیقت اُنکو یقین نہو بلکہ بجاے اسکے وہ یہ سمجہتے ہون کہ وہ جسے خدا کہتے ہین ایک قوت ہے۔ ماوراء فطرۃ اور ما فوق ادراک۔ جو دنیا کو پیدا کرکے اور اُسکے انتظام کے لئے قانون بناکر خود پس پردہ نہان ہو گئی۔ اور ایسے بلند مقام پر جا بیٹھی ہے جہان کسی کی رسائی نہین ہوسکتی اور اُسکے قانون نے بندہ کو اُس سے اور اُسکو بندہ سے جدا اور بے تعلق اور مستغنی کر دیا ہے۔ اور نظام کائنات ایک ایسے سلسلے سے سلسل اور ایسی زنجیر مین جکڑا ہوا ہے کہ ہر ایک کڑی اُسکی دوسری کڑی کے سہارے پر ہے اور دوسری کو سہارا دے رہی ہے اور وہ کسی طور پر کسی جگہ سے کسی کے توڑنے سے ٹوٹ نہین سکتی اور کوئی چیز خارج از سلسلہ ظاہر نہین ہوسکتی۔ یعنے بقول آپ کے حصول مطلب کے لئے جو اسباب خدا نے مقرر کئے ہین وہ مطلب تو اُنہین اسباب کے جمع ہونے سے ہوتا ہے دعا نہ اُس مطلب کے اسباب مین سے اور نہ اُس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے۔ تو میری سمجھ مین نہین آتا کہ ایسی صورت مین اور اضطرار کی اُس حالت مین جسکی تصویر خدا نے کھینچی ہے کیونکر کوئی انسان خدا کی طرف رجوع کریگا اور ایک دست بستہ اور پا شکستہ خدا سے کون اپنی نجات کی امید رکھیگا اور ایسے بے اختیار اور معذور خدا سے کیون دعا مانگیگا اور اُسکی عظمت اور اُسکی بے انتہا قدرت کا وہ کونسا خیال اُسکے دل مین آویگا جسسے اُس رنج و مصیبت مین وہ اپنے تمام فطرتی قوی کو اُسکی طرف متوجہ اور اپنے دل کو تسکین دیگا۔ کیا وہ فقیر جو آپکو امیر اور کریم النفس سمجھتا ہو۔ آپ کی بہت بڑی عظمت بہی اُسکے دل مین ہو۔ آپ کو وہ بڑا صاحب قدرت بہی سمجھتا ہو۔ آپ کی حیرت انگیز اور

عالیشان کوٹھی اور کالج کو دیکھکر وہ آپ کو بہت بڑا امیر بھی جانتا ہو۔ مگر اُسے یہ معلوم ہو کہ آپ نے فقیرون کے لئے اپنا دروازہ بند کردیا ہے اور بھیک مانگنے والون کو کالج مین اینٹین اُٹھانے اور پتھر ڈھونے پر روٹی پیدا کرنے کا راستہ بتا دیا ہے۔ بھوک کی حالت مین گو اُسکی جان ہی جاتی ہو کیا آپ کے دروازہ پر شیئاً للہ پکارتا ہوا آویگا۔ اور کیا آپ کی عظمت۔ قدرت۔ امارت۔ اور بزرگی کا خیال اُسکے دل کو آپ کی طرف رجوع کریگا اور بھوک سے بیقرار ہو کر وہ آپ سے بھیک کا ٹکڑا مانگیگا۔ ہرگز نہین ہرگز نہین بس یہی حال اُس انسان کا سمجھنا چاہیے جو خدا کو صرف ایک علۃ العلل سمجھتا اور معینہ اسباب اور مقررہ وسائل مین دخل نہ دینے والا جانتا ہو کیونکر کسی مصیبت مین اسباب وحیل کو چھوڑ کر اُسکی طرف متوجہ ہوگا اور کس طور سے وہ اُسے قاضی الحاجات اور سمیع الدعوات سمجھکر اُس سے دعا مانگیگا۔ پس درحقیقت دعا کو اسباب حصول مقصد مین سے نہ سمجھنا اور اُس سلسلہ مظاہر کو جو کائنات مین ہم ناقص العقل انسانون کی نظر مین آتا ہے خدا کا وہ اصلی قانون قدرت سمجھ لینا جو ٹوٹ نہین سکتا ایک ایسا عقیدہ ہے جسکی تعلیم نہ خدا نے کی ہے نہ رسول نے۔ نہ کسی مذہب کا ماننے والا اُسے قبول کرسکتا ہے نہ درحقیقت عملاً وہ اب تک قبول کیا گیا ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ ایک خیال ہے جو قولاً کیسا ہی مذہبی کہا جائے اور گو کیسے ہی عمدہ طور سے مذہبی الفاظ مین بیان کیا جائے مگر عملاً دہریت ہے۔ اور خدا سے بے تعلق اور مستغنی کرنے والا ہے۔ اگر اُس سلسلہ عالم کو جو ہم دیکھتے ہین ہم وہ قانون قدرت خیال کرین جسکی نسبت کہا گیا ہے لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ اور مظاہر عالم کے واقعات کو جو ایک دوسرے کے بعد ہوتے ہین اُس زنجیر کی کڑیان سمجھین جو خدا نے بنائی ہے اور اپنی تھیوری اور خیال کو اُسکے راز سربستہ کا کھولنے والا جانین۔ اور درحقیقت اُنکے غیر متغیر ہونے پر ہمکو دل سے اعتقاد ہو۔ تو کیا فائدہ ہے روح کی اس کوشش سے کہ وہ خدا سے توسل پیدا کرے

اورکیا سبب ہو کہ دعا کا خیال ایک دھوکہ نہ سمجھا جاوے۔ اگر نظام فطرت ایک ایسی سڑک پر چلتا ہے جس سے بچنے مین ہماری قوت ارادی ضعیف اور عاجز ہے اور نہ صرف ہماری قوت ارادی بلکہ وہ قوت بھی جو ماورا فطرۃ کہی جاتی ہے اُس سے بچانے مین مجبور ہے تو کیا فائدہ ہوگا کہ اُس سے بچنے کے لئے ہم کوئی کوشش یا کسی سے کچھ درخواست کرین یا سواے ظاہری اسباب کے ہم کیون کسی دوسرے مسبب الاسباب کی طرف متوجہ ہون۔ پھر یہ نظام فطرت جو بیدردی اور بے پروائی سے ہمکو ایک ایسی رفتار پر چلاتا ہے جو کبھی بند نہین ہو سکتی۔ اور جسمین ہمارا اور اُس نظام کے بنانے والیکا کچھ دخل نہین ہے خدا کی محبت کے خیال سے بھی دل کو فارغ کر دیتا ہے اور خدا کے ساتھ محبت کا دعوے جو اصل ایمان ہے صرف مغالطہ اور دھوکہ رہجاتا ہے اسلئے کہ یہ دعوے اُس نظام فطرت کے ساتھ جو دعا کو اپنے قلمرو سے خارج کرتا ہے جمع نہین ہوسکتا اور وہ مذہب جسمین خدا عملاً رحمت کی صفت سے پاک ہو اور جسمین کوئی ذریعہ خدا سے محبت پیدا ہونے کا نہو اور مشکل ہی مذہب اور دہریت سے جدا سمجھا جائیگا۔ غالبًا یہ کہا جائے کہ یہ طفلانہ خیال ہے اور ایسے رحم و محبت کو خدا سے منسوب کرنا گویا اُسے انسان کے مشابہ سمجھنا ہے۔ لیکن ہم کہین گے کہ بلاشبہ ہم خدا کے سامنے نادان بچہ بلکہ اُس سے بھی زیادہ احمق ہین۔ اور بلاشبہ وہ صفات جو اُسکی طرف ہم منسوب کرتے ہین انسانی صفات ہین۔ اور اس سے گو تم ہماری ہنسی اُڑاؤ مگر درحقیقت یہ اُس تعلیم کی ہنسی ہوگی جو خدا نے ہمکو دی ہے۔ اور اُن خیالات کا ٹھٹھا اُڑانا ہوگا جو اُسنے بذریعہ انبیاء کے ہمارے دل مین ڈالے ہین۔ کیونکہ اُسنے خود اسی طرح اپنے آپکو ہمین بتایا ہے۔ اور اُسنے اپنے صفات کے خط و خال اسی طرح کھینچے ہین۔ اور رحم اور فریادرسی اور اجابت دعا کو اُنہین لفظون سے تعبیر کیا ہے جو انسان باہم

استعمال کرتے ہین۔ اگر اُن صفات سے اُسے یاد کرنا جو اُسنے اپنی ذات کے متعلق
خود انسانی الفاظ مین ذکر کئے ہین اور وہ خیالات جو اُسنے ہمارے دل مین ڈالے۔
اور وہ ولولے جو اُسنے ہماری طبیعت مین پیدا کئے اور وہ بیان شوق اور محبت
دلانے کا جو اُسنے ہمسے کیا۔ انکا خیال اور اُنکی نسبت خدا کی طرف تشبہ بالانسان
اور اُس مقدس ذات کی نسبت گستاخی ہے۔ تو ہم نہین جانتے کہ پھر ہم کن لفظون سے
اُسے یاد کرین اور کن نامون سے اُسے پکارین اور کن صفتون سے اُسے موصوف
سمجھین۔ اگر ہم ان سب الفاظ سے اُسکی ذات و صفات کو منزہ اور مقدس کرلین
تو سوا اسکے کہ ایک بے جان اور بے حس قوت کا خیال باقی رہے کوئی خیال خدا کی
ذات و صفات کی نسبت باقی نہین رہ سکتا۔ پھر باوجود اسکے کہ ہم جانتے اور اسے
دل سے مانتے ہین کہ اُسکی صفات کو ہماری صفات سے کچھ مناسبت نہین ہے
اور نہ بجز نام کے دونون مین کچھ مشابہت ہے مگر اسمین بھی شک نہین ہے کہ
اُن الفاظ کے وہی معانی ہین جو اُن لفظون سے نکلتے ہین۔ مثلاً ہم اُسے بصیر یعنے
دیکھنے والا کہتے ہین تو گو ہم یہ خوب سمجھتے ہین کہ وہ ہماری سی آنکھ نہین رکھتا اور اسکا
دیکھنا ہمارا سا دیکھنا نہین ہے۔ مگر پھر بھی ہم اُسکا یہی مطلب سمجھتے ہین کہ وہ ہمکو
اور ہمارے افعال کو دیکھتا ہے اور یہی حال باقی صفات کا ہے۔ مثلاً جب اُسے ہم
رحیم سمجھتے ہین تو گو ہم اُسے بخوبی جانتے ہین کہ وہ کیفیت رحم کی جو انسان مین
پیدا ہوتی ہے اور جسطرح کسی مصیبت زدہ کی فریاد اور دردناک حالت کا اثر
انسان پر ہوتا ہے اُس کیفیت اور اُس حالت سے اُسکی ذات مقدس اور منزہ ہے۔
مگر اسمین بھی شک نہین کہ ہم اُسے رحیم مانتے ہین اور اُسکی رحمت اُسی قسم کی سمجھتے
ہین جیسے کہ انسان کی رحمت۔ اسلئے کہ ہمارے پاس دوسرا کوئی ایسا ذریعہ نہین ہے
جس سے ہم ان صفات کو بھی مانین اور تشبہ بالانسان کے لوث سے بھی اُسی پاک رکھین۔

نہ ہمارے پاس دوسرے ایسے الفاظ ہین جو ہم خدا کی صفات مین استعمال کرین جس سے انسانی صفات اور صفات الٰہی مین جو فرق ہے وہ ظاہر ہو جاسئے۔

"لأن واضع اللغة انما وضع ھذہ الاسامی اولا للخلق فان الخلق اسبق الی العقول والافهام من الخالق فكان استعمالها فی حق الخالق بطریق الاستعارة والتجوز والنقل"

کیونکہ لغت نے ان اسمار کو اولاً مخلوق کیلئے وضع کیا ہے کیونکہ مخلوق بہ نسبت خالق کے زیادہ تر قریب الفہم اور قریب التعقل ہی تو اسلئے ان اسمار کا استعمال خالق جلشانہ کی نسبت بہ طریق استعارہ اور تجوز اور نقل کے ہوگا۔

غرضکہ انسانی فطرۃ کا یہ ایک علم مظہر ہے کہ وہ خدا کو رحم و کرم کی صفت سے موصوف سمجھے اور دعا کو مؤثر مانے۔ ورنہ جو تصور خدا نے اپنا ہمارے دل مین قایم کیا ہے غلط۔ اور وہ جذبات اور خیالات جو ہمارے دل مین پیدا کئے ہین سب جھوٹے سمجھے جاینگے۔ کیونکہ خدا کی رحمت کا تصور دعا کے نہ سننے اور ہمین ایک بے درد اور بے رحم نیچر کے ساتھ مین چھوڑ دینے کے ساتھ جمع نہین ہو سکتا۔ اگر یہ تصور جھوٹی ہی اور خدا کے رحم اور اجابت دعا کا خیال غلط ہے اور غلطی بھی ایسی جسمین قریبًا تمام انسان پڑے ہوئے ہین تو ہمکو سمجھنا چاہئے کہ انسانی فطرۃ ہی جھوٹی ہے "وذلک عین الجہل"۔ اب مین اپنی اس تحریر کو ختم کرتا ہون۔ یہ صرف تمہید اس مضمون کی ہے جو متعلق دعا اور استجابت کے مین لکھ رہا ہون۔ مجھے امید ہے کہ اسے دیکھکر ابھی آپ اسکی ہنسی نہ اڑائینگے اور اپنے قلم کے (جو تلوار سے کم نہین ہے) جوہر دکھانے مین تامل کرینگے اصل مطلب تو ابھی شروع بھی نہین ہوا ہے جب مین اپنا سارا مضمون ختم اور اُسکے تمام مالہ وما علیہ سے بحث کر لون۔ تب آپ کو جو فرمانا ہو فرمایئے۔ مین یہ مضمون اسلئے نہین لکھتا کہ آپ سے مخالفت ظاہر کرون اور نہ میری تحریر مجادلانہ ہے بلکہ میرا مقصود صرف یہ ہے کہ آپ کو میرے شبہات دور کرنے کا موقع ملے اور جو کچھ آپکے

بیان مین رہگئی ہے وہ پوری ہو جائے۔ مین نے اس عرصہ مین اس خاص مسئلہ پر بہت غور کیا ہے اور اکثر اہل مذہب اور اہل علم اور حکما جدید اور قدیم کے خیالات سے اپنی سمجھ کے موافق واقفیت پیدا کی ہے اور آپ کی تحریر مین بھی بہت سی محققانہ اور عارفانہ باتین مین نے پائی ہین اور بہت سے عالی اور پاک خیالات دعا کی نسبت جو آپ نے ظاہر کئے ہین اُنہین سمجھتا ہون۔ ان سب کو مین اپنے اس مضمون کے سلسلہ مین بیان کرونگا اور وہ مخالفت جو دعا اور قانون قدرت مین سمجھی جاتی ہے اور دیگر اعتراضات جو اہل مذہب اور اہل علم نے دعا کی نسبت کئے اور جو جوابات اُسکے دیئے ہین اُن سبکو بقدر اپنی ناقص سمجھ کے بیان کرونگا۔ تاکہ آپ اُنکو ملاحظہ فرما کر میری غلطیون کی اصلاح اور میرے شبہات کو رفع کرسکین اور اس نازک زمانہ مین جبکہ مذہب پر علم کے حملے اور مذہبی عقائد مین شکوک وشبہات پیدا ہورہے ہین۔ یہ بڑا اور ضروری اور اہم اور عمدہ مسئلہ جسپر بہت سے ضروری عقائد کا تصفیہ منحصر ہے صاف ہو جاوے۔ اور ہمارے بھائی مسلمانون کو عموماً اور تعلیمیافتون کو خصوصاً اُس سے فائدہ پہونچے۔ وعلی اللہ قصد السبیل وھو حسبی ونعم الوکیل† فقط

(محسن الملک)

پانچوان خط متعلق دعا والاستجابت

بمبئی۔ ۴ر اگست ۱۸۹۵ء

جناب عالی۔ دعا کے متعلق جو عریضہ مین نے آپ کی خدمت مین روانہ کیا ہے وہ صرف ایک تمہیدی مضمون ہے جسمین مین نے اپنے خیالات بالاجمال اس مسئلہ کے متعلق ظاہر

† ہمارے مولانا مہدی شاہ عبدالعزیز وقت نے نہایت ہی عمدہ اور فصیح تقریر لکھی ہے جسکی فصاحت کی کچھہ تعریف نہین ہو سکتی۔ مگر اب تک تو یہ باتین خطابیات کی قسم سے ہین جب وہ حقیقت کی تحقیق کرینگے اور اَن ہونی کو ہونی اور ہونی کو اَن ہونی ثابت کرینگے جب ہم بھی نہایت ادب سے اُنکو سلام عرض کرینگے۔ (سید احمد)

کئے ہین۔ مگر جیسا کہ مین آپکی خدمت مین عرض کر چکا ہون۔ اس ضروری اور مشکل مسئلہ کے ہر پہلو کو دیکھنا اور اُسکے ہر ماله و ما علیہ سے بحث کرنا ضرور ہے۔ اور جو اعتراضات مذہبی یا علمی طور پر کئے گئے ہین اُنپر بھی نہایت سچائی اور ایمانداری سے نظر کرنی لازم ہے۔ چنانچہ مین اب اُسے شروع کرتا ہون۔

سب سے اول ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ خدا اور اُسکے رسولؐ نے دعا کی نسبت کیا فرمایا ہی اور اُنکے پاک کلام سے اُسکی کیا حقیقت معلوم ہوتی ہے اور اجابت دعا کے کیا معنے نکلتے ہین۔ اور چونکہ تفسیر پر بحث کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا مقدم ہے کہ قرآن کی سچائی ایک تسلیم شدہ امر ہے اسلئے آپ کے بیان کئے ہوئے معانی کی صحت وغلطی کا معیار خود قرآن مجید سمجھا جائے۔ چنانچہ آپنے بھی تفسیر پر بحث کرتے وقت اسی امر کی خواہش کی ہے۔ اور بلاشبہ یہی ٹھیک اور درست ہے۔ چنانچہ مین اس خط مین صرف اسی بات کو دیکھنا چاہتا ہون کہ قرآن مجید سے دعا اور اجابت دعا کے معنے کیا معلوم ہوتے ہین۔ اور آیات قرآنی سے امر مسئول عنہ کا دعا مین داخل ہونا اور دعا کا ایک سبب اسباب حصول مقصد سے ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہین۔ مین سمجھتا ہون کہ بلاشبہ وہ ثابت ہوتا ہے مگر آپ فرماتے ہین کہ نہین قرآن مجید سے ایسا ثابت نہین ہوتا۔ جیسا کہ آپ اپنے رسالہ دعا و استجابت مین فرماتے ہین کہ "دعا کے معنے پکارنے کے ہین اور یہ لفظ دعا کا ندا کا مرادف ہے۔ اور دعا اور ندا مین بلحاظ اُسکے حقیقی معنے کے امر مسئول عنہ داخل نہین ہوتا بلکہ وہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور جب خدا سے کچھ مانگا جائے اور سوال کیا جائے تو اُس حالت مین بھی خدا کی طرف متوجہ ہونا لازم آتا ہے۔ اسلئے دعا کا لفظ مسئول عنہ پر بھی بولا جاتا ہے اور لفظ دعا کے معنے الابتہال الی اللہ بالسوال کے ہوجاتے ہین۔ یعنے عاجزی کے ساتھ خدا سے کچھ مانگنے کے" اور اسی خیال سے آپ نے فرمایا کہ" دعا کو بمعنے اول لو یا بمعنے ثانی وہ

عبادت کہی گئی ہے۔ مین تسلیم کرتا ہون کہ دعا اور ندا کے معنے لغوی پکارنیکے ہین۔ اور یہ بھی تسلیم کرتا ہون کہ دعا کو عبادت کہا گیا ہے۔ مگر یہ مین نہین تسلیم کرتا کہ دعا اور عبادت مرادف ہین۔ بلکہ دعا اور عبادت مین نسبت عموم وخصوص مطلق کی ہے۔ ہر دعا عبادت ہے۔ مگر ہر عبادت دعا نہین۔ اور یہ بھی مین قبول نہین کرتا کہ دعا مین کوئی امر مطلوب نہین ہوتا بلکہ ہر دعا مین صراحۃً یا اشارۃً۔ ظاہرًا یا باطنًا۔ تصریحًا یا ضمنًا کوئی مقصود ضرور داخل ہوتا ہے خواہ دینی ہو یا دنیوی جسمانی ہو یا روحانی۔ معاش سے متعلق ہو یا معاد سے اسی واسطے جسے عرفًا دعا کہتے ہین اور مذہب مین جو چیز دعا سے تعبیر کیجاتی ہی اُسمین امر مسئول عنہ کا داخل ہونا ضرور ہے۔ اور قرآن مجید کی آیتون سے اسکا ایسا ثبوت ہوتا ہے جس سے انکار نہین ہوسکتا۔ ملا صدر الدین شیرازی نے صحیفہ کاملہ مین اسکو بہت اچھی طرح بیان کیا ہے وہ لکھتے ہین کہ"

الدعا عرفا الرغبۃ الی اللہ تعالی وطلب الرحمۃ منہ علی وجہ الاستکانۃ والخضوع وقد یطلق علی تحمید وتقدیس لما فیہ من التعرض للطلب یسئل عطاء عن معنی قول النبی خیر الدعاء دعائی ودعاء الانبیاء من قبلی وھو لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیٔ قدیر ولیس ھذا دعاء انما ھو التقدیس

عرفًا دعا کے معنے ہین خدا کی طرف متوجہ ہونا اور عجز ونیاز کے ساتھ اُس سے رحمت کا طلب کرنا۔ کبھی دعا کا اطلاق خدا کی حمد اور قدوسیت بیان کرنے پر بھی ہوتا ہے اسلئے کہ اسطرح حمد وثنا کرنے مین بھی درخواست کرنے کا اشارہ ہوا کرتا ہے۔ ایک شخص نے عطا (مفسر کی ہین) سے رسول خدا کے اس قول کے معنے دریافت کئے کہ بہتر دعا وہ ہی جسکو مین کیا کرتا ہون اور مجھ سے پہلے انبیا کیا کرتے تھے اور وہ یہ ہے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی

لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیٔ قدیر

والتمجید فقال له هذا امیة بن الصلت یقول فی ابن جذعان۔ شعر

اذا اثنی علیك المرء یوما
کفاه من تعرضه الثناء۔

افیعلم ابن جذعان ما یراد منه بالثناء علیه ولا یعلم رب العلمین ما یراد بالثناء علیه۔

اور سائل نے کہا کہ یہ دعا نہیں ہے بلکہ خدا کی بزرگی اور قدوسیت ظاہر کرنا ہے تب عطا نے اسکے جواب مین کہا کہ دیکھو امیہ بن الصلت عبد اللہ بن جذعان کی تعریف مین کہتا ہے اذا اثنی علیک المرء الخ یعنی جب کوئی شخص کسی روز تیری تعریف کرے تو صرف تعریف ہی کر دینا عرض حاجت کیلئے اسی کافی ہے جب ابن جذعان کو وہ غرض معلوم ہو جاے جسکے لئے اسکی تعریف کی گئی ہے تو کیا رب العالمین کو وہ غرض معلوم نہو گی جو اسکی تعریف سے مقصود ہو گی۔

غرضکہ دعا کو ندا کا مرادف سمجھو یا عبادت کا مگر دعا کا اطلاق اسی پر ہوگا جسمین خدا پکارا جاوے۔ اور اسکے پکارے جانے مین کوئی مقصود بالضرور مضمر ہوگا اگرچہ روحانی برکتین اور نزول رحمت اور مغفرت عن الذنوب ہی ہو آیہ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اور اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کے کچھ ہی معنے لو مگر اس سے یہ بات ثابت ہے کہ پکارنا اور سننا۔ مانگنا اور دیا جانا۔ درخواست کرنا اور اسکا قبول ہونا۔ دعا اور اجابت کی اصلی حیثیت ہے۔ اور یہ دو نسبتی الفاظ ہین جنمین اول لفظ سے یہ مقصد ہے کہ دوسرا حاصل ہو۔ مانگنے کے لئے دیا جانا ضرور ہے۔ گو یہ ضرور نہین ہے کہ امر مسئول عنہ جسمانی اور دنیاوی ہی ہو بلکہ صرف مقاصد روحانی اور اغراض دینی ہی کیون نہون۔ اگر ہم امور دنیاوی کو دعا سے خارج بھی کر دین اور اس باب مین آپ کے ہمخیال ہی ہو جائین تاہم مقاصد دینی کیونکر دعا سے خارج ہو سکتے ہین اور انپر امر مسئول عنہ کا اطلاق کیونکر نہین ہو سکتا۔ اگر دعا مین کسی خاص مطلب کا اظہار نکیا جائے اور صرف بطور تمجید اور تقدیس خدا کی ثنا و صفت ہی پر کفایت کیجاوے

جیسے عارفوں اور صدیقوں کی دعائیں ہوا کرتی ہیں۔ تاہم امر مسئول عنہ کا اُسمین دخل ہونا ضروری ہے۔

اگر امر مسئول عنہ بالکل دعا سے خارج کر دیا جاوے اور اجابت کے معنے صرف تسکین قلب قرار دیئے جاویں تو دعا اور اجابت مین جو مناسبت ہونی چاہیئے وہ باقی نہین رہتی۔ اجابت کو سوال سے مناسبت ہونی چاہیئے اور حکم کا درخواست کے مناسب ہونا لازم ہے۔ اور اطمینان قلب بھی اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ جواب مطابق سوال کے اور اجابت مناسب دعا کے ہو۔ ہم کسی امیر کو ایک عرضی دیتے ہین اور ہم کسی بخشش کی اُس سے خواہش کرتے ہین اور کسی مصیبت کا دور ہونا چاہتے ہین۔ اگر ہمکو بخشش ملگئی اور وہ مشکل جسمین ہم پھنسے ہوئے تھے اُس سے ہمنے نجات پائی۔ تو ہم اُسے اپنے سوال کے مطابق سمجھین گے۔ اُس سے ہمارے دل مین ایک خوشی پیدا ہوگی۔ ہم دینے والے کے شکر گزار ہونگے۔ ہمکو اُس سے ایک دلی محبت پیدا ہوگی۔ ہم اُسکے شکرانہ کے گیت گاتے پھرینگے۔ اور دعا قبول نہونے کی حالت مین بھی اسی خیال سے ہمکو تسکین ہوگی کہ جس سے ہمنے دعا مانگی ہے وہ بلاشبہ دینے والا ہے۔ مگر ہمسے زیادہ وہ ہمارے مصالح کو سمجھتا ہے اگر اُسنے دینے مین دیر کی تو وہ بھی کسی ہمارے فائدہ کی وجہ سے ہوگی اور اُس سے بہتر وہ ہمکو دیگا اور اُسکو بھی مجازاً ہم اپنی دعا کی اجابت سمجھین گے۔ لیکن اگر یہ سمجھا جاوے کہ دعا کسی خاص مطلب کے لیئے مانگنا فضول ہے تو ہم کسی طرح سے کسی چیز کو نہ مانگینگے نہ کسی مقصد کی خواہش کرینگے۔ نہ کوئی عرضی گذرانینگے۔ نہ کسی قسم کی امید رکھین گے۔ اور ہر صورت مین ہماری نظر صرف اسباب پر ہوگی نہ مسبب الاسباب پر۔

اور ایسی حالت مین دعا جو مذہب مین ایک ضروری چیز ہے بلکہ مذہب کی جان ہے وہ ایک شئے بیمعنے سمجھی جائیگی۔ اور اصلی تعلیم مذہب کی کہ نہ صرف اسباب پر نظر رکھی جائے

بلکہ مسبب الاسباب پر وہ بالکل غلط اور لغو اور بے معنے ہو جائینگے۔
دعا در حقیقت سوال ہے جیساکہ ہم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہین۔ ایک انسان جو دوسرے سے دعا یا درخواست کرتا ہے اُسکی حیثیت وہی ہے جو اُس دعا کی ہوتی ہے جو انسان خدا سے کرتا ہے اور دعا کا انسان کی جسمانی زندگی سے اسی طرح کا تعلق ہے جیساکہ اُسکی روحانی زندگی سے۔ ہم پہلے جسمانی عالم مین اس بات کا علم حاصل کرتے ہین کہ دعا کا کیا کام اور اُسکا کیا اثر ہے اور بعدہ ہمکو اپنی روحانی زندگی مین اسکا تجربہ ہوتا ہے۔ ہمارے تعلقات اول جسمانی ہین بعدہٗ روحانی۔ اول ہمکو جسمانی حاجتون اور خواہشون سے آگاہی ہوتی ہے اور پیچھے روحانی حاجتون اور خواہشون سے۔ ہم اول جسمانی عالم مین اپنی قوتون کا استعمال کرتے ہین۔ اُنکے طرز عمل سے واقف ہوتے ہین اُنکے نتایج کو دیکھتے ہین اُن کے قانون کو معلوم کرتے ہین۔ اور جب انکا عمل روحانی دایرہ مین منتقل ہوتا ہے تو ہم پاتے ہین کہ اُنکے قوانین مین کوئی تغیر نہین ہوتا اور اُنکے نتایج وہی قایم رہتے ہین صرف تبدیل یہی ہوتی ہے کہ ہمارے جسمانی اغراض کی جگہ روحانی مقاصد قائم ہوجاتی ہین۔ خدا سے جو ہمارا تعلق ہے اُسے ہم روحانی کہتے ہین۔ اور اس تعلق مین ہماری قوتون کا جو استعمال ہوتا ہے وہ روحانی عمل ہے۔ اسوقت ہمارا تجربہ روحانی ہوتا ہے اور ایسے ہر تجربہ کو جو نام دیا جاتا ہے وہ وہی ہے جو پہلے جسمانی تجربہ کو دیا گیا تھا۔ اسلئے کہ جسمانی اور روحانی چیزون کے واسطے ایک ہی قسم کے الفاظ ہین جسطرح محبت۔ خوشی۔ تسکین۔ رحم۔ نیکی۔ اول جسمانی ہوتے ہین اور بعدہٗ روحانی۔ اول انکو ہم انسانون مین پاتے ہین پھر خدا مین۔ عبادت جو ہم خدا کی کرتے ہین وہ ہمارا روحانی عمل ہے۔ اور اُسکے اصول اور قواعد وہی ہین جو اول اپنے جسمانی تعلقات مین سیکھتے اور عمل مین لاتے ہین۔ ہم اپنے ماں باپ اپنے بزرگون

اپنے حاکمون کی تعظیم کرتے ہین۔ اور اس تعظیم کو ہم زبان سے اور عجز و نیاز کی مختلف علامتون سے ظاہر کرتے ہین۔ ہم انسان کی خوبیون اور صفتون اور نیکیون کی تعریف کرتے ہین ہم اُنسے مدد چاہتے ہین، ہم اُنسے فریاد کرتے ہین ہم اُنسے رحم کے ملتجی ہوتے ہین، ہم اُنسے معافی چاہتے ہین، ہم اُنسے اپنے اغراض اور مقاصد عرض کرتے ہین اور ہم اُنکے سامنے عرضیان پیش کرتے ہین۔ غرضکہ تمام باتین عبادت، تعظیم حمد و ثنا عجز و ذلت، اور خواہش و طلب کے ہم جسمانی عالم مین سیکھتے ہین، اور یہ سب اول جسمانی تعلقات ہوتے ہین۔ اور مادی تعلقات مین ظاہر ہوتے ہین پھر بعد اسکے یہی روحانی عالم مین منتقل ہوجاتے ہین۔ خدا کی ہم تعظیم کرتے ہین، اُسکو بڑا مانتے ہین، اُس سے محبت کرتے ہین، اُسکی رحمت کے خواستگار ہوتے ہین۔ اُس سے اپنے گناہون کی معافیان چاہتے ہین، اُسکے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے ہین زمین پر سر رکھکر اُسکے روبرو گڑگڑاتے ہین، اپنی ذلت و عاجزی دکھا کر اُس کی خوشامد کرتے ہین، اُسکے احسانون کا شکر بجا لاتے ہین، اُس سے اپنی مرادین مانگتے ہین، اُسکو مصیبت اور آفت کے وقت پکارتے ہین، یہ سب کام ویسے ہی ہم کرتے ہین جیسے ہم انسانون کے سامنے کیا کرتے ہین۔ فرق اتنا ہی ہوتا ہے کہ جو چیزین اول جسمانی تھین اور بندون کے ساتھ کی جاتی تھین وہ روحانی ہوجاتی ہین اور خدا کے ساتھ کیجاتی ہین۔ پس جسطرح ہمارے تمام دنیاوی کامون مین ہماری اغراض مضمر ہوتی ہین اُسیطرح ہمارے روحانی اعمال مین بھی۔ دعا بھی وہی فعل ہے جسکا برتاو ہم بندون کے ساتھ کرتے ہین اور جسطرح اور جس امید پر انسانون سے ہم سوال کرتے ہین اُسی طرح پر ہم خدا کے سامنے اپنی حاجتین پیش کرتے ہین اور مرادین مانگتے ہین اگر مانگنے اور دعا کرنے مین جبکہ ہم بندون سے کرتے ہین امر مسئول عنہ داخل نہین ہے تو خدا سے دعا کرنے مین بھی داخل نہوگا۔ ورنہ یہ لفظ دعا کا عالم جسمانی مین بامعنے

اور روحانی عالم مین بے معنے ہو جائیگا۔ اور جہان تک ہم خدا کے کلام سے شہادت پا سکتے ہین اُس سے ہمارے دعوے کی تائید ہوتی ہے۔ ایک جگہ اور ایک مقام پر نہین بلکہ بیسیون جگہ اور بیسیون مقام پر خدا کے کلام سے دعا مین امر مسئول عنہ کا داخل ہونا پایا جاتا ہے۔ اور ایک نبی نہین بلکہ بہت سے انبیاء کے تذکرہ مین اُنکا خاص خاص مقاصد کے لئے خدا سے خاص خاص باتون کا سوال کرنا اور مخصوص حاجتون کے مانگنے کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ ہم چند آیتین اس مقام پر نقل کرتے ہین اور ہم صرف انھین آیتون کی نقل پر کفایت کرتے ہین جنمین وہ حاجتین مانگی گئی ہین جو اس عالم سے تعلق رکھتی ہین۔ روحانی خواہشون کے مانگنے اور اُسکے دیئے جانے سے تو سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔ سب سے اول حضرت نوحؑ کی دعا کو لیجئے اُنکے بیان مین خداوند تعالے فرماتا ہے قال نوح رب لاتذر علے الارض من الکافرین دیّارا انك ان تذرھم یضلوا عبادك ولا یلدوا الا فاجرا کفارا۔

نوحؑ نے کہا اے میری پروردگار تو منکرون مین سے ایک بھی رہنے والے کو زمین پر باقی نہ چھوڑنا۔ اگر تو انکو چھوڑ دیگا تو وہ تیری بندونکو گمراہ کرینگے اور وہ سوائے بدکار اور منکر کے اولاد نہ جنینگے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ نے خدا سے دعا کی کہ کافرون کو زمین پر باقی نہ رکھے۔ اور اُسکی وجہ بھی بیان کی کہ اگر یہ باقی رہین گے تو لوگون کو گمراہ کرین گے۔ اور انکی اولاد کافر و فاجر ہی رہیگی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خدا نے اس دعا کو قبول کیا اور کفار کو طوفان لاکر ڈبو دیا۔ کما قال اللہ تبارك وتعالی و نوحا اذ نادی من قبل فاستجبنا له فنجیناه واھله من الکرب العظیم و نصرناه من القوم الذین کذبوا بایتنا انھم کانوا

جیسا کہ خداوند تعالی نے فرمایا ہے اور نوح کو یاد کر جبکہ اُسنے اس سے پہلے پکارا تو ہمنے اُسکی دعا قبول کی پھر اُسکو اور اُسکی اہل کو بڑی سختی سے بچا لیا اور ہمنے اُسے اُس قوم پر مدد دی جنھون نے ہماری آیتون کو جھٹلایا بے شک وہ بُرے

قوم سوء فاغرقنہم اجمعین۔	لوگ تھے سو ہمنے ان سب کوڈبو دیا۔

حضرت نوح کے قصہ مین یہ بات بہی بیان کی گئی ہے کہ اُنکی دعا جسطرح کفار کے حق مین قبول کی گئی ویسے ہی اُنکے بیٹے کے حق مین نامنظور رہی۔

ونادی نوح ربہ فقال رب ان ابنی من اھلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین قال یا نوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح فلا تسئلنی ما لیس لک بہ علم انی اعظک ان تکون من الجاھلین۔	اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ ای میرے پروردگار میرا بیٹا میری اہل مین سے ہے (اور میری اہل کے بچانیکا وعدہ تھا) اور تیرا وعدہ سچا ہے اور بیشک تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ فرمایا کہ ای نوح وہ تیری اہل مین نہین ہے اسکے کام بُرے ہین سو جس بات کا تجھے علم نہین وہ مجھ سے مت مانگ مین تجھے نصیحت کرتا ہون کہ تو جاہلو نہین نہو۔

خدا نے اس دعا کو قبول نکیا۔ اور جب حضرت نوح نے کہا کہ یہ میرے اہل مین سے ہے اور تو نے میرے لوگون کے بچانے کا وعدہ کیا ہے۔ اُسکے جواب مین خدا نے فرمایا کہ نہین یہ تیری دعا قبول نہو گی اسلئے کہ وہ تیرے اہل مین سے نہین ہے کیونکہ وہ اچھے کام کرنے والا نہین ہے۔ اور نامقبولیت دعا کے سبب بتلانے کے علاوہ خدا نے جھڑکی بہی دی اور فرمایا کہ جس چیز کا تجھے علم نہو اُسے نہ مانگا کر۔ اور مین تجھے سمجھاتا ہون کہ تو جاہلون مین سے نہو۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر دعا کا قبول ہونا مطابق وعدہ آلہی کے ضرور نہین ہے۔ نہ ہر دعا کے قبول ہونے کا وعدہ خدا نے فرمایا ہے۔ بلکہ دعائین جو جاہلانہ بے سمجھے بوجھے کیجاتی ہین وہ وعدہ اجابت آلہی سے خارج۔ اور اکثر نامقبول دعائین اسی مد مین داخل ہین۔

پھر حضرت ابراہیم کی دعا پر نظر کیجئے۔ سورہ بقر کے رکوع پندرہ مین خدا فرماتا ہے۔

واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا بلداً امنا وارزق اھلہ من الثمرات من امن منھم باللہ والیوم الاخر۔ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلو علیھم ایاتک ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم۔

اور جبکہ ابراہیم نے کہا کہ ای میری پروردگار تو اس شہر (مکہ) کو امن گاہ بنا اور اُس کے باشندونمین سے ان لوگون کو جو اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے ہین میوے کھلا۔ ای ہمارے پروردگار انمین سے ایک رسول اُٹھا جو تیری آئتین اپنر پڑہے اور انھین کتاب و حکمۃ سکھاوے اور انھین پاک کرے بلشک تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

اسمین صاف صاف امر مسئول عنہ کا بیان ہے اور اُسکا قبول ہونا ثابت۔ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ معظمہ کے لئے دعا کی کہ خدایا اسکو بلد ماموں بنا اور میری ذریت مین سی ایک ایسا رسول جو کتاب اور حکمت کی تعلیم کرے پیدا کر چنانچہ خداوند تعالی اسے حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول فرمائی اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُنکی ذریت مین پیدا کیا اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے لئے بہیجا۔

حضرت ایوبؑ کے ذکر مین خدا فرماتا ہے کہ اُنکو جو تکلیف اور مصیبت تھی اُسکے دور ہونیکی اُنھونے دعا مانگی اور خدا نے اُسے قبول کیا۔ یعنی وہ اجابت نہین جسکے معنے بغیر دور کرنے مصیبت کے صرف اُنکے دل کو تسکین دیدی ہو۔ بلکہ اصلی قبولیت اور حقیقی اجابت اُنکی دعا کی خدا نے فرمائی یعنے اُس تکلیف کو دور کیا جیسا کہ فرماتا ہے "وایوب اذ نادی ربہ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین فاستجبنا لہ فکشفنا مابہ من ضر واتینٰہ اھلہ ومثلھم معھم

اور ایوبؑ کو یاد کر جبکہ اُسنے اپنے پروردگار کو پکارا کہ ای میری پروردگار مجھے دُکھ پہنچا ہی اور تو سب مہربانون سی زیادہ مہربان ہی سو ہمنے اُسکی دعا قبول کی اور اُسکو غم سی نجات دی

رحمة من عندنا وذکریٰ للعابدین

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ جس غم مین وہ پڑ گئے تھے اُس سے نجات پانے کی اُنہون نے دعا کی اور اُسے خدا نے قبول فرمایا اور اُنکے غم کو دور کر دیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ

وذاالنون اذ ذهب مغاضبا ان لن نقدر علیه فنادی فی الظلمت ان لا اله الا انت سبحٰنك انی کنت من الظلمین فاستجبنا له ونجینٰه من الغم وکذلك ننجی المؤمنین۔

اور مچھلی والے (یونسؑ) کو یاد کر جبکہ وہ غصہ سے لڑ کر چلا گیا پھر سمجھا کہ ہم اُسے پکڑ نہ سکین گے پھر تاریکیون مین پکارا کہ تیری سوا کوئی معبود نہین تو پاک ہی مین ظالمون مین سے تھا۔ سو ہمنے اُسکی دعا قبول کی اور اُسے غم سی نجات دی اور ہم اسیطرح مومنون کو نجات دینگے۔

اور اس آیۃ سے صرف یہی نہین ثابت ہوتا کہ حضرت یونس علیہ السلام کا غم خدا نے دور کر دیا بلکہ اس سے ہمارے دعوے کی پوری تائید ہوتی ہے کہ خداوند تعالیٰ مومنین کی دعا بھی جبکہ وہ ایسی حالت مین پھنس جاوین اور وہ خدا سے بیقراری اور اضطرار کی حالت مین دعا کرین قبول کرتا ہے۔ کیا بعد خدا کے اس فرمانے کے وکذلك ننجی المؤمنین اس باب مین کوئی شبہ رہسکتا ہے کہ دعا ذریعہ حصول مقصد نہین ہے اور نا امیدی اور مایوسی کی حالت مین خدا دعا قبول نہین فرماتا جیسا کہ خداوند عالم بیان فرماتا ہے۔ ایک جگہ سورہ طٰہٰ مین۔

قال رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدة من لسانی یفقهوا قولی واجعل لی وزیرا من اهلی هرون اخی اشدد به ازری واشرکه فی امری کی نسبحك کثیرا ونذکرك

اس نے کہا اے میرے پروردگار میرا سینہ کھولدے اور میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھولدے کہ وہ میری بات سمجھین اور میرے اہل مین سی میری لئے ایک وزیر بنا میرا بھائی ہارون اسے میری کمر مضبوط کر اور اُسی میری کام مین شریک کر

كثيرا انك كنت بنا بصيرا قال قد اوتيت سؤلك يا موسى۔

تاکہ ہم تیری بہت تسبیح کرین اور تجھے کثرت سے یاد کرین خدانے فرمایا اے موسیٰ تیرا سوال پورا کیا گیا۔

اس مین صاف بیان اس امر کا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے چند باتون کی خدا سے درخواست کی ایک یہ کہ اُنکے دل کو خدا قوی کرے۔ دوسرے اُنکی زبان کی گرہ کھولدے تاکہ لوگ اُنکی بات سمجھنے لگین۔ تیسرے یہ کہ اُنکے بھائی ہارون کو اُنکا وزیر بنادے۔ اور دعا مانگتے وقت حضرت موسےٰؑ نے یہ بہی کہا کہ ان خواہشون کے پورے کرنے سے ہمکو ایسی خوشی ہوگی کہ ہم بہت زیادہ تیری تسبیح کرینگے اور تجھے بہت یاد کیا کرینگے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کا قبول ہونا اور امر مسئول عنہ کا دیا جانا اصل خوشی اور محبت پیدا ہونیکا سبب ہے۔ اور ان تمام دعاؤن کو خدا نے پورا کیا اور اُنکی اجابت کو ان لفظون مین ادا کیا کہ قد اوتیت سؤلك یا موسیٰ۔ میرے نزدیک اس سے زیادہ کیا ثبوت اس امر کا ہوگا کہ جب خدا کو کوئی عرضی دیجاتی ہے تو خدا تعالیٰ اُس کے موافق اور مناسب بشرطیکہ وہ جاہلانہ درخواست نہو حکم تحریر فرماتا ہے۔ سورہ یونس مین حضرت موسےٰؑ کی ایک اور دعا کی اجابت کا بیان ہے جسمین حضرت موسےٰ اور حضرت ہارونؑ دونون نے ملکر دعا کی تھی اور جس سے فرعون غارت کیا گیا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

قال موسى ربنا انك اتيت فرعون وملأه زينة واموالا في الحيوة الدنيا ربنا ليضلوا عن سبيلك ربنا اطمس على اموالهم واشدد على قلوبهم فلا يؤمنوا حتى يروا العذاب الاليم ۔ قال قد اجيبت دعوتكما

اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے پروردگار تو نے دنیا کی زندگی مین فرعون اور اُسکی قوم کو زینت اور بہت مال دے رکھا ہے اے ہمارے پروردگار اسلئے کہ وہ (لوگونکو) تیری راہ سے گمراہ کرین اے رب انکے مال میٹ دے اور انکے دلون کو سخت کردے کہ ایمان نہ لائین جبتک کہ دُکھ کا عذاب

فاستقیما ولا تتبعآنِ سبیل الذین لا یعلمون ۵	نہ دیکھیں۔ فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہوئی سو تم ثابت قدم رہو اور بے علموں کی راہ نہ چلو۔

اس آیت مین قد اجیبت دعوتکما کے کیا معنے ہین۔ کیا اس سے امر مسئول عنہ کا دیا جانا اور دعا کا ایک سبب اسباب حصول مقصد سے ہونا ثابت نہین ہوتا۔ حضرت موسیٰ کے ذکر مین یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ دعاؤن کا قبول ہونا لازمی نہین ہے بلکہ وہ دعا جو نافہمی اور نادانی سے کی جائین اور خلاف حکمت اور قواعد مقررہ خدا کے ہون وہ قبول نہین ہوتین۔ اور ایسا دعا کرنے والا اسرار آلہی سے ناواقف سمجھا جاتا ہے دیکھو حضرت موسئے نے خدا سے درخواست کی رب ارنے انظر الیک یعنے خدا تو مجھے اپنے آپ کو دکھا۔ مین تجھے دیکھنا چاہتا ہون۔ جواب ملا کہ لن ترانی کہ تو نہین دیکھسکتا وہ جھڑکی کہ خدا نے اُنکو سنائی اُس سے متنبہ ہو کر وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے اور عرض کرنے لگے سبحٰنک تبت الیک وانا اول المؤمنین خدایا مین نے توبہ کی اور اُس دعا کے کرنے سے جو مجھے نکرنی چاہئے تھی مین نادم ہوا۔

حضرت زکریا کی دعا تو آپ نے اپنے مفید سمجھکر اس دعوے کے ثبوت مین بیان فرمائی ہے کہ لفظ دعا اور ندا مین بلحاظ اُسکے حقیقی معنے کے امر مسئول عنہ داخل نہین ہوتا بلکہ وہ علحدہ بیان کیا جاتا ہے۔ مگر آپ کا یہ دعوے اور دلیل دیکھکر نہایت تعجب ہوتا ہے اسلئے کہ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض دعائین مفصل ہوتی ہین بعض مجمل۔ بعضون مین بالعموم رحمت و مہربانی مانگی جاتی ہے۔ بعض مین بالتخصیص خاص خاص چیزون کا سوال ہوتا ہے۔ اس سے یہ تو ثابت نہین ہوتا کہ امر مسئول عنہ کو دعا سے علاقہ نہین۔ اور دعا صرف ندا ہے بغیر کسی غرض اور کسی مطلب کے۔ حضرت زکریا کی مثال دینے سے تو درحقیقت آپ نے اپنے دعوے کو انصاف اور ایمان کی عدالت مین قرآن کی شہادت سے ڈسمس کر دیا۔ اور پورے

طور پر آپ ہار گئے۔ کیا کوئی سمجھدار آدمی حضرت زکریا کی دعا اور خدا کی اجابت کو جن کا متعدد آیتوں مین ذکر ہے دیکھکر ایک لحظہ کے لئے بھی آپ کے دعوے کو قابل غور خیال کریگا۔ اور سنتے ہی حیرت زدہ ہوکر اس استدلال کو آپکی شان کے خلاف نہ سمجھیگا۔

حضرت زکریا کی دعاؤن سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ اُس سے صرف دعا کا اسباب حصول مقاصد مین سے ہونا ہی ثابت نہین ہوتا بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب اسباب کی طرف سے مایوسی اور ناامیدی ہوتی ہے اور کسیطرح امر مسئول عنہ کا ملنا بظاہر اسباب قیاس مین نہین آتا۔ اور خود دعا کرنے والا مایوسی کے سامان دیکھکر دعا کرنے سے ہچکچاتا ہے۔ تو خدا خود اپنی قدرت کی شان دکھاتا اور اپنے مسبب الاسباب ہونے کی طرف رغبت دلاتا اور دعا کرنے کی توفیق دیتا ہے جس سے اُس کے خاص بندے اسباب اور وسائل ہی کو نہ دیکھین بلکہ اُسکی طاقت کو اُس سے مافوق سمجھکر اُسکی طرف رجوع کرین۔ دیکھئے وہ آیت جو آپ نے نقل کی اُسمین حضرت زکریا خدا سے دعا کرتے ہین رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ انک سمیع الدعاء اُنہون نے اولاد کی دعا مانگتے وقت خدا سے یہ کہا کہ تو دعائین سنتا ہے۔ یعنے جو کوئی کچھ مانگے اُسے دے سکتا ہے اور اسی امید پر مین تجھ سے دعا کرتا ہون۔ اور پھر اپنے وارث نہونے پر مضطر ہوکر خدا سے یہ دعا کی رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین کہ اگرچہ بہترین وارث تو ہی ہے مگر بمقتضائے بشریت مجھے اولاد کی تمنا ہے تو اپنے رحم وکرم سے عطا کر۔ اُسکے جواب مین خدا اُنکو بذریعہ ملائکہ کے بشارت دیتا اور فرماتا ہے" فبشرناہ بغلام حلیم" اور دوسرے مقام پر زکریا کی اجابت کو ان لفظونمین خداوند تعالیٰ بیان کرتا ہے کہ

فنادتہ الملائکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب ان اللہ یبشرک بیحیی

پھر جب زکریا محراب مین کھڑا نماز پڑھ رہا تھا فرشتون نے اُسے آواز دیکر کہا کہ اللہ تجھکو خوشخبری

مصدقا بكلمة من الله وسيدا وحصورا ونبيا من الصالحين	دیتا ہی یحیی کی جو خدا کے کلمے (یعنے عیسے) کا مصداق اور ایک سید ہوگا اور عورتون سے برطرف رہیگا اور ایک نبی ہوگا نیکو مین سے۔

دوسرے مقام پر خداوند تعالی حضرت زکریا کے بیان مین فرماتا ہے کہ زکریا نے ناامیدی کی

حالت مین خدا سے عرض کیا کہ رب انی وهن العظم مني واشتعل الرأس شيبا ولم اكن بدعائك رب شقيا ہ	ای رب میری ہڈیان سست ہوگئی ہین اور میرا سر بڑھاپے سے چمک اُٹھا ہی اور مین کبھی ای میری رب تجہسے دعا کرکے محروم نہین رہا۔

کہ مین بڈھا ہو گیا ہون اور میرا سر جلنے لگا ہے اسپر ہی مین تجہہ سے مانگتا ہون باوجود یکہ میری بی بی بانج ہے اور اولاد ہونے کی امید نہین۔ چنانچہ الفاظ وکانت امرأتی عاقرا۔ سے یہ ظاہر ہے۔ اور باوجود اسکے یعنے اس ناامیدی پر بہی مین تجھے قادر مطلق سمجھکر تجھسے دعا کرتا ہون فهب لي من لدنك وليا يرثني ويرث من ال يعقوب واجعله رب رضيا۔ کہ صرف اپنی طرف سے اور صرف اپنے فضل وکرم سے باوجود ان حالتون کے بھی مجھے اولاد دے اور اپنی قدرت کا تماشا دکھا اُسپر خدا فرماتا ہی انا نبشرك بغلام اسمه يحيى لم نجعل له من قبل سميا کہ اچھا ہم اپنی قدرت کا تماشا تجھے دکھاتے ہین اور بڑھاپے مین تجھے بیٹا دیتے ہین۔

اسیطرح حضرت ابراہیم کے بیان مین خدا فرماتا ہے کہ جب اُسکو اولاد کی خوشخبری دی گئی تو اُنکی بیوی حیرت زدہ ہوکر کہنے لگی یا ويلتى ءالد وانا عجوز وهذا بعلي شيخا ان هذا الشئ عجيب کہ کیا میرے اولاد ہوگی ایسی حالت مین کہ مین بُڈھیا ہوگئی اور میرا خاوند بہی بوڑھا ہے یہ تو بڑی عجیب بات ہے اُسپر خدا نے فرمایا اتعجبين من امر الله رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت انه حميد مجيد کیا تو تعجب کرتی ہے خدا کی رحمت سے یہ خدا کی مہربانیون مین سے ہے۔

علاوہ ان آیتون کے حضرت سلیمان کی دعا،

رب اغفر لی وھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب۔ اور حضرت عیسےٰ کی دعا اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء۔	ای پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھی ایسا ملک عطا کر جو میرے بعد کسیکو میسر نہو بیشک تو بخشنے والا ہی۔ ای ہمارے پروردگار اُتار ہمارے لئے دسترخوان آسمان سے۔

اور اسکا جواب خدا کی طرف سے قال اللہ انی منزلہا علیکم وغیرہ اور آیتین ہین جن سے امر مسئول عنہ کا دعا مین داخل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

کیا جو شخص قرآن مجید کی ان آیتون پر سرسری نظر سے بھی غور کریگا تو اُسے دعا کے قبول ہونے اور امر مسئول عنہ کے خدا کی طرف سے دیئے جانے مین کچھ شبہ رہیگا میرے نزدیک اسکے بعد یہ بحث کہ دعا اور ندا الفاظ مرادف ہین یا نہین۔ اور لفظ دعا اور ندا کے حقیقی معنے مین امر مسئول عنہ داخل ہوتا ہے یا نہین غیر ضروری بلکہ لغو و فضول رہجاتی ہے۔ اسلئے کہ امر بحث طلب یہ نہین ہے کہ لفظ دعا مین امر مسئول عنہ داخل ہے یا اس سے خارج بلکہ یہ ہے کہ خدا مانگنے سے دنیا یا دے سکتا ہے اور اُس سے مانگنا اسباب حصول مقصد مین سے ہے یا نہین۔ اسکا جواب آپ نفی مین دیتے ہین اور ہم اور تمام مسلمان بلکہ کل بنی نوع انسان جو خدا کو مانتے ہین اثبات مین۔ اور اسکے لئے ہم قرآن سے اتنی شہادتین پیش کرچکے کہ عرفی دعا کی حقیقت کا انکار کرنا اور اجابت کو صرف خیالی اور بے معنے تسکین قلب سمجھنا ایسا خیال ہے جو میرے سے کم سمجھ آدمیونکی سمجھ مین قرآن کے تسلیم و اقرار کے ساتھ مشکل سے جمع ہو سکتا ہے۔ یہ آیتین جو مین نے اوپر نقل کین کچھ پہیلیان نہین ہین جنکا بوجھنا مشکل ہو۔ نہ معمے ہین جو سمجھ مین نہ آسکین۔ بلکہ یہ خدا کا صاف اور سیدھا کلام ہے جس سے انبیاء کرام کا خاص خاص باتون کے لئے دعا کرنا۔ مثلاً کسی کا بیٹا مانگنا۔ کسی کا سلطنت چاہنا

کیسکی دشمن پر فتح کی استدعا۔ کسی کی آسمان سے مائدہ ملنے کی التجا ایسی ثابت ہی
کہ نہ اُس سے انکار ہو سکتا ہے نہ اسکی تاویل ہو سکتی ہے۔ پھر یہ بہی معلوم ہوتا ہے
کہ انبیاء علیہم السلام نے جو عموماً تمام انسانوں سے بڑہ کر خدا کے اسرار سے واقف
اور لا تبدیل لکلمت اللہ کے حکم مستحکم سے آگاہ تھے دعا کو اسباب حصول مقصد
مین سے خیال کیا اور عالم اسباب سے نا امید ہو کر مسبب الاسباب سے دعائین
مانگنے لگے۔ کوئی کہنے لگا رب ہب لی من لدنك ذریة طیبة انك سمیع
الدعاء کوئی گڑگڑا کر پکارنے لگا رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین
کوئی مانگنے لگا رب ہب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی کوئی چلانے لگا
رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا پس وہ شخص کہ قرآن کو منزل من اللہ
مانتا اور ان آیتون کو جعلی اور نقلی نہ سمجھتا ہو۔ کیونکر انتے شواہد سے چشم پوشی کریگا
اور کسطرح اپنے نامکمل اور ناقص علم پر جو قانون فطرت کی نسبت ہے بھروسہ
کرکے اجابت دعا کو خلاف قانون فطرت سمجھیگا اور عمداً دعا اور اجابت دعا کا
منکر ہوگا۔ ای میرے سید اور مولیٰ اگر قرآن سچا ہے اور یہ آیتین قرآن ہی کی ہین
تو مین اس کہنے پر مجبور ہون کہ آپکی رائے اور خیال سے مین اُسی وقت اتفاق
کر سکتا ہون جبکہ قرآن کو مین کلام الٰہی نہ سمجھون۔ اور ان آیتون کو منزل من اللہ
نہ مانون۔ میرے نزدیک ان آیتون کو ماننے اور سمجھنے کے بعد دعا اور اجابت کے
عرفی معنے سے انکار ایک ایسا امر ہے کہ جسکے سمجھنے سے میرا ذہن قاصر اور میری عقل
عاجز ہے۔ فانظر یا سیدی الی هذه
الاخبار فای ذکر ابین من هذا

پس ای میرے سرداران واقعات اور اخبار کو
ملاحظہ کیجیے۔ کونسا بیان اس سے زیادہ روشن

لہ کل ذلك کان مقدرا لهم فاعطاه الله لهم بفضله وکرمه ولم یثبت من القرآن
ما لم یکن مقدرا اعطی لهم بالدعاء وان الدعاء رد القضاء واخر الاجل
وبدل المقدرات وتغیر علم الله علی ما کان وما یکون وهذا عندنا محال
(سید احمد)

وای شہادۃ اقوی منها علی ان الدعاء
له تاثیر فی نظام العالم وان الله تبارک
وتعالی یسمع الدعاء ویقضی الحاجات
اهذه الاقاویل کلها علی کثرة معانیها
وفنون ورودها وعدد جهاتها التی
حکیت عنها کلها اشارات الی بطلان
الدعاء العرفی وعدم اجابة الامر
المسئول عنه فقد ذکرنا من القرآن
ما فیها کفایة لمن اکتفی وقد استشهدنا
ببعض من عشر سورة مما یدل علی
صحة ما قلناه فی ما تقدم مما یکفی
ویقنع من کان منصفا فانظر یا سیدی
ومولائی الی معانیه بعین الانصاف
هل تنظر فیه من قصور ثم ارجع
البصر کرتین الی الفاظه هل تری
فیه من فطور فقط۔

اور کونسی شہادت اس سے زیادہ قوی ہو سکتی ہے
ماسوا اسکے دعا کی تاثیر نظام عالم مین مسلم ہے
اور خداوند تعالی اپنے بندون کی دعاؤن کو
سنتا اور انکی حاجات کو پورا کرتا ہے۔ کیا یہ تمام
اقوال باوجود اپنی کثرت اور مختلف شعبون
اور مختلف حیثیتون کے جنکی نسبت بیان کیا جاچکا
ہے اشارات ہین معمولی دعا کے بطلان اور عدم اجابت
امر مسئول کیلیئے۔ قرآن مجید سے ہم اسقدر حوالے
ذکر کر چکے ہین جو کافی ہین۔ اور ہمنے قرآن مجید کی
مختلف دس سورتون کی آیات سے استشہاد
کیا ہے جو ہمارے گذشتہ بیان کی صحت پر دلالت
کرتا ہے اور جو ایک منصف مزاج شخص کے
مطمئن کرنیکے لیئے کافی و وافی ہے پس اے میرے
سردار اے میرے آقا آپ بنظر انصاف اُسکے
معانی کو ملاحظہ فرمائیے۔ کیا آپکو انمین کوئی قصور
نظر آتا ہے اور پھر دوبارہ اُسکے الفاظ پر نظر
ڈالیئے کیا انمین کچھ شکستگی معلوم ہوتی ہے۔

چھٹا خط متعلق الدعاء والاستجابۃ

بمبئی۔ ۸ اگست ۱۸۹۲ء۔

جناب عالی۔ ۴ اگست کے عریضہ مین مین نے عرض کیا تھا کہ آئندہ خط مین اس امر سے

بحث کرونگا کہ دعا کو جو عبادت کہا گیا ہے اُس سے کیا مطلب ہے اور آپ نے جو دلائل دعا کے حصول مقصد کے اسباب مین سے نہونے کے بیان فرمائے ہین کہان تک صحیح ہین۔ چنانچہ اسی کے متعلق یہ عریضہ لکھتا ہون۔ آپ رسالہ دعا والاستجابۃ مین تحریر فرماتے ہین کہ "دعا کو کسی معنے مین لو یعنے خواہ صرف خدا کے پکارنے اور اُسکی طرف متوجہ ہونے اور اُسے حاضر سمجھنے اور اُسکے آگے اور معبود برحق سمجھنے پر اقرار کرنیکے اور خواہ خدا سے کچھ مانگنے اور سوال کرنے کے دونون صورت مین وہ عبادت ہے۔ اور اُسپر آپ آیہ وقال ربکم ادعونی استجب لکم الخ اور دو حدیثین مشکوۃ شریف کی سنداً پیش کرتے ہین۔ جیسا کہ مین اپنے تمہیدی مضمون مین لکھ چکا ہون کہ ہر دعا بلا شبہ عبادت ہے مگر ہر عبادت دعا نہین ہے۔ وہی پھر کہتا ہون کہ جس غرض سے آپ دونونکو متحد اور مترادف مانتے ہین وہ حاصل نہین ہوتی۔ آپکی غرض یہ ہے کہ سوال ور مانگنا کسی چیز کا دعا کا عنصر نہ سمجھا جائے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مانگنا نہ صرف دعا کا عنصر ہے بلکہ اُسکی روح اور جان ہے۔ البتہ مانگنے کی حالتین اور حیثیتین مختلف اور مانگنے والونکے مراتب اور درجات جداگانہ ہین۔ ادنٰے درجہ سوال کا اغراض دنیوی کا مانگنا ہی۔ اور اعلٰے درجہ کا سوال بلا اظہار کسی حاجت دینی یا دنیوی کے صرف اُسکی رحمت اور وصال اور تقرب کا چاہنا ہے۔ مگر ان سب پر مانگنے کا اطلاق ایک ہی معنے اور ایک ہی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اور چونکہ ہر حالت اور ہر درجہ مین دعا کے خشوع اور خضوع اور ابتہال الی اللہ اور اظہار عبودیت اور اقرار الوہیت ہوتا ہے اسلئے کوئی دعا عبادت سے خالی نہین ہو سکتی۔ بلکہ جیسا کہ حدیث شریف مین آیا ہے۔ دعا نہ صرف عبادت ہے بلکہ مغز عبادت ہے۔ اسلئے کہ اگر دعا ادنٰے درجہ کی ہو اور صرف بامید حاصل ہونے کسی مقصد کے مقاصد دنیاوی سے یا بامید نجات پانے کسی دُنیاوی مصیبت سے۔ تاہم اُس مانگنے والے کی حالت کے لحاظ سے وہ دعا اُسکے حق مین اُسکی عبادت کا مغز ہے۔ اس لئے کہ اُسکی

عبادت بہی کسی غرض اور طمع اور خوف سے خالی نہین ہوتی۔ اور عبادت مین اُسکا دل اُتنا متوجہ نہین ہوسکتا بلکہ نہین ہوتا جتناکہ دعا کے وقت طلب حاجت یا رفع مصیبت کے لیے وہ دل وجان سے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اُسے قادر اور حاکم اور مختار سمجھکر دوسرون کا خیال چہوڑ دیتا ہے اور نہایت عاجزی اور ذلت اور کمال اضطراب اور بیقراری سے عقلاً و لساناً و ہیئةً اپنی عبودیت و عجز اور خدا کی معبودیت و قدرت کا اظہار کرتا اور اُسکا روان روان اور بال بال خدا کو دیکہنے لگتا ہے اور اس بات کا اُسے پورا یقین ہوجاتا ہے کہ "لا فرج الامن لدن سیدہٖ ولا خیر له الامن عندہٖ فیتردد لسانه بانواع التضرع وتنصرف یداہ نحو السماء فی ضروب من الشکل والحرکات۔

نہین ہے کشائش مگر پروردگار کی طرف سے اور نہین ہے کوئی بہتری مگر اُس کے پاس سے پس اُسکی زبان طرح طرح پر گڑگڑاتی اور اُسکے ہاتھ مختلف شکلون اور صورتون مین آسمان کی طرف بلند ہوتے ہین۔

کبہی بیقرار ہوکر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھاتا ہے کبہی مضطرب ہوکر سر زمین پر مارنے لگتا ہے کبہی آنکہون سے دریا بہاتا ہے کبہی اُسکے شکرانہ کے گیت گاتا ہے۔ غرضکہ ایک دیوانہ اور مجنون کے موافق بے اختیاری اور بے قراری کی حالت مین وہ حرکتین کرتا ہے جسکی خبر خود اُسے نہین ہوتی اور وہ خود نہین جانتا کہ مین کیا کر رہا ہون۔ ایسی حالت مین اُسے تقرب الی اللہ کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اور یہ حالت دعا مانگنے والے کی خصوصاً اُسکی جو کسی بڑی مصیبت مین مبتلا ہو فرضی اور خیالی نہین ہوتی بلکہ حقیقی اور اصلی۔ مولانا معنویؒ نے اس حالت کی حقیقی تشبیہ حکایت کے پیرایہ مین کہینچی ہے۔ اور نصوح[1] کے

[1] یہ حالت اس طور پر مثنوی شریف مین بیان کی گئی ہے کہ نصوح ایک شخص تھا جو عورتون کے لباس مین عورتون کے نہلانے کا پیشہ کیا کرتا۔ ایک روز اُسپر ایسی آفت آئی کہ اُسکی جان جانے مین کسر باقی نہ رہی۔ یعنی وہ کسی شہزادی کو نہلا رہا تہا کہ اُسکے کان کا موتی گم ہوگیا اور موتی کی تلاش کے لئے دروازہ بند کرکے ہر ایک کی جامہ تلاشی ہونے لگی۔ نصوح سمجہا کہ اب اسکا بہید فاش ہوتا ہے اور معلوم نہین کہ کس عذاب سے وہ مارا جاتا ہے اس بیقراری کی حالت مین جبکہ اُسے کوئی سہارا بچنے کا نظر نہ آتا تہا وہ خدا کی طرف جہکا اور سکو

واقعہ اور حالت کو اس طور پر دکھایا ہے کہ جس سے دعا اور اجابت کی اصلی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہے۔ جو کوئی اسے دیکھے اور پڑھے اُسے اس مین ذرا بھی شبہ نہین رہتا کہ خدا دعا کو نامعلوم طور پر قبول کرتا ہے اور خدا پر یقین رکھنے والا بندہ گو وہ بدکردار ہی کیون نہو کبھی کبھی مصیبت کے وقت اسطرح خدا کو یاد کرتا اور اسباب ظاہری سے مایوس ہوکر اس طور پر خدا کو پکارتا اور سب کو چھوڑ کر بیخودی کی حالت مین اسطرح اُسکی طرف دیکھتا اور دنیاوی حاجت اور وہ بھی ایسی جسکا سبب جرم وعصیان ہو کبھی کبھی بندہ پر ایسی حالت طاری اور خدا کی طرف ایسا متوجہ کردیتی ہے کہ دعا کرنے والا خدا تک پہنچ جاتا اور فنافی اللہ کے درجہ پر فائز ہوجاتا ہے اور اُسی حکایت سے اسکی بھی عمدہ مثال ملتی ہے کہ خدا درحقیقت مسبب الاسباب ہے اور ایسے وقت پر جبکہ کوئی صورت نجات کی نظر نہ آتی ہو وہ دعا سنکر ایسے اسباب پیدا کردیتا ہے کہ دعا کرنے والے کا مطلب حاصل ہوجاتا ہے اور ایسی استجابت سے داعی کی خدا کے ساتھ وہ کیفیت

ہوگئی۔ ہو لکر خدا کو پکارنے اور یہ کہنے لگا۔

نوبت جستن اگر در من رسد
دامن رحمت گرفتم داد داد
بیچارہ را جستیم پیش آ اے نصوح
ہوش وعقلش رفت وشد ہمچون جماد
جان بحق پیوست چون بیہوش شد
شد پدید آن گم شدہ در پیش ہم
کے حلالے خواست از وی ہر کسے
لیکن تو خوردیم اندر قیل وقال
چہ حلالے خواستے باید زمن
جرمہا و زشتی کردار من
نام من در نامہ پاکان نوشت
در ہمہ عالم ہمی گنجم کنون

کاشکے مادر نزادے مر مرا
وہ کہ جان من چہ سختیہا کشد

یا مرا شیرے بخوردے در چرا
این چنین اندوہ کافر را مباد

وہ اسی حالت مین تھا کہ یہ آواز آئی۔

گشت بیہوش آن زمان پرید روح
چونکہ ہوشش رفت از تن آن زمان
موج رحمت آن زمان در جوش شد
آن نصوح رفتہ باز آمد بخویش
بوسہ میدادند بر دستش بسے
گفت صد بر فضل خداے دادگر
کہ منم مجرم تر از اہل زمن
ہر چہ کردم جملہ نادیدہ گرفت
دوزخی بودم ببخشیدم بہشت
آفرینہا باد بر تو اے خدا

ہمچو دیوارے شکستہ در فتاد
سر او با حق بپیوست از نہان
بانگ آمد ناگہان کہ رفت بیم
دید چشمش تابش صد ذرہ بیش
بدگمان بودیم ما را کن حلال
ورنہ زانچہ گفتہ شد ہستم بتر
من ہمی دانم وآن ستار من
طاعت ناوردہ آوردہ گرفت
از ہوسہا تنگنا بودم زبون
ناگہان کردی مرا از غم رہا

گر سر ہر موے من گردد زبان
شکرہاے تو نیاید در بیان

ہوجاتی ہے جو مجنون کی لیلے کے اور فرہاد کی شیرین کے ساتھ تنی جاتی ہے۔ محبت اور عشق، جنون اور دیوانگی کی کوئی حرکت باقی نہیں رہتی جو دل سے زبان سے اور ہاتھ سے پاؤن سے وہ نکرتا ہو اور اپنے خدا کی رحمت اور مہربانی پر طرح طرح قربان نہوتا ہو۔ اب اسے کوئی حکایت سمجھو یا اتفاق پر محمول کرے۔ مگر مسلمان بلکہ کوئی آدمی ہی جو خدا کو ایسا خدا سمجھتا ہو جو رحیم بھی ہے اور رحمٰن بھی۔ منعم بھی ہے اور مسبب الاسباب بھی۔ وہ ضرور اسکو دعا اور اجابت کی سچی تصویر مانیگا۔ اور اس حکایت کو ایک اصلی واقعہ کی سچی شبیہ سمجھیگا۔ وکیف لا یہہ واقعہ ہی ایسا ہی جو سیکڑون بندون پر خدا کے رات دن گذرا کرتا ہے اور ہزارون دعا کرنیوالے اپنے خدا کی قدرت کا یہ تماشا دیکھا کرتے ہین۔ مین ایک لحظہ کے لئے بھی یہ خیال نہین کر سکتا کہ ایک دہریہ یا ایک لاادریہ یا شاک فی المذہب کیطرح آپ اسے ایک غلط افسانہ اور خیالی حکایت کہکر اُسپر توجہ نکرینگے۔ بلکہ مجھے یقین ہے اور پورا یقین ہے کہ آپ خود اپنے کسی وقت اور کسی حالت کو جو آپ پر گذری ہو یاد کرکے اسکی تصدیق فرمائینگے۔ اسلئے کہ وہ تجربہ جو مجھے آپ کی ذات کا ہے۔ اور وہ حالات آپ کے جنکو مین جانتا ہون مجھے اس بات کے کہنے پر مجبور کرتے ہین کہ گو آپ نے دعا اور اجابت کے ایسے معنے بیان کئے ہین کہ اُسمین آپ بالکل عالم اسباب پر متوجہ اور مسبب الاسباب سے غافل معلوم ہوتے ہین۔ مگر درحقیقت جیسا توکل خدا پر آپکو ہے اور اپنے تمام کامون اور حاجتون کو جیسا آپ خدا پر چھوڑتے ہین اور جسطرح خدا پر دہ غیب سے ایسے اسباب مہیا کر دیتا ہے جس سے آپکی ناامیدی امید سے اور آپ کی محنت کامیابی سے بدل جاتی ہے اور نفوح کی طرح دیوانہ ہوکر آپ خدا کے شکرانہ کے گیت گانے لگتے ہین۔ اُسپر خیال کرنے سے مجھے اس بات کا تو ایک لحظہ کے لئے یقین نہین ہوتا کہ آپ کی نظر صرف اسباب پر ہے۔ مگر ہان

اس امر کی حیرت ہوتی ہے کہ باوجود اسکے آپ کیون دعا کو اسباب حصول مقصد سے خارج سمجھتے ہین۔

دعا کے عبادت اور مخ العبادت ہونے کی نسبت ہمارے علماء نے بہت عمدہ وجوہ بیان کئے ہین مین اُنمین سے بعض اقوال بیان کرنا مناسب سمجھتا ہون۔ ملا صدر الدین حسینی استرآبادی شرح صحیفہ کاملہ مین اس مضمون کو بہت اچھی طرح سے لکھتے ہین۔ وہ

فرماتے ہین لا دعاء الامع الاعتراف بالذلة والنقص والاضطرار والعجز عقلا ولسانا وهيئة كما روى عن جعفر بن محمد صادقؑ انه جعل ظاهر كفيه الى السماء وقال هكذا التضرع وحرك اصابعه يمينا وشمالا وقال هكذا التبتل ورفع اصابعه مرة ووضعها اخرى وقال هكذا الابتهال ومد يديه تلقاء وجهه الى القبلة وكان لا يبتهل حتى يذرف دموعه ويشخص بصره وهل اخلاص العبادة الا بهذه الاحوال فكان الدعاء من اشرف العبادة ولانه لا يمتنع ظهور رحمة الله وسابغ كرمه فى حق العبد من غير مسئلته وتمتنع كرامته باجابة الامع ظهور

کہ دعا جب ہی ہوتی ہے کہ جب عقل اور زبان اور ہیئت سے اقرار ذلت اور نقص اور اضطرار اور عجز کا کرے جیسا کہ امام جعفر بن محمد صادق سے مروی ہے کہ آپنے اپنی دونو ہتیلیون کو آسمان کیطرف کرکے فرمایا کہ تضرع یہ ہی اور اپنی اُنگلیون کو دہنی بائین حرکت دیکر فرمایا کہ تبتل یہ ہے۔ اور اپنی اُنگلیونکو ایک دفعہ اُٹھایا اور پھر بند کرکے فرمایا کہ ابتہال یہ ہی اور اپنی ہاتھ قبلہ کیطرف منہ کے سامنے پھیلا کر فرمایا کہ ابتہال نہوگا اُسوقت تک کہ آنسو جاری ہون اور آنکھین کھلی کی کھلی نہ رہجائین اور اخلاص عبادت مین بجز ایسے حالات کے حاصل نہین ہو سکتا تو دعا گویا اشرف عبادات ٹھہری اسلئے کہ اگرچہ بدون بندہ کے سوال کے اللہ کی رحمت اور اُسکے کرم کا ظہور بندہ کے حق مین ہو سکتا ہے مگر اجابت دعا کی

جوده واتصال رحمته حتی يطمئن
بفضله ويثق بقبوله ويعلم انه
العبد الذی دعا مولاه فلباه
وسأله فاعطاه فكان الدعاء
فی امتراء المزيد واستجماع
اسباب الرحمة مع الكرامة فوق
الطاعة والعبادة ولهذا كان
رسول الله صلى الله عليه وسلم
يرغب فيه الى خيار خاصته
ويسأله لنفسه عن صفوة امته

کرامت حاصل نہین ہوسکتی الا اُسی وقت کہ
اُسکے جود کا ظہور اور اُسکی رحمت سے اتصال ہو
جس سے اُسکے فضل پر بندہ کو اطمینان ہوجاتا ہی
اور اُسکے قبول کرنے پر وہ بھروسہ کرلیتا ہے اور
اور خداوند تعالی بھی جان جاتا ہی کہ یہ میرا وہ بندہ
ہی کہ جس نے اپنے مولی کو پکارا اور اُسنے اُسکی دعا
سُنی اُسنے اُس سے مانگا اور اُسنے اُسکو عطا کیا
تو دعا کو زیادتی حاصل کرنے اور اسباب رحمۃ کو
مع کرامت کے جمع کرنےمین طاعت اور عبادت سے
بڑی برتری ہے۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اپنے چیدہ اور خاص لوگون کو دعا کی رغبت دلاتے تھے اور اپنی نفس کیلیے
بزرگان امت سے دعا کرالیتے تھے۔

اور ملا صدرالدین نے بھی الدعاء مخ العبادت کی وجہ نہایت خوبی سے بیان کی ہے۔
وہ لکھتے ہین کہ دعا کے مغز عبادت ہونے مین ایک لطیفہ ہے اور وہ لطیفہ یہ ہے

لما كان المخ من اعضاء الحيوان هو
المغذی لها والمقوم لاستدامة
بقائها شبه الدعاء به لانه يعمل
هذا العمل ووجه تخصيصه
بذلك من دون سائر العبادات
لاشتماله على حضور قلبی لا يوجد
فی غيره فان من تعبد بالصلوة

کہ چونکہ مغز حیوان کے اعضا کا حاصل غذا اور
مضبوط کرنیوالا ہوتا ہے اور اعضا کی بقا اُس سے
قایم ہے اسلیئے دعا کو اُسکے ساتھ تشبیہ دی گئی کیونکہ
دعا بھی یہی عمل کرتی ہے اور جو کیفیت حضور قلب کی
دعا مین پائی جاتی ہی وہ دوسری عبادتون مین نہیں ہوتی
مثلاً نماز۔ روزہ۔ حج یا اور کوئی عبادت انسان
کرتا ہو تو انمین اکثر اُسپر غفلت رہتی ہے مگر جب

او الصوم او الحج او غيرها يغلب عليه فيها الغفلة فاذا دعا استدعى ذلك منه مزيد حضور في قلبه وذلك الحضور هو مخ العبادة فاذا جاء التخصيص ويوخذ منه تفضيل الداعي على العابد وذلك لما فيه مع الحضور من التذلل واظهار الفاقة وذل العبودية وعز الربوبية فكل داع عابد ولا ينعكس الدعاء داب الانبياء عليهم السلام ومفزعهم في الشدائد على ما اخبره تعالى في سورة الانبياء وغيرها بقوله انهم كانوا يسارعون في الخيرات ويدعوننا رغبا ورهبا فنبه على علة الاجابة لدعائهم وانها ثواب لهم بطاعتهم ثم تعجيلها جزاء لمسارعتهم الى ما كلفوا به وفي ذلك حث على الطاعة۔

دعا کرتا ہے اور خدا کی طرف ہاتھ اُٹھاتا ہے تو اُسکے دل مین خدا سے توسل پیدا کرنے کی ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اور حضور قلب زیادہ ہوتا ہی۔ اور حضور قلب اور توسل الی اللہ کیا ہے یہی مغز عبادت ہی۔ اور اسی وجہ سے داعی کی فضیلت عابد پر ثابت ہوتی ہے۔ اسلیئے کہ دعا مین تذلل کا اظہار اور ذل عبودیت اور عز ربوبیت مع حضور قلب موجود ہے پس داعی عابد ہی نہ اسکا عکس۔ اور خدا کے اس قول سے جو اُس نے سورہ انبیاء مین انبیاء کی نسبت فرمایا ہی کہ انهم كانوا يسارعون في الخيرات ويدعوننا رغبا ورهبا [1] دو باتین معلوم ہوتی ہین۔ اول یہ کہ شوق اور خوف خواہش اور ڈر دونون حالتین مین انبیاء دعا کیا کرتے تھے۔ اور یہ دونون حالتین وہ ہین جن مین کسی نہ کسی چیز کی طلب مضمر ہوا کرتی ہے۔ دوسری یہ کہ اُنکی دعا کی اجابت کا سبب یہ ہے کہ وہ نیک کام کیا کرتے تھے اور خدا اُنکی دعا قبول کرتا تھا تاکہ اُنھین عبادت کرنے کا اور شوق پیدا ہو۔

اس مقام پہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور قلب اور خلوص الی اللہ اُسی وقت ہو سکتا ہی جب دل ذاتی اغراض سے فارغ ہو۔ اگر دعا کرنیوالا ذاتی غرض رکھتا ہی تو اُسی حضور قلب

[1] بیشک وہ نیکیوں کیطرف جلدی کرتے اور رغبت اور خوف کے ساتھ ہمکو پکارتے تھے۔

اور اخلاص کا درجہ حاصل ہی نہین ہو سکتا۔ اسلئے وہ دعا جسمین کوئی امر مسئول عنہ داخل ہو مخ العبادت ہو ہی نہین سکتی۔ چنانچہ اس شبہ کو امام رازیؒ نے اپنی تفسیر مین بیان کیا ہے وہ فرماتے ہین کہ

"الداعی ما دام یبقی خاطرہ مشغولا بغیر اللہ فانہ لایکون داعیا لہ فاذا فنی عن الکل صار مستغرقا فی معرفۃ حد الحق فامتنع ان یبقی فی ھذا المقام ملاحظا لحقہ وطالبا لنصیبہ فلما ارتفعت الوسائط بالکلیۃ فلاجرم حصل القرب فانہ ما دام یبقی العبد ملتفتا الی غرض نفسہ لم یکن قریبا من اللہ تعالی لان ذلک الغرض یحجبہ من اللہ فثبت ان الدعاء یفید القرب من اللہ فکان الدعاء افضل العبادات

داعی کا دل جبتک خدا کے سوا اور چیزون کیطرف متوجہ ہو داعی نہین ہو سکتا۔ اور جب سے الگ ہو کر خدا کی معرفت مین ڈوب جاتا ہے تو ناممکن ہے کہ اسوقت اُسکے دلمین کوئی ذاتی غرض اور ارادہ باقی رہجائے۔ پس جب تمام واسطے درمیان سے اُٹھ جاتے ہین خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جبتک بندہ اپنی نفسانی خواہش کیطرف متوجہ رہتا ہے خدا سے قرب حاصل نہین کر سکتا کیونکہ یہی خواہش نفسانی اُسکو خدا سے دور رکھتی ہے۔ بلا شبہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا کو جو مغز عبادت کہا گیا ہو وہ اسی خیال سے کہ اخلاص الی اللہ پورے طور پر ہو اور اخلاص اُسی وقت پورا ہوتا ہو جبکہ کوئی ذاتی غرض باقی نرہے۔ مگر یہ درجہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کا ہے جنکی منتہائے آرزو اور منتہائے سعی صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ خدا سے تقرب اور توسل حاصل کرین اور اپنے آپ کو اُسکی ذات مین فنا کردین اور اُسکے جلال وجمال کے مشاہدہ مین مستغرق اور ہر حال مین قضاء الٰہی پر راضی اور ہر تکلیف ومصیبت پر خوش رہین۔

مگر اس سے یہ امر کہ دعا مین کوئی امر مطلوب نہین ہوتا ثابت نہین ہوتا بلکہ برخلاف

اسکے اسبات کی تائید ہوتی ہے کہ دعا کسی خواہش سے خالی نہین ہوتی۔ وہ بندے جو دنیا مین پھنسے ہوئے ہین اور اپنی ذاتی اغراض کی طلب سے مستغنی نہین ہین وہ اپنی حاجتین اور مرادین خدا سے مانگتے ہین مگر خدا سے مانگتے وقت اُنکی حالت بھی اپنے درجہ کے موافق ایسی ہوجاتی ہے کہ معمولی عبادت کی بہ نسبت دعا کے وقت خدا کیطرف زیادہ راجع اور زیادہ متوجہ ہوتے ہین اور جو صدیقیت اور معرفت کا درجہ رکھتے ہین اُنکی دُعایٔن گو اغراض نفسانی سے خالی ہوتی ہین مگر وصال الٰہی اور رحمت ایزدی کی طلب سے خالی نہین ہوتین۔ اور اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ دعا محبت اور رضا بقضاء الٰہی کے خلاف نہین ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہین کہ اگر کوئی پوچھے کہ رضا بقضاء اللہ اعلےٰ ترین مقامات ہے تو انبیاء نے جب اُنکو کسی قسم کی تکلیف پہنچی ہی کیون دعا کی ہے۔ حالانکہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن سے بڑھکر کسیکو درجہ محبت اور مرتبہ رضا نہین دیا گیا خود دعا کی ہے بلکہ اللہ جلشانہ خود اپنے بندونکی تعریف کرتا ہے کہ "یدعوننا" کہ ہمسے دعا کرتے ہین۔ جواب اسکا یہ ہے کہ دعا بھی اظہار احتیاج اپنے ہی محبوب سے ہے اسی لئے وہ منافی رضا نہین اور دعا مین لطف مناجات ہے کہ جسکے سبب سے اولیاء اللہ دعا کرتے ہین اور اسمین اظہار جلال اور قدرت اللہ جلشانہ کا ہوتا ہے اور اس حیلہ سے اللہ جلشانہ سے باتین کرنے کا موقع ملتا ہے اور سوا اسکے اور کوئی غرض دعا سے نہین ہے کہ خود اللہ جلشانہ دعا کرنیکا حکم دیتا ہے کہ مجھسے مانگو پس اگر دعا نکرین تو استغنا اور بے پروائی معلوم ہو۔

من ہمیدانم کہ می خواہد دلش	تا بود غوغا بگرد منزلش
میکنم چندان فغان در حضرتش	تا فزود آید ز بالا رحمتش
چیست ادعونی کدامست استلوا	گر نمی خواہد گدایان را غلو
آہ و گریہ بر درش چندان کنم	تا بخود آن غنچہ را خندان کنم

ای اخی دست از دعا کردن مدار	با قبول و بارد آنت چه کار

شیخ ابوالحسن شاذلی فرماتے ہین کہ دعا کرنے والے کو چاہیئے کہ دعا مین ذوق اور فرحت اُسکو مناجات سے ہو اور یہ سمجھے کہ یہ ذریعہ محبوب کی یاد کا ہے۔ قضاء حاجت اور حصول مطلب پر کچھ التفات نکرے جسقدر دیر اجابت مین ہو اُتنا ہی شوق زیادہ ہو اور سمجھے کہ ہم مقبولان بارگاہ الٰہی سے ہین۔ اور مناجات کا ذریعہ اور باتون کا وسیلہ ابھی باقی ہے۔ ایسے ہی دعا کرنے والون کی شان مین مولینا کہتے ہین۔

دل ز حرص مدعا خالی شدہ	ذوق و عجز بندگی حالی شدہ
گر اجابت کرد شان فہو المراد	ورنہ با و بیدار نقد آیند کشاد
ہیچ نبود از دعا مطلوب شان	جز سخن کردن بآن شیرین زبان
در کنند رو لذت آن بیشتر	بہر تقریب سخن بار دگر

بلاشبہہ اس قسم کی دعا اور اسطرح کی اجابت اصل عبادت اور مغز عبادت ہے اور اس سے آپ کا یہ قول ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اسطرح پر خدا کو پکارتا ہے خدا اُسکو قبول کرتا ہے اور آپکا یہ ارشاد بھی بالکل مذہب کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ دعا عبادت ہے جو دل سے اور خشوع اور خضوع سے ہو اُسکے قبول کرنے کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے اور وہ کبھی نامقبول نہین ہوتی اور استجابت دعا کی ٹھیک مراد عبادت کے قبول کرنے اور انسان کے دل مین جو حالت کہ صدق دل سے عبادت کرنے مین پیدا ہوتی ہے اُسکے پیدا ہونے کے ہین۔ مگر یہ امر بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ یہ دعا صدیقین اور عارفین اور فنا فی اللہ کے درجہ پر پہنچے ہوؤن کی ہوتی ہے جو لوگ اس درجہ پر پہونچے ہوتے ہوتے ہین وہ کسی غرض اور کسی مقصد کے لئے عالم اسباب پر نظر ہی نہین کرتے بلکہ عالم اسباب کو لاشے محض سمجھتے ہین وہ ملاحظہ وسائط و اسباب سے بالکل بے خبر اور صرف مسبب الاسباب کیطرف متوجہ رہتے ہین۔

صرف الله اعینهم عن ملاحظة الوسائط والاسباب الی مسبب الاسباب ورفع همهم عن الالتفات الی ما عداه والاعتماد علی مدبر سواه فلا یدعون الا ایاه علما بان جمیع اصناف الخلق عباد امثالهم لا ینبغی عندهم الرزق وانه ما من ذرة الا الی الله خلقها وما من دابة الا علی الله رزقها فلما تحققوا انه لرزق عباده ضامن وبه کفیل توکلوا علیه فقالوا حسبنا الله ونعم الوکیل کما قال ذو النون المصری لما سئل عن التوکل ان التوکل خلع الالباب وقطع الاسباب وقال بعضهم ان فی المقدورات اسبابا خفیة سوی هذه الاسباب الظاهرة فلا بد من التعلق لله تعالی فی کل حال وترک کل سبب یوصل الی السبب حتی یکون الحق هو المتولی لذلک فترک الاسباب ثقة بالله تعالی۔

خدانے انکی آنکھون کو وسائط اور اسباب سے ہٹاکر مسبب الاسباب کی طرف پھیر دیا ہی۔ اور انکی ہمتون کو اس سے زیادہ بلند کر دیا ہی کہ وہ سوائے مسبب الاسباب کے کسی دوسرے کی طرف توجہ کرین یا سوائے اسکے کسی دوسری مدبر پر بھروسہ کرین پس وہ اُسی کو پکارتے ہین یہ جانکر کہ ہر قسم کی مخلوق اُسکے بندے ہین انکی طرح۔ انسے رزق نہین طلب کیا جا سکتا۔ کوئی ذرہ نہین ہی مگر یہ کہ وہ خدا کی مخلوق ہی۔ اور کوئی جاندار نہین ہے مگر یہ کہ اُسکا رزق خدا کے ذمہ ہے۔ جبکہ انکو محقق طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ وہ اپنی بندون کے رزق کا ضامن اور کفیل ہی تو انہون نے اُسپر بھروسہ کیا اور وہ بول اُٹھے اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہتر وکیل ہی جیسا کہ ذو النون مصری فرمایا ہی کہ توکل یہ ہے کہ عقل کو دور کردے اور اسباب سے قطع نظر کرے بعض لوگ کہتے ہین کہ مقدورات مین بعض مخفی اسباب ہین جو ان ظاہری اسباب کے علاوہ ہوتے ہین اسلئے کہ ہر حالت مین خدا کے ساتھ تعلق رکھنا اور سلسلہ اسباب کو ترک کر دینا ضروری ہی تاکہ صرف خداوند تعالی ہی مالک ہو جاوے پس اسباب کا ترک کرنا در حقیقت خدا پر توکل کرنا ہے۔

مگر چونکہ عالم معاملہ مین یہ تمثالین اور یہ حالتین نہ بیان کے لایق ہین اور نہ نظیر کے قابل نہ اُسکی تائید ہوسکتی ہے نہ پیروی اسلئے وہ درجہ دعا کا جسکا اُوپر ذکر ہوا اور وہ اجابت جسکی حقیقت اوپر بیان کی گئی ہماری بحث سے خارج ہے۔

ہمکو تو صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ عرفی اور عام معنے دعا کے کیا ہین۔ اور اُسکو کس سبب سے عبادت کہا گیا ہے۔ چنانچہ مین پچھلے خط مین قرآنی شہادت سے ثابت کر چکا کہ دعا کے معنے ہین خدا سے کسی حاجت کا مانگنا۔ اور اس عریضہ مین بیان کر دیا کہ بوجہ اس کے کہ دعا مین خشوع اور خضوع اور ابتہال الی اللہ ہوتا ہے وہ عبادت ہے۔ اور نیز اس بات کو بھی ثابت کر چکا کہ ہر دعا عبادت ہے مگر ہر عبادت دعا نہین ہے۔ یعنی دونون مین عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ اور یہ امر ظاہر بھی ہے کہ دعا مین اگر کوئی امر مضمر نہو اور داعی اُسکو حصول مقصد کے لئے مفید نہ سمجھے تو نہ دعا کرنے والے کے دل مین رجوع الی اللہ کی تحریک پیدا ہوسکتی ہے نہ دعا کرنے سے اُسکا دل تسلی پا سکتا ہے۔ آپ نے اگرچہ دعا کرنے کا سبب نہایت عمدہ اور معقول بیان فرمایا ہے مگر اُس سے میرے دل کو پوری تشفی نہین ہوتی۔ آپ اپنے رسالہ الدعا والاستجابۃ مین تحریر فرماتے ہین کہ انسان کی فطرت مین یہ بات داخل ہے کہ جب اُسپر مصیبت آتی ہے اور اُسکے دل کو اضطرار ہوتا ہے تو وہ کیسیکی طرف استمداد اور استعانت کے لئے رجوع کرتا ہے۔ اگر وہ امر ایسا ہو کہ کوئی انسان اُسکی مدد کر سکتا ہے تو وہ انسان کیطرف رجوع کرتا ہے۔ اور اگر وہ امر کسی انسان کی مدد سے بالاتر ہے تو کسی ایسی ہستی سے امداد چاہتا ہے جو اُسکے نزدیک اُس امر مین مدد کر سکتی ہے مگر خدا نے ہمکو ایاک نعبد اور ایاک نستعین کی تعلیم دی ہے اور اُسکا لازمہ یہ ہے کہ ہم کسی امر مین سوائے خدا کے اور کسی سے مدد نہ چاہین وہ کیسا ہی بڑا اور کیسا ہی چھوٹا ہو۔ مجھے اور تمام مسلمانون کو آپ سے اتفاق ہو جاتا اگر آپ اپنے ان عمدہ الفاظ مین یہ اور بڑھا دیتے کہ جس ہستی سے مدد چاہی جاتی ہے وہ مدد دینے کی

قوت ہی رکھتی ہو اور مدد بہی دیسکتی اور دیتی ہو۔ ورنہ یہ آپ کا پاکیزہ اور عارفانہ بیان جس سے
معرفت اور توحید کا اعلےٰ خیال ظاہر ہوتا ہے۔ مثل ایشیائی شاعرون کی تعریف کے ہم نافہم
آدمیون کے نزدیک حقیقی نہ ٹھہریگا۔ اسلیئے کہ یہ بیان تو آپ کا نہایت شاندار پُراثر اور
معرفت و حقیقت سے بھرا ہوا اور توحید کا لب لُباب ہے۔ اور جس سے عالم اسباب سے
بالکل قطع نظر کرنے کی ہدایت پائی جاتی ہے۔ اور دوسرا ارشاد آپ کا کہ دعا نہ اسباب
حصول مقصد سے ہے نہ اُن اسباب کی جمع کرنے والی ہے۔ اُس سے ایسا متناقض ہے
کہ دونون ایک دماغ کے نکلے ہوئے خیال معلوم ہی نہین ہوتے پہلے ارشاد سے آپکے
دوسرے کو نہ کچہہ اتحاد ہے اور نہ کچہہ مناسبت۔ ایک مین خالص توحید کا جلوہ نظر آتا ہے
دوسرے مین اسباب پر بھروسہ کرنے اور خدا سے سروکار نہ رکھنے کی تاریک تصویر
آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہے۔ ایک مین تو آپ یہ فرماتے ہین کہ ایاک نعبد و ایاک
نستعین پر جو خدا کی تعلیم ہے پورا عمل کرنا۔ اور نہ کسی بڑی نہ کسی چھوٹی چیز مین سوائے
خدا کے دوسرے سے مدد کرنے کی خواہش دل مین لانی چاہیئے۔ اور دوسرے
مضمون مین آپ صاف صاف فرماتے ہین کہ مطلب اُنہین اسباب کے جمع کرنے سے
ہوتا ہے جو خدا نے مقرر کر دیئے ہین۔ اور دعا نہ اُن اسباب سے ہے اور نہ اُن اسباب کی
جمع کرنے والی ہے۔ جسکو صاف اور سیدھے لفظون مین اسطرح پر سمجھنا چاہیئے کہ خدا معینہ
قانون مین جسے قانون قدرت کہا جاتا ہے نہ دخل دیتا ہے اور نہ دے سکتا ہے۔ اور
جسکا نتیجہ لازمی یہ ہوتا ہے کہ ہمکو ایک ایسی بے درد قوت سے پالا پڑتا ہے جسکو ہم سے
نہ ہمدردی ہے اور نہ جسکو ہمارے دُکھ درد کا خیال ہے۔ بلکہ ہمکو خود اپنے لئے اُن اسباب کا
جمع کرنا اور اُنہین پر بھروسہ رکھنا ضرور ہوتا ہے اور کسی دوسری خارجی قوت کو
ہمارے فعل و عمل کے سوا اُسمین دخل نہین۔ ایسے تناقض اور مخالفت کی حالت مین
اگر مین یہ سوال کرون تو قابل معافی ہونگا کہ ان دونون مخالف باتون مین اتحاد

ثابت کرکے مجھے غلط فہمی سے نجات دیجئے۔ مجھے حقیقت مین اپنی فہم پر نہایت افسوس ہوتا ہے کہ مین آپ کی سیدھی عبارت کو بھی نہین سمجھ سکتا۔ اور فطرت انسانی کے معمولی خواص بھی نہین جانتا۔ آپ تو صاف صاف فرماتے ہین کہ انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ مصیبت کے وقت کسیکی مدد اور استعانت چاہتا ہے مگر میری سمجھ مین یہ بات نہین آتی کہ وہ اُس ہستی سے کیونکر مدد کی خواہش کرسکتا ہے جسکو مدد دینے کی طاقت رکھنے والا نہ سمجھتا ہو۔ اور کیونکر کوئی انسان کسی ایسی ذات سے کچھ مانگنے کی جرأت کرسکتا ہے جو دینے سے مجبور و معذور ہو۔ مین اپنی فطرت کو دیکھتا ہون تو مصیبت کے وقت اُسی سے مدد مانگنے کی خواہش میرے دل مین پیدا ہوتی ہے جسکی سخاوت اور فیاضی، مہربانی اور رحم کی امید ہو جسکی نسبت ہمدردی اور دُکھ درد پر خیال کرنے کا یقین ہو، اور جسکو تجربہ یا شہادت یا دیگر وسائل سے مدد کرنے والا سمجھتا ہون۔ یہی خاصہ غالباً بلکہ یقیناً تمام انسانی فطرت کا ہے۔ مگر جبکہ خدا قوانین فطرت کا پابند سمجھا جاوے اور قوانین فطرت بھی وہ جسکو ہم اپنے ناقص تجربہ سے قانون فطرت سمجھتے ہون تو وہ کونسی انسانی فطرت ہوگی کہ ایسے خدا سے مصیبت کے وقت رجوع کریگی اور اُس سے دعا مانگیگی۔ دعا کا خیال تو اُسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جبکہ ہم یہ سمجھین کہ اُس سے مانگنا خود قانون قدرت کا فقرہ ہے۔ اور دعا علت و معلول کی زنجیر کی خود ایک کڑی ہے۔ گو ہم اُس فقرہ اور کڑی کی حقیقت سمجھنے سے عاجز ہون غرضکہ گو دعا کے متعلق آپ نے نہایت لطیف اور پاکیزہ عبارت مین اپنے خیالات ظاہر کئے ہین۔ اور گو آپ نے اکثر آیات اور احادیث کی جو دعا کے متعلق ہین تفسیر اور تشریح بہت عمدگی اور نہایت خوبی سے فرمائی ہے۔ مگر آخر نتیجہ آپکی تقریر کا یہ نکلتا ہے کہ خدا سوائے مقررہ اسباب کے خود نہ مدد کرتا ہے نہ کرسکتا ہے۔ پس جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ اگرچہ ایک نہایت عمدہ و دلفریب اور خوبصورت خدا کی ذات و صفات کی

تصویر ہے خط وخال اُسکے نہایت سچے شبیہ اُسکی نہایت پریشان۔ مگر کسر اتنی ہے کہ اُسمین جان نہین ہے۔ غرضکہ آپ کی دو مختلف تحریرون سے دو مختلف خیال پیدا ہوتے ہین۔ پہلی تحریر ہمارے مطابق ہے اور دوسری ہمارے مخالف۔ پہلے خیال کو جو مانیگا

فیکون قلبه متعلقا بربه معتصما بحبله متوکلا علیه فی جمیع احواله مسند اظهره الیه فی جمیع متصرفاته داعیا له فی جمیع اوقاته سائلا منه کل حوائجه مفوضا الیه سائر اموره۔

اُسکا دل اپنے پروردگار سے لگا رہتا اُسکی رسّی کو مضبوط پکڑتا اور تمام حالتون مین اُسی پر توکل کرتا اور تمام کامون مین اُسیکا سہارا پکڑتا ہے ہر وقت اُسیکو پکارتا اور اپنی تمام ضرورتین اُس سے مانگتا ہے اور اپنے تمام معاملات کو اُسکے سپرد کردیتا ہے۔

اور جو شخص آپ کے دوسرے خیال کی غلطی مین پڑکر اور جو مطلب اصلی آپ کا ہے اُسے نہ سمجھکر صرف اسباب ہی پر نظر رکھیگا۔

فلا ریب فی انه یکون معرضا عن ربه ناسیا ذکره غافلا عن دعائه مشغولا بما خوله من اعراض دنیاه ومکن له فیها وملکه منها فهو لا یذکر ربه الا ساهیا ولا یدعوه الا لاهیا ولا یسئاله الا ابطرا وریاء ویکون معتصما بالدنیا واسبابها ویکون جاهلا بربه فیبقی محجوبا عنه طول عمره فی دنیاه وفی الآخرة اعمی واضل سبیلاه

پس اسمین شک نہین کہ وہ اپنے پروردگار سے منہ موڑنیوالا اور اُسکی یاد کو بھلانیوالا۔ اور اُسکے پکارنے سے غفلت کرنیوالا دنیا اور اوسکے سامان عیش وطرب مین منہمک ہونیوالا ہے وہ نہین یاد کرتا اپنے پروردگار کو مگر بھولے بسرے اور نہین پکارتا اُسکو مگر کھیل کے طور پر اور نہین مانگتا اُس سے مگر بطور شیخی اور ریا کے۔ وہ صرف دنیا اور اُسکے سامان پر بھروسہ کرتا اور اپنے پروردگار سے جاہل ہوتا ہے پس اسلئے وہ تمام عمر اُس سے محجوب رہتا اور آخرت مین زیادہ اندھا اور زیادہ گمراہ ہوتا ہے۔

ساتوان خط

مقام بمبئی - ۲۰ اگست ۱۸۹۵ء

جناب عالی - اب مین اُن اعتراضات کو بیان کرتا ہون جو دعا اور اجابت دعا پر کئے گئے ہین اور اُنکی دو قسمین ہین ایک مذہبی یعنے جو خود اہل مذہب نے بلحاظ مذہبی اصول کے کئے ہین - دوسری علمی جو فلسفہ اور سائینس کے ماننے والے کرتے ہین - اس خط مین مذہبی اعتراضات سے بحث کرتا ہون -

منجملہ اُن اعتراضات کے اہم اور مشکل وہ دو اعتراض ہین جو آپنے اپنے رسالہ "الدعا والاستجابۃ" مین بیان فرمائے ہین" کہ اگر استجابت دعا کے معنے اُس سوال کے پورا کر دینے کے قرار دیئے جائین تو اسمین دو مشکلین پیش آتی ہین - اول یہ کہ ہزارون دعائین نہایت عاجزی اور اضطرار سے کی جاتی ہین مگر سوال پورا نہین ہوتا جسکے معنی یہ ہوتے ہین کہ دعا قبول نہین ہوئی - حالانکہ خدا نے استجابۃ کا وعدہ کیا ہے - دوسرے یہ کہ جو امور ہونیوالے ہین وہ مقدر ہین یعنے علم الٰہی مین ہین اور جو نہین ہونے والے ہین وہ بھی علم الٰہی مین ہین اُن مقدرات کے ہرگز خلاف نہین ہوسکتا - پس اگر استجابت دعا کے معنے سوال کا پورا ہونا قرار دیئے جائین تو خدا کا یہ وعدہ ادعونی استجب لکم اُن سوالون پر جنکا ہونا مقدر نہین ہے کسی طرح صادق نہین آسکتا - معہذا ادعونی استجب کا وعدہ عام ہے اور اسمین کوئی چیز اور کوئی شخص مستثنیٰ نہین ہے اور جبکہ ثابت ہے کہ حصول سوال منحصر مقدر پر ہے تو استجابۃ دعا کا وعدہ خدا نے کیا ہے وہ اور کوئی معنے رکھتا ہے" اور پھر آپ نے اُسکے معنے بھی آئندہ جمل کے بیان فرماتے ہین - کہ" استجابت دعا کی ٹھیک مراد عبادت کے قبول کرنے اور انسان کے دلمین جو حالت کہ صدق دل سے عبادت کرنیسے پیدا ہوتی ہے اُسکے پیدا ہونے کی ہوئی" - اور اس تقریر سے آپنے گویا ثبوت اُس قول کا فرمایا جو ابتدا رسالہ مین آپ نے لکھا ہے کہ" دعا کے معنے ندا کے ہین خدا کو پکارنا اور

اُسکی طرف متوجہ ہونا اور اُسکو حاضر سمجھنا اور اُسکے الٰہ اور معبود برحق ہونے کا اقرار کرنا دعاہے۔ اور جو شخص کہ اسطرح پر خدا کو پکارتا ہے خدا اُسکو قبول کرتاہے اور یہی معنی آیہ

ادعونی استجب لکم اور آیہ واذا سألک عبادی عنی فانی قریب أجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی و لیؤمنوا بی لعلھم یرشدون ٥

کہاتیری ربنے دعا کر و مجھسے مین تمہاری دعا قبول کرونگا۔ جب میری بندے میری بابت تجھسے سوال کرین تو کہہ کہ مین نزدیک ہون پکارنیوالا جب مجھو پکارتاہی مین اُسکی پکار کا جواب دیتا ہون پس چاہئے کہ وہ مجھو مانین اور مجھپہ ایمان لائین شاید وہ نیک راہ پر آجائین۔

کے لئے ہین یہ بیان آپکا جیساکہ مین اپنی پچھلے خط مین لکھ چکا ہون۔ ایک طرح سی نہایت صحیح اور درست ہے۔ اور اس بیان مین آپ ہی منفرد نہین ہین بلکہ چھ سو برس پہلے اسی خیال کو امام محی الدین بن عربی بھی ظاہر کر چکے ہین۔ چنانچہ اُنہون نے فتوحات مکیہ کے پانچسو تینتیسوین ۳۳ باب مین آیہ واذا سألک عبادی عنی فانی قریب الخ کی تفسیر مین جو کچھ فرمایاہے اُسے مین نقل کرتاہون وہ اول اشعار لکھتے ہین پھر مضمون مین اُن سب کو بیان کرتا ہون وہ فرماتے ہین۔ کہ۔

ان الدعاء حجاب من لا یشھدہ ھذا ھو الحق الذی لا یجحدہ وھو القریب بعلمہ و بعینہ وھو الذی فی کل حال یشھدہ لکنہ لما دعاک دعوتہ من قبل ذا اعطاک ھذا المشھد فاذا علمت بانہ عین الذی یدعو فمن تدعوہ او من تقصدہ فادعوہ امرالاکن

جو شخص درگاہ الٰہی مین حاضر نہو اُسکے لئے دعا حجاب ہے یہی بات حق ہی ایسی کہ اس سے انکار نہین ہوسکتا اور خداوند تعالی اپنی ذات اور اپنی علم سی قریب ہے اور وہی ہے کہ ہر حال مین موجود ہے لیکن جب اُسکی دعوت نے تجھے طلب کیا اس وجہ سے تجھکو یہ مقام حضوری عطا کیا۔ جب تونے جان لیا کہ وہ وہی ہے جو دعا کرتاہی پھر کسکو تو پکارتاہی اور کسکا تو قصد کرتا ہی۔ اُسی سے مانگ ہر ایک امر۔ اور اُن لوگونمین سے

ممن یری ان الدعاء هو الحجاب
الا بعد ثم اخبر انه یجیب سوال
السائلین فهو اخبار بان بیده
ملکوت کل شیٔ. واخبر بالاجابة
لیتحفظ السائل ویراقب ما یسأل
فیه لانه لابد له من الاجابة
فقد یسال العبد فیما لاخیر له
فیه لجهله بالمصالح فهو تنبیه
من الله وتحذیر ان لا یسئل الا
فیما یعلم ان له فیه الخیر الوافر
عند الله فی الدنیا والآخرة فمن
اخذ هذا الذکر علی جهة التنبیه
فلا یسأل الله تعالی فی حاجة من
حوائج الدنیا علی التعیین لکن
یسئال فیما له خیر فیهما یعلمه
الله مبهما لا یعین فاذا عین ولابد
فلیسئال فیه الخیرة وسلامة الدین
واما التعیینه فی السوال فیما یرجع
الی امر الدین فلیعین ما شاء ولا
مکر فیه ولا غائلة وکذلک فیما یسئال
مما یتعلق بالآخرة ولکن هنا شرط ابینه

مت ہو۔ جو دعا کو بڑا حجاب سمجھتے ہین۔ خداوند تعالی نے
خبر دی ہے کہ وہ سائلین کا سوال قبول فرماتا
ہے پس یہ خبر ہے اس امر کی کہ خداوند تعالی کے
قبضہ قدرت مین ہر امر کی بادشاہی ہے۔ اور نیز
خداوند تعالی نے اجابت کی خبر دی تاکہ سائل اپنے
حال کا تحفظ کرے۔ اور جسکا سوال کرتا ہی اُسمین
تامل کرے اسلئے کہ ہر سوال کی اجابت ضروری ہی
اور بندہ کبھی ایسی چیزین طلب کرتا ہی جسمین اُسکی
بہتری نہین ہوتی بوجہ اسکے کہ وہ مصالح امور کو
نہین جانتا۔ پس خداوند تعالی کا خبر دینا اجابت کا
یہ تنبیہ اور تحذیر ہے اس بات کی کہ بندہ کسی قسم کا
سوال نکرے مگر اُن امور کا جنکو جانتا ہو کہ انکے
مانگنے مین دنیا اور آخرت کی بھلائی اللہ کے پاس
بہتر سے لئے رکھی ہے۔ پس جو شخص کہ اس آیت کو بطور
تنبیہ کے پڑھیگا تو وہ خدا تعالی سے اپنی کسی حاجت کو
دنیا کی حاجتون مین سے معین کرکے نہ مانگیگا۔ بلکہ
اُن امور کا سوال کریگا جنکی بہتری خداوند تعالی نے
اُسکو مبہم طور پر بتلا دی ہو اور تعین کے طور پر
سوال نکریگا۔ اور اگر تعین کریگا تو سوال مین خیریت
اور سلامتی دین کو ضرور ہی طلب کریگا۔ اور ان امور
مین جنکا مرجع دین کی طرف ہے اُنکو معین کرکے

في هذا الذكر من اجل ما نرى
في الواقع من عدم الاجابة لاكثر
الناس فيما يسألون فيه ربهم
فاعلم ان الله اخبر انه يجيب
دعوة الداع اذا دعاه وما دعاه
اياه الا عين قوله حين يناديه
باسم من اسمائه فيقول يا الله
او يا رب او يا ذا المجد والكرم
وما اشبه ذلك فالدعاء نداء
وهو تنبه الله فاجابته هذا القدر
الذي هو الدعوة وبها سمي داعيا
ان يلبيه الحق فيقول لبيك
فهذا لا بد منه من الله في حق
كل سائل ثم ما ياتي بعد هذا النداء
فهو خارج عن الدعاء وقد
وقعت الاجابة كما قال فيوصل
بعد النداء من الحوائج ما قام في
خاطره مما شاء فلم يضمن في هذا
الذكر اجابته فيما سأل فيه ودعاه
من اجله فهو ان شاء قضى
حاجته وان لم يشأ لم يفعل ولهذا

مانگنا سو جو چاہے سو مانگے اسلئے کہ دین مین کوئی
ایسی بات نہین ہے کہ جسمین کوئی خرابی یا نقصان
ہو اور ایسے ہی وہ امور جنکا تعلق آخرت سے ہی
لیکن یہان ایک شرط ہے کہ مین اُسکو بیان کرتا ہون
اس وجہ سے کہ تم اکثر لوگون کو دیکھتے ہو کہ وہ اپنے
رب سے سوال کرتے ہین اور قبول نہین ہوتا۔
جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر اس بات کی دی ہے
کہ وہ داعی کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اُس سے
دعا کرے۔ اور داعی کی دعا خدا سے خاص اُسکا
وہ قول ہے جو دعا کرنے کے وقت اُسکے نامون مین سے
کوئی نام لیکر پکارتا ہے۔ یعنے مثلاً کہتا ہی یا اللہ۔
یا رب۔ یا ذا المجد والکرم۔ اور مثل اس کے۔
پس دعا بمعنے ندا ہے یعنے خداوند تعالیٰ کا متوجہ
کرنا۔ پس اجابت اسی قدر دعا کے لئے چاہئے اور
اسی دعوت کی وجہ سے داعی کو داعی کہتے ہین
اور وہ اجابت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اُس کے
پکارنے کا جواب دے۔ اور وہ جواب یہ ہے
کہ جب بندہ کہتا ہے یا اللہ۔ تو خداوند تعالےٰ
فرماتا ہے لبیک یعنی مین موجود ہون کہو کیا
کہتا ہے۔ پس ہر سائل کے لئے خداوند تعالیٰ کی
طرف اسقدر جواب ہونا ضروری ہے۔

ما کل مسئول فیہ یقضیہ الله لعبدہ وذلك رحمۃ بہ فانہ قد یسئال فیما الاخیر لہ فیہ فلو ضمن الاجابۃ فی ذلك لوقع ویکون فیہ ھلاکہ فی دینہ واخرتہ وربما فی دنیاہ من حیث لا یشعر فمن کرمہ انہ ماضمن الاجابۃ فیما یسئال فیہ وانما ضمن الاجابۃ فی الدعاء خاصۃ کما بیناہ وھذہ غایۃ الکرم من السید فی حق عبادہ حیث ابقی علیھم۔

اور ندار کے بعد جو اور کہتا ہو وہ دعا سے خارج ہے جیسے ہی بندہ نے کہا یا اللہ تو اُسکی اجابت ہوچکی اب ندا کے بعد اپنی حاجات دلی مین سے جو چاہتا ہے ملاتا ہے۔ پس اس آیت کی اجابت مین خداوند تعالی نے اُن چیزون کو کہ جنکا سوال کرتا ہے اور جنکی وجہ سے اسنے دعا کی تھی شامل نہ فرمایا۔ پس اللہ تعالی کو اختیار رہے کہ چاہے اُسکی حاجت کو پورا کرے اور چاہے نکرے۔ اسی لئے یہ نہین ہے کہ جو خدا سے سوال کیا جائے اُسکو خداوند تعالے پورا ہی کردے۔ اور یہ بندہ کے حال پر رحمت ہی اسلئے کہ بسا اوقات ایسی شئے طلب کرتا ہے جسمین بہتری نہین ہوتی۔ پس اگر اجابت اس صورت کو شامل ہوتی تو جو سوال کر رہا ہے وہ ہوتا اور اُسکے ہونے مین بندہ کے دین اور آخرت کی ہلاکی ہوتی۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دنیا ہی مین ہلاکی ہوتی ہے اور بندہ کو خبر نہین ہوتی پس خداوند تعالی کا یہ خاص کرم ہے کہ اُسنے اجابت کو ہر سوال مین شامل نفرمایا اور اجابت کو خاص دعا کے ہی لئے رکھا۔ جیسے کہ ہم ابھی بیان کرچکے۔ اور یہ نہایت ہی کرم ہے آقا کی طرف سے اپنے بندون کے حق مین کہ اس حکم کو اُنپر باقی رکھا" انتہی۔

پھر باب پانچسو چھپن ۵۵۶ مین جہان اسماء حسنے کی تشریح امام موصوف نے کی ہے المجیب کی شرح مین اجابت کے متعلق یہ فرماتے ہین کہ۔

نشم کن مجیبا اذا الا لہ دعا کا وسمیعا مجیب ہو جسوقت کہ اللہ تعالی تمکو پکارے۔ اور

لما دعاك مطيعا ثم اعلم ان الاجابة
على نوعين اجابة امتثال وهي
اجابة الخلق لما دعاه اليه الحق
واجابة امتنان وهي اجابة
الحق لما دعاه اليه الخلق فاجابة
الخلق معقولة واجابة الحق
منقولة لكونه تعالى اخبرها
عن نفسه واما اتصافه بالقرب
في الاجابة فهو اتصافه بانه
اقرب الى الانسان من حبل
الوريد فنسبة قربه من عبده
قرب الانسان من نفسه اذا دعا
نفسه لامر ما تفعله فتفعله فما
بين الدعاء والاجابة الذي هو
السماع زمان بل زمان الدعاء
زمان الاجابة فقرب الحق من
اجابة عبده قرب العبد من اجابة
نفسه اذا دعاها ثم ما يدعوها
اليه يشبه في الحال ما يدعو العبد
ربه اليه في حاجة مخصوصة
فقد يفعل له ذلك وقد لا يفعل

جس لئے پکارتا ہی اُسکو سُن اور فرمانبرداری کر-
پھر جاننا چاہیئے کہ اجابت کی دو قسمین ہین ایک
اجابت امتثال ہی یعنے خلق کا قبول کرنا جسوقت
کہ حق تعالی اُنکو اپنی طرف بلاوے دوسری
اجابت امتنان ہے یعنی خداوند تعالی کا قبول
کرنا جب خلق اُسکو پکارے پس اجابت خلق
تو معقول ہی اور اجابت حق منقول ہے اس
وجہ سے کہ خداوند تعالی نے اجابت کی خبر دی ہے
کہ مین قبول کرونگا اور خداوند تعالی کا اجابت
مین قرب سے متصف ہونا ایسا ہی جیسا کہ اُسکا
متصف ہونا اس قرب سے کہ وہ انسان سے
اُسکی رگ گردن سے زیادہ قریب ہی- پس
اُسکی نسبت بندہ سے قریب ہونے کی ایسی ہی
جیسے کہ انسان کا قریب ہونا اپنے نفس سے
اُسوقت کہ انسان اپنے نفس کو کسی کام کے
کرنے کے لئے متوجہ کرے جو کرتا ہو- پس دعا
اور اجابت مین جو بمعنے سُننے کے ہے زمانہ نہوگا
بلکہ جو دعا کا زمانہ ہے وہی اجابت کا زمانہ ہی
پس اپنے بندہ کی اجابت سے خداوند تعالی کا
قریب ہونا ایسا ہے جیسا کہ بندہ کا اپنی نفس کی
اجابت سے قریب ہونا- جبکہ انسان نفس کو

کذلک دعاء العبد نفسه الی امر ما قد یفعل ذلک الامر الذی دعاه الیه وقد لا یفعل لامر عارض یعرض له۔

کسی کام کے لئے متوجہ کرے۔ پھر بندہ کا نفس کو اپنی طرف متوجہ کرنا اس حال کے مشابہ ہے کہ بندہ اپنے رب کو ایک حاجت خاص مین اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور اُسکو پکارتا ہے تو خداوند تعالیٰ کبھی اُسکی حاجت کے مطابق کردیتا ہے اور کبھی نہین کرتا۔ ایسے ہی بندہ کا اپنے نفس کو کسی امر کیطرف رغبت دلانا ہے کہ نفس کبھی اُسکو مان جاتا ہے جسکی طرف رغبت دلاتا ہے اور کبھی نہین مانتا بوجہ کسی امر کے جو بیچ مین پیش آجاتا ہے" انتہیٰ۔

مولنا معنوی نے بھی اسی مضمون کو ایک حکایت کے پیرایہ مین بیان فرمایا ہے وہ اپنی مثنوی مین فرماتے ہین۔

آن یکے الله مے گفتے شبے ۔۔۔ تا کہ شیرین گردد از ذکرش لبے
گفت شیطانش خمش اے سخت رو ۔۔۔ چند گوئی آخر اے بسیار گو
این ہمہ الله گفتی از عتو ۔۔۔ خود یکے الله را لبیک کو
می نیاید یک جواب از پیش تخت ۔۔۔ چند الله می زنی با روے سخت
او شکستہ دل شد و بنہاد سر ۔۔۔ دید در خواب او خضر را در خضر
گفت ہین از ذکر چون واماندهٔ ۔۔۔ چون پشیمانی از ان کش خواندهٔ
گفت لبیکم نمی آید جواب ۔۔۔ زان ہمی ترسم کہ باشم رد باب
گفت خضرش کہ خدا گفت این بمن ۔۔۔ کہ برو با او بگو اے ممتحن
گفت ان الله تو لبیک ماست ۔۔۔ این نیاز و سوز و دردت پیک ماست
نے ترا در کار من آوردہ ام ۔۔۔ نے کہ من مشغول ذکرت کردہ ام
حیلہا و چارہ جویہاے تو ۔۔۔ جذب ما بود و گشاد آن پاے تو

ترس و عشق تو کمند لطف ماست — زیر ہر یارب تو ئی لبیک ماست
چونکہ نالد زار بے شکر و گلہ — افتد اندر ہفت گردون غلغلہ
ہر دمے صد نامہ صد پیک از خدا — یاربے زو شصت لبیک از خدا

اس سے بلا شبہہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس دعا کی اجابت کا خدا نے حتمی وعدہ فرمایا ہے وہ صرف اُسکا پکارنا ہے اور اس سے یہ اعتراض غلط ثابت ہوتا ہے کہ خدا اسنے ہر دعا کی اجابت کا وعدہ کیا ہے اور سوال کے پورا نکرنے سے اُسکے وعدہ کا خلف لازم آتا ہے۔ اور ہمکو کسی بندہ کے کلام سے استدلال کی ضرورت ہی نہین ہے بلکہ اس امر کو کہ ہر دعا کی اجابت کا وعدہ خدا اسنے نہین کیا خود خدا نے اپنے کلام مین دوسری جگہ بیان فرما دیا ہے جس سے دعا کی اجابت کا مقید اور مشروط ہونا ثابت ہوتا ہے۔

امام فخر الدین رازی آیہ واذا سئالک عبادی عنی فانی قریب کی تفسیر مین بیان فرماتے ہین کہ اس آیۃ مین ایک مشہور مشکل سوال ہے وہ یہ ہے کہ۔

فی الاٰیۃ سوال مشکل مشہور وھو انہ تعالیٰ قال ادعونی استجب لکم وقال فی ھذہ الاٰیۃ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان وکذلک امن یجیب المضطر اذا دعاہ ثم انا نرے الداعی یبالغ فی الدعاء و التضرع فلا یجاب والجواب ان ھذہ الاٰیۃ وان کانت مطلقۃ الا انہ قد وردت اٰیۃ اخری مقیدۃ وھو قولہ تعالیٰ بل ایاہ تدعون

خداوند تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہی کہ تم مجھسے دعا مانگو مین قبول کرونگا۔ اور اس آیۃ مین فرمایا ہے کہ دعا مانگنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہون جس وقت کہ وہ مجھسے مانگے۔ اور ایسے ہی فرمایا ہے کہ کون ہی کہ جب مضطر دعا کرے اور وہ اُسکی دعا قبول کرے۔ پھر ہم دیکھتے ہین کہ داعی دعا اور تضرع مین نہایت ہی مبالغہ کرتا ہے اور قبول نہین ہوتی جواب یہ ہی کہ یہ آیت اگرچہ مطلق ہے مگر دوسری آیت مقید نازل فرمائی اور وہ یہ ہے بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء

فيكشف ما تدعون اليه ان شاء
ولاشك ان المطلق محمول على
المقيد ثم تقرير المعنى فيه وجوه
احدها ان الداعي لابد ان يجد
من دعائه عوضا اما اسعافا بالطلبة
التي لاجلها دعا وذلك اذا وافق
القضاء فاذا لم يساعده القضاء
فانه يعطى سكينة في نفسه وانشراحا
في صدره وصبرا يسهل معه احتمال
البلاء الحاضر وعلى كل حال فلا
يعدم فائدة وهو نوع من
الاستجابة وثانيها ما روى
القفال في تفسيره عن ابي سعيد
الخدري قال قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم دعوة المسلم
لا ترد الا لاحدى ثلاث ما لم يدع
باثم او قطيعة رحم اما ان يعجل له
في الدنيا واما ان يدخر له في
الاخرة واما ان يصرف عنه من
السوء بقدر ما دعا وهذا الخبر
تمام البيان في الكشف عن هذا

کہ خدا ہی سے دعا مانگو کہ وہ جو کچھ اُس سے مانگوگے
اگر چاہیگا پورا فرمائیگا۔ اور اسمین شک نہین کہ
مطلق مقید پر محمول ہوا کرتا ہے۔ اب معنونکی تقریر
اسمین کئی طرح پر ہے۔ اول یہ کہ داعی کے لئے ضرور ہے
کہ اپنی دعا کا عوض پاوے یعنے اُسکا سوال پورا
کردین جسکے لئے اسنے دعا مانگی اور یہ جبھی ہوگا
جبکہ دعا قضا کے موافق ہوگی۔ اگر قضا کے موافق
نہوئی تو داعی کے نفس مین تسکین اور سینہ مین
انشراح ہوگا اور صبر اُسپر آسان ہوگا اسلئے کہ
احتمال ہے کہ طلب کے ساتھ کوئی مصیبت ہو
پس بہر حال فائدہ سے خالی نہوگا۔ اور یہ بھی
ایک طرحکی اجابت ہے۔ دوسرے یہ کہ قفال نے
اپنی تفسیر مین ابی سعید خدری سے روایت کی ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کی
دعا رد نہین ہوتی تین باتون مین سے ایک ضرور
ہوتی ہے جبتک کہ کسی گناہ کے لئے یا قطع رحم کیلئے
دعا نکرے۔ (۱) یا تو دنیا ہی مین اُسکی دعا کی
اجابت جلد ہوجاتی ہے (۲) یا اُس کے لئے
آخرت مین جمع کردی جاتی ہے (۳) یا بقدر اُسکی
دعا کے اُس سے بُرائی دور کردی جاتی ہے۔
پس اس حدیث سے اس سوال کا پورا پورا

السؤال لانه تعالى قال ادعونی
استجب لكم ولم يقل استجب لكم
فی الحال فاذا استجاب له ولو فی
الآخرة كان الوعد صادقا وثانيها
ان قوله ادعونی استجب لكم
يقتضی ان يكون الداعی عارفا
بربه والا لم يكن داعيا له بل لشیٔ
متخيل لا وجود له البتة فثبت
ان شرط الداعی ان يكون عارفا
بربه ومن صفات الرب سبحانه
ان لا يفعل الا ما وافق قضاؤه
وقدره وعلمه وحكمته فاذا
علم العبد ان صفة الرب
هكذا استحال منه ان يقول بقلبه
وبعقله يا رب افعل الفعل الفلانی
لا محالة بل لابد وان يقول افعل
هذا الفعل ان كان موافقا لقضائك
وقدرك وحكمتك وعند هذا
يصير الدعاء الذی دلت الاية
على ترتيب الاجابة عليه مشروطا
بهذه الشرائط وعلى هذا التقدير زال السؤال۔

جواب حاصل ہو گیا۔ اس لئے کہ خداوند تعالیٰ نے
فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا مانگو مین دعا قبول کرونگا
اور یہ نہین فرمایا کہ ابھی قبول کرتا ہون پس
جب اُسکی دعا قبول فرمائی اگرچہ آخرت ہی مین ہو
تو وعدہ سچا ہوا۔ تیسرے یہ کہ قول خداوندی
ادعونی استجب لکم چاہتا ہے کہ داعی اپنے
رب کا عارف ہو ورنہ اُس سے دعا کرنیوالا نہوگا
بلکہ ایک شے متخیل ہوگی کہ جسکا وجود نہو۔ پس ثابت ہوا
کہ داعی کی شرط یہ ہو کہ اپنے رب کو پہچانتا ہو۔ اور
اللہ سبحانہ کی صفات مین سے یہ بات ہو کہ وہ کسی
کام کو نہین کرتا جبتک کہ اُسکی قضا و قدر اور حکمت کے
مطابق ہو۔ جب بندہ نے یہ جان لیا کہ میرے رب کی
یہ صفت ہو تو محال ہو کہ اپنے قلب اور عقل سے
یہ کہے کہ ای رب فلانے کام کو ضرور ہی کردے بلکہ اگر
یون عرض کرے کہ اس کام کو کردے
تیری قضا اور قدر اور حکمت کے مطابق ہو۔ پس
اس وقت وہ دعا جسکی ترتیب اجابت پر آیت
مین دلیل ہے ان شرائط کے ساتھ مشروط
ہوگی۔ اس تقدیر پر سوال جاتا رہا اور اشکال
مرتفع ہوا۔ انتہیٰ۔

سوائے اس کے جسطرح قرآن مجید سے انبیاءؑ کی اکثر دعاؤن کا قبول ہونا پایا جاتا ہے
اُسی طرح اُس سے بعض دعاؤن کا مقبول نہونا بلکہ بعض پر زجر و تنبیہ کا ہونا بھی ثابت
ہوتا ہے جیسا کہ مین اپنے پچھلے خط مین لکھ چکا ہون کہ جس وقت حضرت موسےٰ نے دعا کی
رب ارنی انظر الیک تو چونکہ یہ دعا خدا کے درجہ عزت اور جلال اور جمال کے شایان
نہ تھی اُسکا یہ جواب ملا کہ۔ لن ترانی اور اُسپر حضرت موسے علیہ السلام اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر
معذرت کرنے اور یہ کہنے لگے کہ سبحانک تبت الیک وانا اول المؤمنین۔ اُسیطرح
جب حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کے بچانے کے لئے دعا کی کہ رب ان ابنی من اھلی
وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین اسمین حضرت نوحؑ نے غلطی کی اور خدا کے
وعدہ کو تمام دعاؤن کے قبول کرنیکے اوپر محمول کرکے اپنے نااہل فرزند کے بچانے کی
دعا کی جسکے جواب مین بجائے قبول کرنے دعا کے خدا نے فرمایا یا نوح انہ لیس من
اھلک انہ عمل غیر صالح کہ اے نوح یہ تیرے اہل مین سے نہین ہے کیونکہ یہ صالح
نہین ہے اور اسی پر اکتفا نہین کی بلکہ اس موقع پر تنبیہ بھی فرمائی کہ میرا وعدہ غلط
نہین ہوتا یہ خود تیری غلطی ہے کہ جو تو میرے وعدہ کو ایسا سمجھتا ہے اور جس چیز کا
تجھے علم نہین ہے اُسکا تو سوال کرتا ہے فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم انی
اعظک ان تکون من الجاھلین۔ پس یہ ارشاد صاف بندون کو متوجہ کرتا ہے
اس بات پر کہ وہ ایسا سوال ہی نکرین اور نہ جاہلانہ دعاؤن کے قبول ہونے کی امید
رکھین۔ اور جاہلانہ دعائین کیا ہین خدا سے ہر چیز کی جو اُسکی مشیت اور اُسکی قضا و قدر کے
خلاف ہے قبول ہونے کی امید رکھنا بلکہ ہر دعا مین پہلے ہی سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو
دعا اُسکی مشیت اور اُسکی قضا و قدر کے موافق ہوگی وہی قبول ہوگی۔ نہ یہ کہ جو دعا بندہ
کریگا اور جو سوال وہ خدا سے مانگیگا وہ موافق اُسکی نفسانی خواہش کے قبول ہوگی۔
اگر آپ اپنے رسالہ "الدعاء والاستجابۃ" اور تفسیر مین دعا کو اسباب حصول مقصود

خارج نکرتے تو مجھے آپ کی دعا اور اجابت کے معنی مین کچھہ اعتراض نہوتا۔ میرا اعتراض آپ پر فقط یہ ہے کہ آپنے دعا کو صرف ایک رُخ سے دیکھا ہے اور اُسکے صرف ایک پہلو کو جو کہ نہایت ہی عارفانہ اور موحدانہ ہے اختیار کیا ہے باقی دوسرے پہلوؤن کو چھوڑ دیا ہے اور آپ کی تحریر کا مطلب میری سمجھہ مین اور شاید سب پڑہنے والون کی سمجھہ مین یہ آتا ہی کہ آپ عموماً دعا سے امر مسئول عنہ کو خارج کرتے ہین اور سوائے اسباب کے مسبب الاسباب سے دعا کے قبول ہونے کا عقیدہ نہین رکہتے ٭ اور یہ عقیدہ آپ کا میرے نزدیک غلط ہے۔ سب سے زیادہ وہ خیال جو آپکے مطابق ہے وہ ہے جو حضرت محی الدین بن عربی رح نے ظاہر کیا ہے اور جسے مین اوپر لکھہ چکا ہون۔ مگر وہ بہی یہ نہین کہتے کہ دعا اسباب حصول مقصد سے نہین ہے۔ اور نہ وہ یہ کہتے ہین کہ مطلب تو صرف اسباب کے جمع کرنے ہی سے حاصل ہوگا دعا نہ اُسکے اسباب مین سے ہے نہ اُس اسباب کی جمع کرنے والی ہے جسکا نتیجہ گویا یہ ہوتا ہے کہ خدا سے کوئی حاجت مانگنا ہی نہ چاہیئے۔ اور وہ حاجت کو پورا نہین کرتا بلکہ ایک دوسرے موقع پر اُنہون نے دعا کے مقبول ہونے کو صاف صاف قبول کیا ہی اور دعا کرنے مین اوقات کی رعایت کی ہدایت فرمائی ہے۔ وہ فتوحات مکیہ کے آخری باب پانچسو ساٹھہ مین فرماتے ہین کہ

وعلیك بمراعاة الاوقات فی الدعاء مثل الدعاء عند الاذان وعند الحرب	دعا کرنے مین اوقات کی رعایت ضرور کرنی لازم ہے جیسے اذان کے وقت اور جہاد کے وقت
٭ الدعاء الی الله عندنا فرض فرضہ الله علینا کما فرض الصلوٰة الخمس ولاسیما عند الداهیة والاضطرار ولاشك انہ مجیب الدعوات ولانبالی ما سئل عنہ مع الدعاء یعطی (سید احمد)	خدا سے دعا کرنا ہمارے نزدیک ایسا فرض ہے جسکو خدا نے ہمپر فرض کیا ہے جیسا کہ پانچ وقت کی نمازین فرض کی ہین خاصکر مصیبت اور گہبراہٹ کے وقت۔ اسمین شبہہ نہین ہے کہ وہ مجیب الدعوات ہے اور ہمکو اسکی پروا نہین ہے کہ دعا مین جو چیز مانگی جاوے وہ ملے یا نہ ملے۔ (سید احمد)

وعند افتتاح الصلوٰۃ فان المطلوب من الدعاء انما هو الاجابة فيما وقع السؤال فيه من الله واسباب القبول كثيرة وتنحصر في الزمان والمكان والحال ونفس الكلمة التي تذكر الله بها من الذكر حين تدعوه في مسئلة فانه اذا اقترن واحد من هذه الاربعة بالدعاء اجيب الدعاء واقوى هذه الاربعة الاسم ثم الحال۔

اور نماز کے شروع کرنیکے وقت دعا کرنا۔ اس لئے کہ دعا سے مقصود یہ ہی کہ جن چیزون کے لئے سوال کیا ہو اُنمین اجابت ہو۔ اور قبول ہونیکے لئے اسباب بہت ہین اور وہ منحصر ہین زمانہ اور مکان اور حال اور خاص اُس کلمہ مین جسکو تو اپنے سوال مین دعا کے وقت ذکر کرتا ہی۔ پس اگر ان چار مین سے ایک ہی دعا کے ساتھ ملجائیگا تو دعا مقبول ہوگی اور ان چار و نمین سب سے زیادہ قوی اللہ تعالیٰ کا نام ہے پھر دوائی کی حالت ہے۔ یہان امام محی الدین بن عربی نے صاف صاف فرمایا ہے ”فان المطلوب من الدعاء انما هو الاجابة فی ما وقع السؤال فیہ من اللہ“ کہ مطلوب دعا سے قبول ہونا اُس سوال کا ہے جو خدا سے کیا گیا ہو اور پھر اُسپر فرماتے ہین کہ ”واسباب القبول کثیرۃ“ کہ قبول کے اسباب بہت ہین ”فانہ اذا اقترن واحد من الاربعۃ بالدعاء اجیب الدعاء“ کہ جسوقت کوئی اُن اسباب قبول سے دعا متصل ہوگی تو وہ دعا قبول کی جائیگی یعنے وہ مطلوب حاصل ہوگا۔ اگر آپ بھی اسباب کو اسی طرح بیان فرماتے تو مجھے آپ سے پھر کچھہ مخالفت نہوتی۔ یہ اعتراض کہ بہت سی دعائین قبول نہین ہوتین جیسا کچھہ بحث اور مشکل خیال کیا جاتا ہے درحقیقت ویسا نہین ہے اسلئے کہ خدا نے نہ سب دعاؤن کے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے نہ کسی آیۃ سے قرآن مجید کے اس وعدہ کا ثبوت ہوتا ہے۔ بلکہ جیسا ہم اوپر بیان کرچکے دعا کی اجابت مقید اور مشروط ہے البتہ اُسپر یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر سب دعائین قبول نہین ہوتین تو دعا کرنے سے حاصل ہی کیا ہے۔ چنانچہ یورپ کے علما جو تمام چیزونمین

تجربہ اور محسوسات اور واقعات کو دیکھتے ہین دعا کے مسئلہ کو بھی اپنی تحقیقات سے نہین چھوڑا اور منکرین دعا نے نہ صرف قیاس اور خیال سے کام لیا بلکہ مثل اور چیزون کے دعا کے نتایج بھی علم الاعداد سے ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تاکہ تحقیقات سے بذریعہ رقوم اور ہندسون کے اس بات کو ثابت کیا جائے کہ جسقدر دعائین نامقبول ہوئی ہین اُنکی تعداد بہت زیادہ ہے بمقابلہ اُن دعاؤن کی تعداد کے جو مقبول ہوئی ہین۔ چنانچہ ایک عالم جیلٹ نامی فیلو ٹرنٹی کالج ڈبلن اپنے لکچرون مین جو ۱۸۸۰ء مین چھپے ہین ایک عجیب تجربہ کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ہسپتالی تجربہ کیا جائے یعنے ایک ہی ہسپتال کے دو حصونکو جدا جدا کیا جائے اور انمین ایک ہی قسم کے بیمار بھیجے جائین اور بہت احتیاط اُن بیمارون کے تقسیم کرنے مین کی جائے اور برابر برابر دونون جدا جدا حلقون مین رکھے جائین۔ ایک حصہ کے بیمارون کے لئے مذہبی آدمیون سے کہا جائے کہ وہ بیمارون کی صحت کے لئے دعا مانگین اور دوسرے کے بیمارون کو بغیر دعا کے چھوڑدین اور پھر یہ دیکھا جائے کہ کسقدر فیصدی بیمار دعاؤن سے اچھے ہوئے اور کتنے بغیر دعا کے۔ اگرچہ معلوم نہین ہوتا کہ خاص اس معاملہ کا تجربہ کیا گیا۔ مگر مسٹر گیلٹن اور دیگر مصنفین نے ایسے اعداد جمع کئے ہین جو بحیثیت مجموعی دعا کے اصول کے خلاف ہین۔ مثلاً مسٹر گیلٹن کہتے ہین کہ جتنے جہاز مشنریون کے سمندر مین جاتے ہین وہ بھی بحساب اوسط ویسے ہی غرق ہوتے ہین جیسے دیگر جہاز۔ اور نیز بیشمار مثالین ایسی دعاؤن کے ملنے کی بیان کی گئی ہین جو مقبول نہین ہوئین اور مقبول دعاؤن کی مثالین ایسی شاذ نادر ہین کہ نامقبول دعاؤن کی بیشمار مثالون کے سامنے اُنکا گویا شمار ہی نکرنا چاہیئے چنانچہ ایک منکر دعا سے ایک مذہبی آدمی نے منت کی وہ تختیان جو شکستہ جہاز کے ملاحون نے اپنی جان بچنے کے شکریہ مین اور دعا کے قبول ہونے کے ثبوت مین نصب کی تھین دکھا کر یہ کہا کہ دیکھو یہ خدا کی قدرت اور دعا کی اجابت کی کیسی نمایان علامتین

اور کیسی کھلی ہوئی نشانیاں ہین منکر دعا نے اُسکے جواب مین کہا کہ اُن مظلوم بچون اور عورتون اور جوانون اور بوڑھون کی تختیان کہان نصب ہین جنکو ڈوبنے سے پہلے جسقدر مہلت ملی تھی وہ دعا مین خرچ کی اور جنہون نے موت کی خوفناک صورت دیکھکر خدا کا دامن پکڑا اور جن کا خدا سمندر کی لہرون اور دریا کی موجون کے پنجون سے اُنکو نہ بچا سکا۔ مگر درحقیقت بہت سی دعاؤن کا مقبول نہونا بھی دعا کے موثر اور مفید ہونیکے عقیدہ کو باطل نہین کرتا۔ اسلئے کہ نیچر کا عمل جیساکہ جسمانی عالم مین ہے ویسا ہی روحانی عالم مین بھی ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو صرف تدبیر کے قائل ہین اور صرف ظاہری اسباب کے جمع کرنے مین مصروف رہتے ہین اور جو ہر عمل کے نتیجہ کے معتقد ہین وہ بھی جسوقت مادی عالم کو دیکھین تو اُس بات کو قبول کرینگے کہ اُنکے مادی عمل بہت سے ضائع بیکار اور غیر نتیجہ ہوتے ہین۔ کتنے بیج زمین مین ڈالے جاتے ہین اور اُنمین سے کتنے بارآور ہوتے ہین اور کتنا بڑا حصہ اُسکا ضائع اور بیکار جاتا ہے مگر باوجود اسکے کوئی اُن ضائع شدہ بیجون کو ضائع اور غیر مفید نہین سمجھتا۔ بلکہ نہ صرف خدا کے ماننے والے بلکہ صرف نیچر ہی پر اعتقاد رکھنے والے بھی اس بات کو مانتے ہین کہ جو بیج زمین پر ڈالا جاتا اور جو بظاہر ضائع معلوم ہوتا ہے اُسکا بھی کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور حاصل ہوتا ہے اور خدا کے ماننے والے تو اسپر یقین کرتے ہین کہ ایک دانہ بھی اُن دانون مین سے جو زمین مین ڈالا گیا بیکار نہین ہوتا۔ اور کسی دوسرے مقصد کے لئے خدا کا کوئی فرشتہ اُسے اُٹھا کر لیجاتا ہے غرضکہ جبکہ نہ نیچر مین نہ مذہب مین کوئی ایسی شے مانی جاتی ہے جسکو تضییع عمل کہہ سکین، اور مادی عالم مین کوئی عمل باوجود ضائع ہونیکے ضائع نہین سمجھا جاتا' تو روحانی عالم مین روحانی عمل جنمین سے ایک دعا بھی ہے صرف ظاہری اثر پیدا نہونے کی وجہ سے کیون ضائع سمجھی جاوے اور باوجودیکہ علمی شہادتین کہ نیچر مین کوئی عمل ضائع نہین ہوتا اور کائنات مین تضییع عمل کوئی چیز نہین ہے۔

اور انسان کے ہر عمل اور ہر کام کا کوئی ظاہری یا پوشیدہ نتیجہ ہوتا ہے کیون ہم مذہبی آدمی ہو کر اس بات کا یقین نہ رکھین کہ دعا بھی ضائع نہین ہوتی اور وہ بھی بیکار اور بے مصرف نہین جاتی۔ پس بعض دعاؤن کا قبول نہونا دعا کے خلاف پر در حقیقت کوئی کافی اور عمدہ دلیل نہین ہے

وانك تعلم يا سيدي ان الموجودات كلها مستندة الى ارادة الله وقدرته وعنايته التي هي علمه بوجه الخير في النظام وارتباط اجزاء النظام بعضها ببعض وترتب المسببات على الاسباب۔ فاعلم ان من جملة اسباب الكون وعلله وجود الداعي ودعاؤه فكما ان من اسباب حصول الفعل وجود زيد مثلا وعلمه وقدرته وارادته واختياره فكذلك الدعاء والطلب من الله والالحاح والتضرع من جملة اسباب الانجاح وحصول المراد والمقترح باذن الله۔ وهو الذي جعل الدعاء سببا لوجود المطلوب كما جعل سبب صحة المريض شرب الدواء۔

(محسن الملک)

ای میرے آقا آپکو معلوم ہے کہ تمام موجودات خداوند تعالی کے ارادہ اور اُسکی قدرت اور اُسکی عنایت کے سہارے پر ہین جس سے مراد اُسکا وہ علم ہو کہ بطور خیر کے نظام عالم اور اُسکے اجزا کے باہمی ارتباط اور اسباب اور مسببات کے تعلق کی نسبت ہے پس آپکو معلوم ہونا چاہیئے کہ منجملہ اسباب و علل کے ایک سبب داعی کا وجود اور اُسکی دعا بھی ہے پس جسطرح مثلاً زید کا وجود اور اُس کی قدرت اور اختیار وقوع فعل کا سبب ہوتا ہے اسیطرح دعا اور خدا کی جناب مین سوال کرنا اور تضرع خدا کے حکم سے منجملہ اسباب کامیابی و حصول مراد ہونگے اُسی نے دعا کو سبب حصول مقصد بنایا ہی جسطرح دوا کو مریض کے لئے شفا بنایا ہے

آٹھوان خط

مقام بمبئی۔ ۲۶ اگست ۱۸۹۵ء

جناب عالی۔ اب مین آپ کے دوسرے اعتراض سے جو دعا کی نسبت ہی بحث کرتا ہون۔ آپ اپنے رسالہ الدعا والاستجابت مین فرماتے ہین کہ "استجابت دعا کے معنے اس سوال کے پورا کردینے کے قرار دیئے جائین تو دوسری مشکل یہ پیش آتی ہے کہ جو امور ہونے والے ہین وہ مقدر ہین ہین یعنے علم آلہی مین ہین اور جو نہین ہونیوالے ہین وہ ہی علم آلہی مین ہین اُن مقدرات کے برخلاف ہرگز نہین ہوسکتا۔ پس اگر استجابت دعا کے معنے سوال کا پورا ہونا قرار دیئے جائین تو خدا کا یہ وعدہ کہ ادعونی استجب لکم اُن سوالون پر جنکا ہونا مقدر نہین ہے کسیطرح صادق نہین آسکتا"۔ یہ ایک پُرانا اعتراض ہے جو ہمیشہ سے دعا پر ہوتا رہا ہے اور اسلام کے علمار وحکمار نے اپنے اپنے مذاق کے موافق اُسکے جواب دیئے ہین۔ امام فخرالدین رازی نے اس اعتراض کو اس طور پر بیان فرمایا ہے کہ"

احدھا ان المطلوب بالدعاء ان کان معلوم الوقوع عند اللہ تعالی کان واجب الوقوع فلا حاجۃ الی الدعاء وان کان غیر معلوم الوقوع کان ممتنع الوقوع فلاحاجۃ ایضا الی الدعاء وثانیھا ان حدوث الحوادث فی ھذا العالم لا بدمن انتہائھا بالاخرۃ	دعا سے اگر ایسی شے مطلوب ہی جسکا وقوع مین خدا کے علم مین تھا تو وہ ضرور واقع ہوگی دعا سے کیا فائدہ۔ اور اگر ایسی چیز مطلوب ہے جو ہرگز وقوع مین نہ آئیگی تو اُسکا طلب کرنا ہی دعا سی بیکار اور عبث ہے دوسرا اعتراض یہ ہے کہ دنیا مین جسقدر حوادث ظہور مین آتے ہین اُنکے سلسلہ کا ایک موثر قدیم واجب لذاتہ پر ختم ہونا ضرور ہے ورنہ یا تو تسلسل لازم آئیگا

الی المؤثر القدیم الواجب لذاته
والا لزم اما التسلسل واما الدور
واما وقوع الحادث من غیر مؤثر
وکل ذلک محال واذا ثبت وجوب
انتهائها بالآخرة الی المؤثر القدیم
فکل ما اقتضی ذلک المؤثر القدیم
وجوده اقتضاء قدیما ازلیا کان
واجب الوقوع وکل ما لم یقتض
المؤثر القدیم وجوده اقتضاء
قدیما ازلیا کان ممتنع الوقوع واما
ثبتت هذه الامور فی الازل
لم یکن للدعاء البتة اثر ولما عبروا
عن هذا الکلام بان قالوا الاقدار
سابقة والاقضیة متقدمة والدعاء
لا یزید فیها وترکه لا ینقص شیئا
منها فای فائدة فی الدعاء وقال
علیه الصلوة والسلام قدر الله
المقادیر قبل ان یخلق الخلق بکذا
وکذا عاما وروی عنه علیه
الصلوة والسلام انه قال جف القلم
بما هو کائن وعنه علیه الصلوة

یا دور یا حوادث کا بغیر کسی موثر کے وقوع مین
آنا۔ اور یہ سب محال ہے۔ پس جب ان حوادث
کے سلسلہ کا مؤثر قدیم پر منتہی ہونا ضروری
ثابت ہو گیا تو یہ ماننا پڑیگا کہ اس موثر قدیم نے
اپنے قدیم اور ازلی ارادہ سے جس حادثہ کا
وقوع مین آنا چاہا وہ ضرور واقع ہوگا اور
جسکا واقع ہونا اُس نے اپنے ازلی اور قدیم
ارادہ سے نہ چاہا وہ ہرگز واقع نہین ہو سکتا۔
اور جبکہ یہ امور ازل مین مقرر ہو چکے ہین تو دعا
کیا اثر کرتی ہے۔ اس مطلب کو اسطرح بھی
بیان کرتے ہین کہ قضا و قدر کا پہلے ہی تعین ہو چکا
ہے۔ دعا اُسکو زیادہ نہین کرتی اور نہ دعا نکرنے
سے اسمین کمی ہوتی ہے پس دعا سے کیا فائدہ ہے
چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
خدا نے دنیا کے پیدا کرنے سے بہت پہلے
تقدیرون کو معین کر دیا ہے۔ اور فرمایا
کہ جو کچھ ہونے والا ہے اُسکو لکھکر قلم خشک
ہو چکا ہے۔ اور نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ چار چیزین ایسی ہین کہ جو
مقدر ہو چکی ہین۔ زندگی۔ روزی۔ انسان کی
فطرت اور اُس کی عادتین۔ اسکا جواب

والسلام انہ قال اربع قد فرغ منها
العمر والرزق والخلق والخلق
والجواب انما تمنا قصة لان
اقدام الانسان على الدعاء ان كان
معلوم الوقوع فلا فائدة في اشتغالكم
بابطال الدعاء وان كان معلوم
العدم لم يكن الى انكاره حاجة
ثم نقول كيفية علم الله تعالى
وكيفية قضائه وقدره غائبة
عن العقول والحكمة الالهية
تقتضي ان يكون العبد معلقا
بين الرجاء والخوف اللذين
هما تمم العبودية وبهذا
الطريق صححنا القول بالتكاليف
مع الاعتراف باحاطة علم الله
بالكل وجريان قضائه وقدره
في الكل ولهذا الاشكال سألت
الصحابة رسول الله صلى الله
عليه وسلم فقالوا ارأيت اعمالنا
هذه لشئ قد فرغ منه ام امر
يستانفه فقال بل شئ قد فرغ

امام صاحب یہ دیتے ہین کہ اس تقریر مین
تناقض ہے کیونکہ انسان کا اگر دعا پر متوجہ
ہونا خدا کے نزدیک معلوم الوقوع ہے
تو دعا کے ابطال مین کوشش کرنا بیفائدہ
ہے۔ اور اگر معلوم الوقوع نہ تھا تو انکار
کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور نیز ہمارے
نزدیک خدا کا علم اور اُس کے قضا و قدر کی
کیفیت انسانون کی عقل سے پوشیدہ ہے
اور خدا کی حکمت اس بات کی مقتضی ہے
کہ بندہ امید و بیم کے درمیان رہے۔ انہین
دونون سے عبودیت کامل ہوتی ہے۔ اسی
طریق پر انسان کا مکلف ہونا ثابت ہوسکتا ہے
اور ہمارے اس اعتقاد مین کچھ فرق نہیں آتا
کہ خدا کا علم تمام اشیاء پر محیط اور اُس کی
قضا و قدر سے کوئی چیز باہر نہین ہے۔
اصحابؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
اسی مشکل سوال کا جواب طلب کیا تھا انہون نے
عرض کیا کہ ہمارے یہ تمام اعمال مقدر
ہوچکے ہین یا ہر وقت نئے پیدا ہوتے ہین۔
آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
کہ مقدر ہوچکے ہین۔ اصحاب نے عرض کیا پھر

منه فقالوا ففيم العمل اذن قال اعملوا فكل ميسر لما خلق له فانظر الى لطائف هذا الحديث فانه عليه السلام علقهم بين الامرين فرهبهم سابق القدر المفروغ منه ثم الزمهم العمل الذى هو مدرجة التعبد فلم يعطل ظاهر العمل بما يفيد من القضاء والقدر ولم يترك احد الامرين للآخر واخبر ان فائدة العمل هو القدر المفروغ منه فقال كل ميسر لما خلق له يريد انه ميسر فى ايام حياته للعمل الذى سبق له القدر قبل وجوده الا انك تحب ان تعلم ههنا فرق ما بين الميسر والمسخر فتاهت لمعرفته فانه بمنزلة مسئلة القضاء والقدر وكذا القول فى باب الكسب والرزق فانه مفروغ فى الاصل لا يزيده الطلب ولا ينقصه الترك۔

(تفسیر کبیر)

اب عمل سے کیا فائدہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم عمل کئے جاؤ جن اعمال کی قابلیت انسان مین ہے وہ آسانی سے اُسکو کرسکتا ہے✝ اس حدیث کے لطائف پر غور کرو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ سلم نے اُنکو دو حالتون کے درمیان معلق رکھا۔ تقدیر الٰہی سے جو معین ہو چکی ہے اُنکو ڈرایا اور عمل کو بھی اُنپر لازم کیا جو تتمۂ عبودیت ہے ظاہری عمل کو قضا و قدر کے بھروسہ پر ترک کرنیکا حکم نہین دیا اور بتایا کہ عمل کا فائدہ بھی یہی تقدیر معین۔ اس قول سے کہ کل میسر لما خلق له آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مطلب تھا کہ ہر شخص اپنی زندگی مین وہی عمل کرسکتا ہے جو اُسکے لئے مقدر ہوچکا ہے۔ یہان سے معلوم ہوا کہ انسان میسر ہے مسخر نہین یعنے اپنی فطرت کے موافق آزادی سے ہر کام کرسکتا ہے خدا کی طرف سے اُسپر کوئی دباؤ نہین۔ یہ مسئلہ گویا قضا و قدر کے مسئلہ کی مانند ہے۔ اور کسب اور رزق کے بارہ مین بھی یہی کہہ سکتے ہین کیونکہ یہ دونون مقدر ہوچکے ہین۔ طلب کرنے سے رزق زیادہ نہین ہوتا۔ اور نہ طلب کرنے سے اُسمین کمی ہوتی ہے۔

✝ وہ مضمون جو جل شانہ اللہ عزوجل کے عنوان سے آپ نے ربیع الاول کے تہذیب الاخلاق مین لکھا ہے گویا اس حدیث کی نہایت محققانہ اور عارفانہ شرح ہے وللہ درک وعلی اللہ اجرک۔ منہ عفی عنہ۔

ملا صدرالدین شیرازی نے اسفار اربعہ مین اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ"

واما الاشکال بان ما یامر بالدعاء و
الطلب والسؤال والالحاح الانجاح
نیله واعطاء فعله ان کان مما جری
قلم القضاء الازلی بتقدیر وجوده
وارتسم لوح القدر الالهی بتصویر
ثبوته فما الحاجة الی تکلف الطلب
فیه وتجشم السؤال له وان لم یجر به
القلم ولم ینطبع به اللوح قلم الدعاء
وما فائدة الطلب لما یمتنع فیه
حصول المدعاء ونیل المبتغی فندفع
بان الطلب والدعاء ایضا مما جری
به قلم القضاء وانسطر به لوح القدر
من حیث انهما من العلل والشرائط
لحصول المطلوب المقضی والمقدر
وبالجملة فکلما قضی وقدر حصول
امر من الامور فقد قضی وقدر
حصول اسبابه وشرائطه والا فلا
اذا اراد الله شیئا هیئا اسبابه من
جملة الاسباب لحصول الشیئ المدعو له
ودعاء الداعی وتضرعه واستکانته

یہ شبہ اسطرح دفع کیا جا سکتا ہے کہ
دعا اور طلب بھی منجملہ امور مقدرہ کے ہین
اور مطالب مقدرہ حاصل ہونیکے لئے
جیسے اور امور علتین اور شرائط ہین
اُنہین مین سے دعا بھی ہے جس امر کو
خدا نے مقدر کیا ہے تو اُسکے ساتھ ہی
یہ بھی مقدر ہے کہ اُس امر کے موجود
ہونے کی جتنی علتین اور شرائط ہین
وہ بھی موجود ہونگی والا فلا۔
خدا تعالے جس چیز کے پیدا کرنے کا
ارادہ کرتا ہے اُسکے تمام اسباب
مہیا کر دیتا ہے اور اشیاء کے حاصل
ہونے کے جیسے اور اسباب ہین ایسے ہی
دعا کرنے والے کی دعا اور عاجزانہ
حالت بھی ہے۔ بلکہ دعا اور عاجزی کو
حصول مطالب سے ایسی نسبت ہے
جیسے وجود عقل اور ذہن مین فکر
و تامل کو نتائج علمی سے تعلق ہوتا ہے
تو معلوم ہوا کہ دعا بھی بحر حکم الٰہی کی
ایک نہر ہے۔ اور نہر قضاء الٰہی کا

بل نسبة الادعية والتضرعات الى
حصول المطالب ونيل المارب في
الاعيان كنسبة الافكار والتاملات
الى حصول النتائج والعلوم في العقول
والاذهان فثبت ان الادعية والاذكار
جدول من جداول بحار القضاء
وساقية من سواقي انهار القدر۔
(اسفار اربعہ)

وهو (الدعاء) لا ينافي القضاء
كما بيناه في كتبنا الحكمية وعن
ميسر بن عبد العزيز عن ابي عبد الله
قال قال لي يا ميسر ادع ولا تقل
ان الامر قد فرغ منه ان عند الله
عزوجل منزلة لا تنال الا بمسئلة
ولو ان عبدا اسد فاه لم يسئال لم يعط
شيئا فسئال تعط يا ميسر انه ليس من
باب يقرع لا يوشك ان يفتح لصاحبه
فقد ظهر من كلامه ان الدعاء سبب
من اسباب حصول المبتغي فكون
الشيء متوقفا على سببه لا يدافع كونه
مما قضى الله حصوله اذ كما جرى

ایک شبہ ہے۔"
شرح اصول کافی میں اس شبہ کی
نسبت ملا شیرازی یہ لکھتے ہیں "کہ
دعا قضا کے منافی نہیں ہے جیسا کہ
ہم اپنی حکمت کی کتابوں میں بیان
کر چکے ہیں۔ میسر بن عبد العزیز نے
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے
یہ روایت کی ہے کہ اُنہوں نے فرمایا
کہ اے میسر دعا کئے جا اور یہ نہ کہہ کہ جو
کام ہونے والا ہے وہ ہو چکا یعنی قضاء
الٰہی کے موافق جو ہونا ہے وہ ہوگا،
اسلئے کہ خدائے عزوجل کے نزدیک
بعضے درجے ایسے ہیں کہ وہ وہاں تک
بغیر مانگنے کے نہیں پہونچ سکتا۔
اور اگر کوئی بندہ اپنا مُنہ بند کر لے
اور نہ مانگے تو اُسے وہ چیز نہ دیجائیگی۔
پس مانگ جو مانگنا ہو کہ وہ تجھے ملیگی
اے میسر کوئی دروازہ ایسا نہیں ہے
کہ جو ٹھوکا جائے اور وہ نہ کھولا جائے
پس امام علیہ السلام کے کلام سے
ثابت ہوتا ہے کہ دعا ایک سبب ہے

في القضاء حصوله فقد جرى
ايضاً حصول هذا السبب وكونه
مسبباً عنه ومن سخيف ما قال بعض
الظاهرين المتكلمين انه لا فائدة
في الدعاء لان المطلوب ان كان
معلوم الوقوع عند الله تعالى كان
واجب الوقوع والا فلا يقع لان
الاقدار السابقة والاقضية واقعة
وقد جف القلم بما هو كائن فالدعاء
لا يزيد ولا ينقص فيها شيئا وهذا
ظن فاسد وقول سخيف صادر
عن جاهل لا يعرف الحقائق عن
مواضعها واصولها فان الدعاء
مما يقاوم القضاء لا من حيث انه
فعل العبد فانه من هذه الحيثية
مما يحكم فيه القضاء لانه لو لم يقض
عليه ان يدعو لم يكن يدعو ولكن
من حيث ما علمنا الله عز وجل
وقال ادعوا ربكم فان الدعاء من
هذه الحيثية انما ينبعث حيث
ينبعث القضاء فلا تسلط للقضاء

اسباب حصول مقصد سے۔ پس
کسی چیز کا موقوف ہونا اپنے سبب
اسباب کا فراہم نہیں ہے کہ وہ قضاء
الٰہی میں لکھا جا چکا ہے، اسواسطے
کہ جسطرح قضاء الٰہی اُسکے ملنے پر جاری
ہو چکی ہے اسیطرح قضاء الٰہی اسپر بھی
جاری ہو چکی ہے کہ اُس مقصود کے
ملنے کا سبب یہ ہوگا" پھر ملا صدر الدین
اسی مضمون کو اپنے طور پر دوسری
طرح ادا کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ"
دعا کو اسلئے فضول سمجھنا کہ جو کچھ ہونا ہے
وہ ضرور ہوگا دعا سے نہ کوئی چیز
کم ہوتی ہے نہ زیادہ، اُن جاہلوں کا
فاسد گمان اور بیہودہ قول ہے جو
حقایق کو اپنے مواضع اور اصول سے
نہیں پہچانتے۔ دعا قضا کی مقاومت
اس لئے نہیں کرتی کہ وہ بندہ کا
فعل ہے اس لئے کہ اس حیثیت سے
قضا اسپر حکومت کرتی ہے اگر قضاء
الٰہی دعا کرنے کے لئے نہوتی تو داعی
دعا ہی نکرتا بلکہ دعا قضا کے موافق ہے

عليه فان كلا منهما من الله و
لسان العبد والحالة هذه ترجمان
الدعا لانه مادعى بنفسه ولكن
بامر الله عز وجل وكل من فعل
شيئا بامر احد فيده يد الآمر
كما امر الملك بعض خدامه ان
يضرب ابنا للملك فان يد الخادم
والحالة هذه يد الملك ولو كان
اليد يده لم يستطع ان يمدها
الى ابن الملك وليست دون ذلك
يده وانك لتعلم ان الدعاء لا تحكم
على الله وانما يحكم علينا والله
غالب على امره فاذا كان الدعاء
موصول الاصل بالموضع الذى
اتصل به القضاء فالقضاء والدعاء
سواء فيتقابلان والحكم لما غلب
ومن غلب سلب هذا ما ذكره
بعض المحققين۔

اس حیثیت سے کہ خدا نے ہمکو اُسکی تعلیم
کی ہے اور دعا کرنیکا ہمین حکم دیا ہے اس
حیثیت سے دعا اُسی جگہ سے نکلتی ہے جہان سے
قضا کا نفوذ ہوتا ہے۔ پس دعا اور قضا
دونون خدا ہی کی طرف سے ہین پس بندہ کی
زبان اور اُسکی حالت ترجمان دعا ہے
کیونکہ اپنی طرف سے خود دعا نہین کی بلکہ خدا کے
حکم سے۔ اور جو کوئی کسی کے کہنے سے کرے
تو اُسکا کرنا گویا حکم دینے والے کا کرنا ہے
جسطرح بادشاہ اگر اپنے بعض ملازمون کو
اپنے بیٹے کے مارنیکا حکم دے تو خادم کا ہاتھ
اور یہ حالت گویا خود بادشاہ کا ہاتھ ہوتا ہے
اور اس حیثیت سے خادم کا ہاتھ اُسکے بیٹے پر
اُٹھتا ہے۔ ورنہ اگر ہاتھ خادم ہی کا ہاتھ
سمجھا جائے تو کبھی اُسے قدرت نہین ہو سکتی
کہ وہ بادشاہ کے بیٹے کی طرف اُٹھ سکے
غرضکہ یہ بات صاف معلوم ہے کہ دعا
خدا پر اثر نہین کرتی بلکہ خود ہم پر۔ واللہ

غالب علی امرہ۔ اور جبکہ دعا کی اصل وہی ہے جو قضا کی جڑ ہے تو قضا اور دعا دونون برابر ہین
علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر مین اس شبہ کے جواب مین یہ لکھا ہے۔ والسبب
العقلى فيه ان كيفية علم الله وقضائه غير معلومة للبشر غائبة عن

العقول والحکمة الالٰهیة یقتضی ان یکون العبد معلقا بین الخوف و الرجاء الذین بهما تتم العبودیة وبهذا الطریق صححنا القول بالتکالیف مع الاعتراف باحاطة علم الله تعالی وبجریان قضائه وقدره فی الکل وما روی عن جابر انه جاء سراقة بن مالک بن جعشم فقال یا رسول الله بین لنا دیننا کانا خلقنا الان ففیم العمل الیوم فیما جفت به الاقلام وجرت به المقادیر ام فیما یستقبل قال بل فیما جفت به الاقلام وجرت به المقادیر قال ففیم العمل قال اعملوا فکل میسر لما خلق له وکل عامل بعمله مبنه علی ما قلناه فان النبی صلی الله علیه وسلم علقهم بین الامرین رهبهم بسابق القدر ثم رغبهم فی العمل ولم یترک احد الامرین للاخر فقال کل میسر لما خلق له یرید انه میسر فی ایام حیوته للعمل الذی سبق الیه القدر قبل وجوده الا انک یجب ان تعلم الفرق بین المیسر والمسخر کیلا تغرق فی لجة القضاء والقدر وکذا القول فی باب الرزق والکسب والحاصل ان الاسباب والوسائط والروابط معتبرة فی جمیع امور هذا العالم ومن جملة الوسائط والوسائل فی قضاء الاوطار الدعاء والالتماس کما فی الشاهد فلعل الله سبحانه قد جعل دعاء العبد سببا لبعض مناجحه فاذا کان کذلک فلا بد ان یدعو حتی یصل الی مطلوبه ولم یکن شیء من ذلک خارجا عن قانون القضاء السابق وناسخا للکتاب المسطور انتہی کلامہ۔ اسکا مطلب وہی ہے جو امام رازی اپنی تفسیر میں بیان کر چکے۔

اُن بیانات سے جو اوپر نقل کئے گئے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے اور گو خداوند تعالیٰ نے تمام چیزوں کو مقدر کر دیا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہوگا مگر ہمارے عمل اور کسب اور محنت کو خاص دخل ہے اور ہم ہر چیز کے لئے

اسباب پیدا کرنے پر مجبور اور مجبول ہین۔ اور چونکہ وہ چیز جسے تقدیر کہتے ہین پردہ مین
چھپی ہوئی ہے ہمارے افعال اور اعمال اُسکے ظاہر کرنے والے ہین اسلئے ہمکو ہر چیز کیلئے
خواہ جسمانی ہو یا روحانی عالم شہادت سے متعلق ہو یا عالم غیب سے اُسی سڑک پر چلنا
لازم ہے جو خدا نے ہمارے واسطے بنادی ہے تاکہ ہم منزل مقصود پر پہونچین وہ سڑک
کیا ہے اپنی محنت وکسب سے اسباب مہیا کرنا مگر نہ صرف اسباب پر قانع رہنا اور اُسپر
بھروسہ کرنا بلکہ مسبب الاسباب کیطرف ہمیشہ خیال رکھنا۔ اور اُس قوت کا جو ہر چیز
مین اپنا کام کرتی ہے پیش نظر رکھنا اور اُسیکو ہر سبب پر مقدم سمجھنا۔ اور چونکہ پوشیدہ
اسباب بہت سے ایسے ہین جو ہمکو معلوم نہین ہین۔ اور مسبب الاسباب کا تعلق اسباب کے
ساتھ ایسا ہے جسکا راز ہمسے پوشیدہ ہے اسلئے بحیثیت ایک مذہبی آدمی ہونے کے
ہمکو اپنے عمل مین کامیاب ہونے اور اُن اسباب کے مہیا کردینے کے لئے جو حصول
مقصود کے لئے ہین مسبب الاسباب سے رجوع کرنا اُس سے منت و عاجزی اور
گریہ وزاری سوال کرنا اور دعا مانگنا نہایت ضرور اور لازمی ہے۔ اگر ہم تقدیر پر اسطرح
بھروسہ کرین کہ جو ہونا ہے وہ خود ہوگا اور دعا کو یہ سمجھین کہ یہی ہمارے مقاصد کیلئے
کافی اور یہی ہماری حاجتون کے پورے ہونے کا ذریعہ ہے تو ہم ایک جاہل مسلمان
اور خدا کی سنت اور عادت سے ناواقف اور اُسکے احکام کے برخلاف چلنے والے ہونگے
اور اگر ہم صرف اسباب پر قانع مسبب الاسباب سے بیخبر اور دعا کو اُن اسباب کی
جمع کرنے والی چیزون مین سے نہ سمجھین جو حصول مقصود کے لئے ضروری ہین تو ہماری
عملی زندگی ایک دہریہ یا لا ادریہ سے بہتر نہوگی۔ وہ سیدھا راستہ جو ہمکو منزل مقصود پر
پہونچاتا ہے وہ یہی ہے کہ دعا کو ہم صرف اقوال اور الفاظ اور خیالات ہی پر محدود نہ سمجھین
بلکہ افعال اور اعمال کسب اور محنت سے عملی دعا کو قولی اور خیالی دعا سے ملادین یعنی
اسباب کے جمع کرنے کی کوشش کرین اسلئے کہ دنیا عالم اسباب ہے اور اُسمین کامیابی کیلئے

خدا سے دعا کریں اسلئے کہ وہ مسبب الاسباب ہے۔ اور اسباب کا جمع کرنا اور اُن سے نتائج پیدا کرنا اُسکے اختیار میں ہے اور چونکہ ہمکو معلوم نہیں ہے کہ جسے تقدیر کہتے ہیں اُسمیں ہمارے لئے کیا رکھا ہے اسلئے دعا اُسکے ظاہر کرنے کے لئے ویسا ہی ایک ذریعہ ہے جیسا کہ ہمارا عمل اور ہمارا کسب۔ پس ہم دعا اس لئے نہیں کرتے کہ جو کچھ خدا نے اپنے ارادہ اور مشیت سے ہمارے لئے مقرر کردیا ہے اُسے وہ بدلدے اور ہمارے ارادہ اور خواہش کو اپنی مشیت اور مرضی پر مقدم کرے۔ بلکہ دعا سے یہ مقصود ہے کہ جو اُسکی مرضی اور مشیت ہوا ور اُسکے نزدیک جو ہمارے حق میں مفید ہو اُسے وہ ہمارے لئے ظاہر کرے۔ اس سے نہ اسباب کا ترک کرنا لازم آتا ہے اور نہ اس دنیا کو ایک غیر منتظم عالم سمجھنا نہ تقدیر کی مخالفت اُس سے مقصود ہے نہ خدا کی مرضی و مشیت کا اُس سے پلٹنا منظور۔ اسلئے کہ جب ہم خدا سے دعا کرینگے تو ہم اپنے آپ کو خدا کا جاننے اور ماننے والا بھی سمجھینگے۔ اور جب ہم خدا کے جاننے اور ماننے کا دعوٰی کرینگے تو اُسکے ساتھ ہمکو اس بات کا ماننا بھی لازم ہوگا کہ وہ ہماری مصلحت کو ہمسے بہتر جانتا ہے اور اپنی مرضی اور مشیت ہمارے لئے بدل نہیں سکتا۔ اس یقین پر بھی اگر ہم اپنے اغراض نفسانی کو مقدم سمجھیں اور خدا سے اپنی دعا کے منظور ہونے پر اصرار کریں اور نامقبول ہونے کی صورت میں اُس سے خفا ہو جائیں اور اُس سے بغاوت کرنے لگیں تو درحقیقت ہم نہ مسلمان ہونگے نہ خدا پر ایمان رکھنے والے۔ پس درحقیقت جو شخص خدا کا ماننے والا اور پکا مسلمان اور خدا سے دعا کرنے والا ہوگا وہ وہی کہیگا اور وہی خیال رکھیگا جو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کہتے آئے اور سمجھتے رہے ہیں کہ

لا ابالی اصبحت غنیا او فقیرا فانی لا ادری ایھما خیر لی۔	میں بالکل پروا نہیں کرتا ہوں کہ دولتمند ہو جاؤں یا فقیر ہو جاؤں کیونکہ مجھکو معلوم نہیں کہ میرے لئے انمیں سے کونسی چیز بہتر ہے۔

اوراسی لئے سچے مسلمان دعا سے پہلے دعا کے توفیق پانے کی دعا کرتے رہتے ہین۔ توفیق
کیا چیز ہے بندہ کا ارادہ خدا کی قضا کے ساتھ ملجانا اور خدا سے وہی چیز مانگنا
جو اُس کی مرضی کے مطابق ہے پس توفیق پہلی چیز ہے جو انسانی روح کو مشورہ
دیتی ہے کہ کیا چیز اُسکو مانگنی چاہیئے یعنے دعا کی اُس شکل کو بتاتی ہے جسکا مانگنا
نہ قانون قدرت کا شکست کرنا ہے نہ ارادہ الٰہی کا منسوخ کرنا نہ تقدیر کے برخلاف
کسی چیز کا ہونا۔ لیکن چونکہ ہم نہین جانتے کہ یہ قانون کیا ہے اور ارادہ الٰہی کیا ہے
اور تقدیر مین کیا لکھا ہے۔ ان چیزون کو ہم اُسیوقت جان سکتے ہین جب ان کا
ظہور ہو پس دعا خود ایک نعمت ہے خدا کی طرف سے۔ اور نیک دعا کی توفیق ایک
خاص عطیہ ہے دعا کے سننے والے کی طرف سے۔ پس جبکہ خدا پر ایمان رکھنے والے کی
راے دعا کے متعلق ایسی ہو تو دعا اُسکی بجاے قوانین قدرت کے بدلنے اور اسباب سے
کنارہ کرنے اور تقدیر کے خلاف خواہش کرنیکے درحقیقت قوانین قدرت اور عالم
اسباب اور تقدیر الٰہی کے استحکام کے عقیدہ پر مبنی ہوگی۔ اگر ایک مسلمان دعا کرنیوالا
اس یقین واثق کے ساتھ دعا کرے کہ جس چیز کا مین سوال کرتا ہون وہ مجھکو ملجائیگی
تو ضرور ہے کہ اس یقین کی بنا اس امر پر ہوگی کہ جو کچھ مین مانگتا ہون وہ ارادہ الٰہی
اور تقدیر ایزدی کے مطابق ہے۔ غرضکہ جسطرح ہم مادی عالم مین اپنے اختیاری کام
کرنے مین اس سبب سے کوتاہی نہین کرتے کہ جو کچھ مقدر مین ہے وہ ضرور ہوگا بلکہ اپنے
فعل اور کسب و محنت کو تقدیر الٰہی کے ظاہر کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہین۔ تو کیا سبب ہے
کہ یہی خیال اور یہی عمل ہمارا روحانی عالم مین قایم نرہے۔ اور وہان اس خیال سے کہ
جو کچھ تقدیر مین ہے وہ ہوگا دعا کرنا چھوڑ دین جسطرح اس عالم شہادت مین تقدیر
ایزدی کا ظہور ہمارے افعال پر منحصر ہے اسطرح کیون ہم اس بات کو نہ مانین کہ ہمارے
بعض مقاصد دعا کرنے پر مشروط ہین اور جبکہ تمام چیزین ہماری نظرون سے پوشیدہ ہین

اور ہمارا علم اس جسمانی عالم کی نسبت بھی نہایت محدود و ناقص ہے تو ہم روحانی عالم میں جو پوشیدہ اسباب اور خفیہ اسرار ہیں اور جو تعلق خدا کو بندوں کے ساتھ اور بندوں کو خدا کے ساتھ ہے اور دعا میں جو اثر اُسنے رکھا ہے اُسکا کیون انکار کرین اور مذہبی آدمی ہوکر اُن چیزون سے جنکا ثبوت مذہب سے ہوتا ہے کیون منکر ہون۔

فاعلم یا سیدی ان الدعاء غیر مناقض لقضاء اللہ تعالی فان اللہ تعبدہ العباد بالدعاء لیکون سببا لتواتر مزایا اللطف وکما ان حمل الکوز وشرب الماء لیس مناقضا للرضا بقضاء اللہ تعالی فی العطش وشرب الماء طلبا لازالۃ العطش ومباشرۃ سبب رتبہ مسبب الاسباب فکذلک الدعاء سبب رتبہ اللہ تعالی وامر بہ وان التمسک بالاسباب جریا علی سنۃ اللہ تعالی لیس مناقضا للرضا بقضاء اللہ تعالی

ای میرے آقا! آپکو معلوم ہونا چاہیئے کہ دعا خداوند تعالی کی تقدیر کے منافی نہین ہے کیونکہ بندے بذریعہ دعا کے خدا کی عبادت کرتے ہین تاکہ وہ اُسکی مہربانی کا سبب بن سکے جسطرح پیاس کی حالت مین گلاس کا اُٹھانا اور پیاس کے دور کرنے کے لئے پانی پینا اور نیز دیگر اسباب کو کام مین لانا جنکو مسبب الاسباب نے سبب بنا دیا ہے رضا بقضائے الٰہی کے منافی نہین ہو اسیطرح دعا ہے جسکو خدا نے سبب بنا دیا ہے اور اُسکے کرنے کا حکم دیا ہے اور سنت اللہ کے مطابق اسباب کو عمل مین لانا رضا بقضائے الٰہی کے منافی نہین ہے۔

اگلے خط مین دیگر مذہبی اعتراضات کا جو دعا پر کئے گئے ہین بیان کرونگا۔

(محسن الملک)

مکاتبات دلچسپ نمبر ۱

نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علیخان کی تحریر ایک دوست کی تحریر کے جواب مین

جناب سید احمد خان بہادر کی تفسیر کے متعلق جن مکاتبات دلچسپ کے شائع کرنیکا وعدہ تہذیب الاخلاق مین کیا گیا تھا اور جو میری بیماری کی وجہ سے ابتک پورا نہوا، اُسے اب مین شروع کرتا ہون۔ مگر قبل اس کے مجھے اپنے ایک دوست کے اُن شبہات کی نسبت کچھ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو اُنکو میری ان تحریرات سے پیدا ہوئے ہین اور جنکو اُنہون نے نہایت محبت اور صفائی سے مجھپر ظاہر کیا ہے وہ فرماتے ہین کہ سید صاحب سے تعلق رکھنے والے دو قسم کے ہین، ایک وہ جو اُنکو دنیاوی امور مین مسلمانون کا بہی خواہ اور تعلیم و معاشرت اور تمدن مین ریفارمر اور مصلح سمجھتے ہین مگر بلحاظ مذہبی عقائد کے اُنکو دائرۂ اسلام سے خارج جانتے ہین۔ دوسرے وہ لوگ ہین جو مذہبی امور مین بھی اُنکو ہادی اور پیشوا مانتے ہین۔ یہ دونون فرقے اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک اصول کے پابند ہین۔ مگر آپ کا اصول میری سمجھ مین نہین آتا کبھی تو آپ کی تحریرون سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سید صاحب کو مجتہد سمجھتے ہین اور کبھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ خود اُنکو مخرب دین جانتے اور اُنکی تفسیر کو تفسیر بالرائے خیال کرتے ہین۔ اسلئے براہ مہربانی ذرا صاف صاف فرما دیجئے کہ آپ کا اصلی خیال سید صاحب کی نسبت کیا ہے۔ کیا آپ کے نزدیک خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرنا۔ ملائکہ و شیاطین کے وجود کو نہ ماننا، دوزخ و جنت سے انکار کرنا، آدم و حوا کے قصہ کو افسانہ سمجھنا، معجزات کی ہنسی اُڑانی کفر نہین ہے۔ اور کیا وہ تفسیر بالرائے کے وعید مین داخل نہین ہین۔

اور کیا خرق اجماع کے الزام سے وہ بری ہین۔ اور جبکہ آپکی تحریرون سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان عقائد کو اُنکے غلط سمجھتے ہین تو آپ اُنکو کیونکر دینی خیال سے اچھا اور قابل تعظیم جانتے ہین؛ اور اگر آپ باوجود ان عقائد کے اُنکو مسلمان اور پکّا مسلمان بلکہ مصلح دین سمجھتے ہین تو آپ اُن کے ان عقائد سے کیون اپنی مخالفت ظاہر کرتے ہین غرضکہ آپ کا مسلک ہماری سمجھہ مین نہین آتا اور لوگ طرح طرح کے شبہے آپ کی نسبت کرتے ہین۔ کوئی کہتا ہے کہ درحقیقت آپ کا کوئی اصول نہین ہے اور آپ خود کوئی رائے یا خیال نہین رکھتے۔ کوئی کہتا ہے کہ آپ درحقیقت سید صاحب کے ہمخیال ہین مگر اُنکا سا مضبوط دل نہین رکھتے۔ برادری کی شرم اور مسلمانون کے خوش کرنے کے خیال سے کبھی کبھی اُنکی مخالفت ظاہر کرتے ہین۔ کوئی سمجھتا ہے کہ اتبک آپ اُنکے معتقد تھے مگر اب آپ کی رائے اُنکی نسبت بدل گئی ہے۔ اور اب آپ اُنکو بُرا سمجھنے لگے ہین؛ اور خدا کرے کہ یہ خیال لوگون کا صحیح اور ٹھیک ہو۔ بہرحال جب تک آپ اس شبہ کو ہم لوگون کے دلون سے دور نکردین آپ کا اُنکی تفسیر کے متعلق لکھنا مناسب نہین ہے"۔ مین اپنے دوست کا شکریہ ادا کرتا ہون کہ اُنہون نے اُن شبہات کے دور کرنے کا مجھے موقع دیا جو غالبًا اور لوگون کو بھی ہونگے اور جن کو بعض میرے احباب نے حیدرآباد مین خود مجھہ سے بالمشافہ بیان کیا تھا۔

لوگون کا یہ خیال کہ مین خود کوئی رائے یا خیال نہین رکھتا ویسا ہی غلط ہے جیساکہ یہ شبہ کہ مین سید صاحب کی نسبت اب وہ رائے نہین رکھتا جو اول رکھتا تھا، یا برادری کی شرم اور مسلمانون کے خوش کرنے کا خیال کبھی کبھی مجھے سید صاحب کی مخالفت کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ میری تحریرات اسپر شاہد ہین کہ مین اصول کا نہایت پابند ہون۔ مگر وہ اصول کیا ہین؟ وہ نہین ہین جسے ضد یا تعصب یا کورانہ پیروی کہتے ہین۔ بلکہ ہر ایک بات کو ٹھنڈے دل سے سُننا، ہر ایک دعوے کی دلیلون پر غور کرنا،

مگر جب کسی بات کا ثبوت دلائل ہندسیہ کیطرح مل جاوے تو اُسکے قبول کرنے مین ایک لحظہ کی بہی دیر نکرنا گو جمہور کی مخالفت کا الزام لگایا جاوے یا خرق اجماع کی تہمت کی جاوے یا کفر کے فتوے مکہ مدینہ سے منگوائے جاوین۔ اسی اصول کی پابندی نے مجھے سید صاحب کی مخالفت پر قایم رہنے سے بچایا، اور اسی اصول پر قایم رہنے سے مین اُنکے بعض غلط خیالات کے ماننے سے بہی محفوظ رہا۔ اس تیس برس کے زمانہ مین جب سے مجھے اُنسے ملنے کا فخر اور اُنکے عمدہ خیالات سے مستفید ہونے کا موقع ملا ہے کوئی دن مجھے ایسا یاد نہین آتا کہ مین اس اصول پر پابند نرہا ہون۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ مین نے اُنکی تفسیر توریت وانجیل کو اپنے اپنے تقلیدی اعتقادات کے خلاف پاکر اُنپر حملہ کیا اور اُنکو کافر وبیدین سمجھکر اُنسے لڑنے لگا۔ پھر جب اسی مقام بلکہ اسی مکان مین جہان اب یہ مضمون لکھہ رہا ہون مجھے اُنسے ملنے کی عزت نصیب ہوئی اور اُنکے نہایت لطیف اور پاکیزہ خیالات پر مطلع ہونے کا موقع ملا۔ تو نہ صرف مین اُنکے اسلام کا قایل ہوا بلکہ جسے مین تاریکی کا شیطان سمجھتا تھا وہ نور کا فرشتہ نظر آیا۔ اُسوقت سے مین نے اُنکے مذہبی خیالات کو جہان تک میری سمجھہ نے مدد کی انصاف سے دیکھنا شروع کیا۔ اگر مین نے اُنکی کسی راے کو صحیح پایا اُسے تسلیم کیا اور اگر کوئی عقیدہ اُنکا میری سمجھہ مین نہ آیا اُسکے غلط کہنے اور رد کرنے مین مین نے اُنکی عظمت اور ادب کا کچہہ خیال نکیا۔ پس اے میرے عزیز دوست اگر مین کسی اصول کا پابند نہوتا جیساکہ بعض لوگ خیال کرتے ہین یا خود کوئی راے نہ رکہتا تو میرا یہ حال نہوتا۔

آپ پوچھتے ہین کہ میرا خیال سید صاحب نسبت کیا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ مین اُنکو نہایت عالی دماغ، عالی خیال، پاک دل، روشن ضمیر، مسلمان سمجھتا ہون۔ وہ خدا کے دل سے معتقد، رسولؐ کے دل سے عاشق، اسلام پر دل سے شیدا، اور مسلمانون کے دل سے خیرخواہ ہین۔ اسلام کو وہ سچّا مذہب سمجھتے ہین۔ اور نہ صرف

سچا بلکہ اُسیکو تمام دُنیا کی ہدایت اور نجات کا وسیلہ اور ہر قسم کی دماغی اور اخلاقی اور دینی اور دنیاوی ترقی کا ذریعہ جانتے ہین تقلید کے برباد کن خیال سے اُنکا دل پاک ہے اور کورانہ پیروی کے طوق و سلاسل سے اُنکا دماغ آزاد گو وہ نہ عالم ہین نہ ملا نہ جامع معقول و منقول ہین نہ حاوی فروع و اصول نہ فضیلت کی پگڑی سر پر رکھتے ہین نہ ممبر پر چڑھ کر ناز و کرشمہ دکھاتے ہین مگر خدا نے کچھ اپنے دست قدرت سے اُنکا دل و دماغ ایسا بنایا ہے کہ حق کو باطل سے صحیح کو غلط سے جلد تمیز کر لیتے ہین۔ قومی محبت اور انسانی ہمدردی اور مذہبی جوش سے اُنکا سینہ بھرا ہوا ہے اُنکے پاکیزہ خیالات نے مسلمانون کو بہت فائدہ پہونچایا اور اُن کی محققانہ تحریرون نے اسلام کے پاک اور خوبصورت چہرہ سے بہت سے داغ مٹا دیئے۔ غرضکہ اُنمین وہ صفتین اور باتین موجود ہین کہ اگر مین اُنکو اسلام کا حامی کہون تو بیجا نہوگا۔ مگر باوجود اسکے مین اُنکو نہ رسول سمجھتا ہون نہ اُنپر وحی آنے کا معتقد ہون انما رجال و نحن رجال والامر بیننا سجال وہ ویسے ہی خطا کرتے ہین جیسے کہ اور آدمی اُنسے اُسی قسم کی غلطیان ہوتی ہین جیسی کہ دیگر انسانون سے اسلئے جسطرح مین اُنکے عمدہ خیالات سے مستفید ہوتا ہون اسیطرح اُنکی بُری رایون سے بچتا ہون۔ اور جسطرح اُن کی تفسیر کے بعض مقامات کو نہایت عالی اور بلند دیکھتا ہون اسی طرح بعض جگہ اُنکو غلطی اور خطا کے نہایت تاریک اور گہرے غار مین گرا ہوا پاتا ہون۔ اور چونکہ مین مشرک فی صفۃ النبوۃ نہین ہون اور نہ اُنکو مورد ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی سمجھتا ہون نہ رسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کو اُنکی شان مین مانتا ہون۔ اسلئے باوجود اُس ادب اور عزت کے جو اُنکا میرے دل مین ہے اُنکی رائے کے غلط کہنے اور اُنکے خیالات کے رد کرنے مین جبکہ وہ میرے نزدیک غلط اور قابل تردید ہون ذرا بھی پرواہ نہین کرتا۔ اور یہی شعار سچے اور پکے مسلمانون کا ہے

اور یہی بات اسلام نے ہمکو سکھائی ہے۔ اسلئے کہ سواے اُس ایک پاک اور مبارک ذات کے جسکا سینہ خدا کے نور سے روشن تھا اور جو مذہبی تعلیم اور خلق کی ہدایت مین غلطی اور خطا سے پاک تھا جسکا معلم خدا تھا اور جسپر وحی لانے والا جبرئیل ؑ۔ دنیا مین نہ کوئی خطا سے بری ہے نہ غلطیون سے محفوظ۔ اگر کوئی کسیکو ایسا سمجھے تو وہ فی الحقیقت مشرک فی النبوۃ ہے اور ایک طرح سے ختم نبوت کا منکر۔ اور چونکہ تقلید اور حسن عقیدۃ نے توحید کا خالص خیال ہمارے دل سے دور کر دیا ہے اور یہ پاک اور صاف عقیدہ اسلام کا ایسا بگڑ گیا ہے کہ نہ وہ خدا کی صفات مین اپنی حالت پر قایم رہا نہ رسول کی رسالت اور عصمت کے متعلق آمیزش سے محفوظ رہا۔ خدا کی توحید کو دیکھیے تو اُسکا یہ حال ہے کہ اگر ہندو تینتیس کروڑ دیوتا رکھتے ہین تو مسلمانو ںمین بیشمار حلال مشکلات اور قاضی الحاجات ہین۔ اور اگر رسول کی عصمت پر لحاظ کیجیے تو اُسکی یہ کیفیت ہے کہ دنیاوی معاملات مین انبیاء کے اجتہاد مین تو غلطی کا اعتراف ہے مگر اپنے پیرون اور امامون کے ہر قول کو واجب التصدیق اور ہر فعل کو واجب التقلید جانتے اور اُن کی نسبت خطا اور غلطی کے گمان کرنے کو بھی کفر سمجھتے ہین۔ پس جبکہ لوگون کے دل تقلید سے یہان تک تاریک ہو رہے ہون اور جبکہ اسلام سے پاک اور نورانی مذہب پر ایسے پردے پڑگئے ہون اور ہر فرقہ نے اپنا اپنا ایک جدا پیغمبر بنا رکھا ہو تو اُنکے خیال مین کیونکر آسکتا ہے کہ کوئی شخص اُس سے اختلاف کرے جسے بزرگ اور مجتہد سمجھتا ہو۔ حضرات! ذرا اسلام کی زمین کی سیر کیجیے اور مذہب کے میدان مین آکر تماشا فرمائیے کہ اس خیال نے اسلام کا کیا حال کر رکھا ہے اور وحدت اور یکرنگی کا جو اصلی صفت بلکہ یہی ایک صفت اور نشانی اسلام کی تھی کیسا خون ہو رہا ہے۔ ایک اسلام کے بے رنگ جھنڈے کے بدلے آپ ہزارون رنگ کے پرچم لہلہاتے ہوئے دیکھینگے۔ اور ایک توحید کے لشکر کے عوض سیکڑون فرقے

شرک فی صفات اللہ اور شرک فی صفات النبوت نظر آوینگے۔ اگر آج خدا کی توحید کا سبق دینے والا اور دنیا مین وحدت و یکرنگی کا پھیلانے والا تھوڑی دیر کے لئے ہمارے پاس آوے اور اپنی اُمت کا حال دیکھے تو قسم ہے اُس خدا کی جسکے ہاتھ مین میری اور سارے عالم کی جان ہے کہ وہ مشکل سے پہچانیگا کہ یہ اُسکی وہی امت ہے جنکو اُس نے توحید کا سبق سکھایا تھا اور یہ وہی مسلمان ہین جن کی ہدایت کے لئے دنیا کا ہادی خدا کی وہ کتاب چھوڑ گیا تھا کہ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ کیا فرق معلوم ہوگا اُن یہود اور نصارے مین جو اپنے اپنے احبار اور پوپون کو خطا سے پاک اور غلطی سے محفوظ سمجھتے ہین اور اُن مسلمانون مین جو اپنے اماموں اور مرشدون کے قیاس یا قول کی مخالفت کو کفر سمجھتے ہین۔ ہان صرف یہ فرق نظر آویگا کہ وہ اپنی اپنی غلطیون کی اصلاح کر رہے ہین اور اپنے حالات اور خیالات کی درستی مین سرگرم ہین مگر اُسکی اُمت روز بروز اپنے آپ کو اُسکی تعلیم سے جدا کرتی جاتی ہے اور اُسکا دامن چھوڑ کر دوسرون کا سایہ ڈھونڈ رہی ہے۔ پس ای میرے عزیز دوست جبکہ ہم مسلمانون کا یہ حال ہو کہ اپنے مجتہد اور امام سے اختلاف کرنے کو شرک سے بدتر جانین اور اپنے بزرگون کی کھینچی ہوئی لکیر سے ایک قدم باہر رکھنے کو دائرۂ شریعت سے نکلنا خیال کرین اور بجاے قال اللہ و قال الرسول کے قال زید کذا وقال بکر کذا کہتے ہون اور اپنے اعتقادات اور اعمال کی تائید مین بجائے خدا کی کتاب کے صرف ایسے لوگون کی سند پیش کرنیکے عادی ہون جو مثل اُنکے چوک اور غلطی کرنیوالے تھے تو وہ کیونکر میرے اُس اختلاف پر تعجب نکرینگے جو مین سید صاحب کی رایون سے کرتا ہون اُنکی نظر مین دو صورتون کے سوائے تیسری صورت ہی نہین آسکتی۔ یا مین اُنکو کافر کہون یا اُنکی تمام باتون کو حق سمجھون۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مین اُنکو محقق اور مصلح بھی سمجھون اور پھر اُنکی کھینچی ہوئی لکیر سے اپنا پاؤن بھی باہر نکالون۔ مجھے اس موقع کرنا سب

ایک حکایت یاد آئی کہ بعض شاگرد اپنے اُستاد سے بحث کرنے اور جو بات وہ کہتا اُس کو کاٹنے لگے۔ یہان تک کہ اُنکے اُستاد نے عاجز آکر اور خفا ہو کر یہ کہا کہ ——

"ومااخس دابکم فی مراعاۃ الاداب وانہ اذا وقعت زلۃ من معلم فی فصل الخطاب لا تحملون بعض غلطہ وزلقہ فما احسن اداب الصوفیہ والمریدین حیث یصدقون مشائخھم ولو تکلموا بما یخالف من امور الدین"

یعنی تمہاری کیا بُری عادت ہو کہ اپنے اُستاد کا ادب نہین کرتے اور اگر اُس سے کچھ لغزش ہوجائے تو اُسکی غلطی کی برداشت نہین کرسکتے دیکھو کیا اچھا طریقہ ہے صوفیون اور اُنکے مریدون کا کہ اپنے پیرون کی ہر بات کو مانتے ہین اور اگرچہ وہ کچھ دین کے خلاف بھی کہین اُسکی بھی تصدیق کرتے ہین۔

شاگردون نے سنکر عرض کیا کہ "ھکذا ادابھم وادابھم علی نحو ھذا للعلماء واصحابھم۔ وقد علم کل اناس مشربھم وعرف کل طائفۃ ملتزمھم"

بلا شبہ صوفیون اور اُنکے مریدون کا یہی داب ہے جیسا آپ نے فرمایا۔ اور علماء اور اُنکے شاگردون کا یہی طریقہ ہے جو آپنے دیکھا ہر آدمی اپنے طریقہ کو پہچانتا ہے اور ہر فرقہ اپنی راہ پر چلتا ہے۔

پس اے میرے عزیز، پیرون اور صوفیون کو تو جانے دو کہ اُنکا طور وراء طور العقل ہے اور اُنکو کشف اور حقیقت کا وہ درجہ حاصل ہے جہان علم وعقل کی رسائی نہین ہم تو محسوسات اور منقولات اور معقولات مین بحث کرتے ہین، اور اس عالم مین ہم کسی انسان کو رائے اور خیال کی غلطی سے پاک نہین سمجھتے بلکہ بڑون بڑون کو غلطیون مین پڑا ہوا دیکھتے ہین، اور غلطیان بھی ایسی جس سے انسان کے خمیر مین خطا کے ہونیکا ایک حیرت انگیز ثبوت ملتا ہے۔ متوسط درجہ کے لوگون کو جانے دو۔ اُن شخصون پر خیال کرو جنکی تحقیقاتون نے ایک عالم کے خیالات پلٹ دیئے اور جنکے دل ودماغ نے

علمی دنیا مین انقلاب پیدا کر دیا جنکی تحریرین دیکھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ الہامی صحیفے ہین، اور جن کی تقریرون پر یہ خیال گذرتا ہے کہ آسمان کے فرشتے بول رہے ہین۔ مگر اُنکے ہی بعض خیالات ایسے پست نظر آتے ہین کہ اُنمین تحقیق کی بو بھی نہین پائی جاتی۔ اور اُنکے دوسرے خیالات دیکھکر اُنکی طرف ایسی باتون کے منسوب کرنے پر تہمت کا شبہ ہوتا ہے۔ اور اسکے دو سبب ہین۔ ایک یہ کہ موجودہ زمانہ کے خیالات اور الف و عادت کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور باقی رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب کسی بات کا خیال کسیکے دل مین پورے طور پر بیٹھ جاتا ہے تو اُسکے خیالات جادۂ اعتدال سے گذر جاتے ہین۔ یہی حال ہمارے سرسید کا ہے۔ اُنکی تفسیر کو اُٹھا کر دیکھئے، بعض جگہ اُن کے خیالات ایسے روشن اور پاک نظر آتے ہین کہ گویا ایک صاف دریا ہے کہ بہتا چلا جا رہا ہے اور خدا کی زمین یعنے مسلمانون کے دلون کو شاداب کر رہا ہے، اور بعض مقام پر وہ آیات قرآنی کی ایسی تفسیر کرتے ہین کہ قرآن ایک کلام مہمل اور پوچ، معلوم ہوتا ہے اور اُسکا مقصود اور مطلب سارا فوت ہو جاتا ہے۔ کہین مگر اُنکے دلائل ایسے مستحکم اور مضبوط ہین جو ہندسی دلیلون کے موافق دل پر اثر کرتے ہین کہین وہ اپنے دعوے کا ایسا ثبوت دیتے ہین کہ اُسپر ہنسی آتی ہے اور یہ حیرت انگیز اختلاف اُنھین کے خیالات مین پایا نہین جاتا، بلکہ سقراط اور افلاطون اور غزالی اور رازی وغیرہ حکمای یونان و اسلام کی تالیفات مین بھی انسانی طبیعت کا یہ جلوہ نظر آتا ہے پس جو شخص کہ انکے کلام سے مستفید ہونا چاہے۔ اُسے چاہئے کہ خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کرے، اور الحمد للہ کہ اسی پر میرا عمل ہے۔

اب مجھے اس بات کا جواب دینا باقی ہے کہ ایسے عقائد کے ساتھ جو جمہور مسلمانون کے خلاف ہین، اور ایسی تفسیر کے لکھنے پر جسکے بعض مقامات پر مین خود مالا یرضی بہ قائلہ، کہتا ہون، مین سید صاحب کو کسطرح مسلمان اور نہ صرف مسلمان بلکہ محقق سمجھتا ہون

اور جیسا کہ میرے دوست نے لکھا ہے تفسیر بالرائے کے وعید اور خرق اجماع کے الزام سے مین کیونکر اُن کو بچا سکتا ہون اُسکا حال یہ ہے کہ اگر ہم انصاف اور غور سے پچھلے بزرگون کے حالات دیکھین اور اسلام مین جو حکیمانہ خیالات رکھنے والے مسلمان ہوئے ہین اُنکی کتابون کو پڑھین تو معلوم ہوگا کہ "لیس[۱] ھذا اول قارورۃ انکسرت فی الاسلام" ایک بیچارہ سید ہی اس جرم کا مجرم نہین ہے اور نہ صرف اُسکے دماغ مین یہ مجنونانہ خیالات گذرے ہین بلکہ ہمارے بڑے بڑے اکابر دین جو اب شیخ اور امام اور قطب کے معزز نامون سے پکارے جاتے ہین اس نشہ کے متوالے تھے اور اُن کے سر مین بھی یہی سودا تھا۔ اور اسی سبب سے کہ اُنکے کلام ملانون اور فقیہون کے خیال سے زیادہ بلند اور عوام کی سمجھ سے خارج تھے وہ کافر اور زندیق اور ملحد ٹھہرے۔

مین سید صاحب کی کوئی بات ایسی نہین دیکھتا جو مسلمانون کے مختلف فرقون مین سے کسی نہ کسی مین پائی نہ جاتی ہو اور نہ کوئی خیال اور کوئی عقیدہ اُنکا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جسکا پتہ کسی نہ کسی پُرانی تحریر مین نہ ملتا ہو۔ پس اگر کوئی عقیدہ اُنکا معتزلہ یا شیعہ یا صوفیہ یا اور کسی ایسے فرقہ سے ملتا ہو جو اسلام مین داخل ہے تو کفر کا اطلاق اُنپر ہرگز کوئی نکریگا۔ اسلئے کہ یہ مسئلہ ہمارے ائمہ کبار نے طے کر دیا ہے کہ کوئی فرقہ مسلمانونکا دائرۂ اسلام سے خارج نہین ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے امام ابوالحسن اشعری نے کہ مسلمانون مین بہت سے فرقے ہوگئے ہین اور ایک دوسرے کو گمراہ سمجھتا اور بُرا جانتا ہے مگر اسلام مین سب شریک ہین اور اسلام اُن سب کا جامع ہے۔

کما قال فی اول کتاب مقالات الاسلامیین اختلف المسلمون بعد نبیھم صلعم فی اشیاء ضلل بعضھم بعضا و تبرء بعضھم	جیسا کہ اُسنے کتاب مقالات الاسلامیین مین کہا ہے کہ مسلمان رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت سی باتون مین مختلف ہوگئے اور ایک دوسرے کی تضلیل کی

[۱] یہ اول ہی شیشہ نہین ہے جو اسلام مین ٹوٹا۔

عن بعض فضائر و افترقا متباٹنین الاان الاسلام یجمعهم و یعمهم ۔	اور بیزاری ظاہر کی اور وہ مختلف فرقے بن گئے مگر اسلام اُن سب کو شامل ہے ۔

اور بالفرض اگر وہ کسی عقیدہ اور کسی قول مین منفرد ہی ہون تاہم وہ اسلام سے خارج نہین ہوسکتے اسلیئے کہ لا یخرج الرجل من الایمان الا جحود ما ادخله فیه ۔ انسان کو ایمان سے صرف اُس چیز کا انکار نکالتا ہے جسکے اقرار نے اُسے داخل کیا تھا ۔ البتہ متقشفین فقہار اور متعصب علمار کے عناد و جدال کے لئے دائرہ وسیع ہے اور کٹھ حجتیان کرنے اور خواہ مخواہ کافر بنانے کیلئے مطلب اُلٹا بیان کرنے اور تہمت لگانے کی بہت گنجائش ہے مگر کالے دل والون کے جاری کئے ہوئے کالے کالے فتوے کسی مسلمان کو کافر نہین بنا سکتے اور مُلّاؤن کی عداوت یا حماقت سے کوئی محقق مسلمان اسلام سے خارج نہین ہوسکتا ۔

فمن تعرض للتخطیة و تکفیر هؤلاء المحققین فانما هو لجهله او لعدم فهمه و ضعف ایمانه و عدم مبالاته بهفوات لسانه	پس جو شخص ان محققین کا تخطیہ یا اُنکی تکفیر کریگا تو یہ امر صرف اُسکی جہالت اور ناسمجھی اور ضعف ایمان اور زبان کی لغزشون کی طرف سے لاپروائی کے باعث سے ہوگا ۔

اگر میرے دوست ذرا تاریخ دیکھنے کی تکلیف گوارا فرماتے اور نہ صرف اسلام بلکہ دیگر مذاہب کے اکابر دین کے حالات پڑھتے تو اُنکو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہتی بلکہ اُنکو معلوم ہو جاتا کہ کوئی مذہب دنیا مین ایسا نہین ہے جسمین کورانہ تقلید پر مذہب کا مدار نہ سمجھا گیا ہو اور عقل سے کام لینے اور تحقیق و تنقیح کرنے اور شریعت کو فطرت سے تطبیق دینے اور حکیمانہ خیالات ظاہر کرنے پر بدعت اور کفر کا الزام نہ لگایا گیا ہو ۔ مسلمانون مین تو خدا کی مہربانی سے کم کوئی بڑا امام اور مجتہد ایسا ہوا ہے جس کے خیالات ایسے عامیانہ ہون بلکہ برخلاف اس کے بڑے بڑے محقق اور حکیم ایسے ہوئے ہین جنھون نے دین کو عقل سے اور مذہب کو حکمت سے جدا نہین سمجھا بلکہ حقایق

واسرار کے بیان کرنے ہی کو اسلام کی اصلی تائید خیال کیا ہے۔ مگر ہان دوسرے مذہبون کا یہ حال ہے کہ وہ لوگ جو مذہب کے مصلح اور ریفارمر تھے اور جو مذہب کے بانی اور ہادی سمجھے جاتے ہین حکمت و فلسفہ اور تحقیق و تنقید کے ایسے دشمن تھے کہ اُنکے ارشادات دیکھکر تعجب ہوتا ہے۔ ذرا لوتھر کو دیکھیے جو پروٹسٹنٹ مذہب کا بانی اور عیسائیت کا مصلح ہوا ہے۔ وہ حکیمون کا کیسا دشمن تھا اور افلاطون اور ارسطو کی نسبت کیا راے رکھتا تھا۔ ایک یورپین مصنف لکھتا ہے کہ "لوتھر کا ارادہ یہ تھا کہ فلسفہ کی جڑ اور بنیاد کلیسیا سے نکالکر پھینک دیجاوے۔ وہ ارسطو کے فلسفہ کے دیکھنے کو فضول سمجھتا تھا اور اُسکی نہایت ہجو کرتا تھا۔ لوتھر ارسطو کی نسبت کہتا تھا کہ "وہ حقیقت مین خبیث دیو خوفناک تہمت لگانے والا بدذات خوشامدی اور تاریکی کا بادشاہ یعنے شیطان تھا۔ وہ ایک جانور اور انسانون کو نہایت خوفناک دھوکہ دینے والا تھا" اور پھر حضرت لوتھر مقدس نے اسی پر قناعت نہین کی۔ بلکہ فلسفہ کی زمین سے بھی ارسطو کو خارج کیا اور کہا کہ "یہ (یعنے ارسطو) ایک ایسا شخص ہے جسمین بمشکل کوئی فلسفہ کی بات ہے۔ وہ علانیہ جھوٹ بولنے والا ہے اور ٹھگوئی گویا اُسکا پیشہ ہے' وہ ایک تن پرور اور نفس پرست ہے وہ بکری ہے وہ بڑا ملعون ہے" اور یہ مقدس لوتھر صرف اسی نامور حکیم کی ہجو پر کفایت نہین کرتے' بلکہ زمانہ متوسط کی تمام فلاسفر کی نسبت فرماتے ہین "کہ وہ ٹڈیان کیڑے مینڈک۔ اور جوئین تھے" اسلام مین کسی بڑے امام اور مجتہد کی زبان سے حکمت و فلسفہ کے خلاف ایسی باتین نہین نکلین اور حکیمون اور فلسفیون کو اُنہون نے ایسی گالیان نہین دین۔ البتہ عوام اور متقشفین فقہار اور متعصب علمار نے ہمارے یہان بھی حکمت کو بُرا سمجھا' اور فلاسفر اور محققین کو ملحد کہا۔ مگر ہر زمانہ اور ہر ملک مین ایسے لوگون کا تخطیہ کیا گیا' اور ہمارے عالی دماغ علمار ایسے خیالات اور ایسے اقوال کی ہمیشہ تردید اور حکیمانہ

خیالات رکھنے والون اور شریعت کو حکمت سے مطابق کرنے والون کی تائید کرتے رہے اسلام کی تاریخ مین کوئی حکیم اور محقق مسلمان ایسا نہین ملتا جسکے محققانہ خیالات پر لوگون نے الحاد کا الزام لگایا ہو اور بڑے بڑے نامور روشن خیال عالمون نے اُسکو رد نکیا ہو۔ مین بطور مثال کے حضرت محی الدین ابن عربی کا کچھہ ذکر کرتا ہون۔ کہ جب اُنھون نے وہ باتین بیان کین جو حشویہ خیالات کے عالمون کی سمجھہ سے باہر تھین تو ظاہری علماء اُنپر جھک پڑے اور فقہا تکفیر کا شور مچانے لگے کسی نے اُنکی کتابون کے جلانے کا حکم دیا کسی نے اُنکے کفر کو یہود اور نصاریٰ کے کفر سے بڑھ کر قرار دیا کسی نے روزانہ دس مرتبہ اُنپر لعنت کرنے کو اپنا وظیفہ ٹھہرایا اور بہتون نے اُنکے مزار مبارک کو مزبلہ بول و براز بنایا۔ ابن مقری نامی ایک بزرگ کو دینداری کا ایسا جوش اُٹھا کہ وہ فرمانے لگے کہ من شك فی کفر طائفة ابن عربی فهو کافر کہ جو ابن عربی کے گروہ کے کفر مین شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ مگر آخر کیا ہوا۔ ایک دوسرا گروہ بڑے بڑے نامی عالمون کا اُنکی تائید مین کھڑا ہوا اور اُنکے حقائق و دقائق کو سمجھکر اُنکی ولایت اور قطبیت کا مقر ہوا اور تکفیر کرنے والون کی نادانی اور غلطیون کو ظاہر کرنے لگا۔ اُنکی تائید مین کتابین تصنیف ہوئین۔ معترضین کے اعتراضات رد کئے گئے۔ اور اُن کو شیخ وقت اور قطب الاقطاب کا خطاب دیا گیا۔ کیا خوب لکھا ہے ہمارے یہان کے ایک عالم نے ابن مقری کی نسبت کہ

"انه بزعم ارادة النصیحة بقوله من شك فی کفر ابن عربی فهو کافر" فانتقل من الحکم علیهم بالکفر علی من لم یتیقن کفرهم فانتقل الی الحرارة التعصب الذی

اُسکا دعویٰ ہے کہ مین نے یہ بات "من شك فی کفر ابن عربی فهو کافر" از راہ نصیحت لکھی ہے۔ اُسنے ابن عربی کی جماعت سے گذر کر ان تمام لوگون کی تکفیر کی جنکا کفر یقینی نہین ہے اس تعصب پر مجبور کر دیا جو انتہا کو پہنچ گیا ہے

بلغ الغاية ـ وخرق به اجماع الامة
وانتقل به الى كفرغير المتيقنين
كفرهم ـ سبحانك هذا بهتان عظيم
اذ تلقونه بالسنتكم و تقولون
بافواهكم ما ليس لكم به علم وتحسبونه
هينا وهو عند الله عظيم ـ

اور جسنے اجماع امت کو توڑ دیا ہی ۔ پاک ہی
تیری ذات یہ تو سخت بہتان ہی جب اس
تہمت کو تم اپنی زبانون پر لاتے تھے اور تم اپنے
موںہون سے وہ بات کہتے تھے جسکا علم تمہین نہ تھا
اور اُسے آسان بات سمجھتے تھے اور وہ خدا کے
نزدیک بڑی بات تھی ۔"

پس اے میرے عزیز دوست مین باوجود اس مخالفت کے جو سرسید کو ایک بڑے گروہ سے مسلمانون کے ہے اُسی سبب سے کافر نہین کہتا جن وجوہ سے علماء دین نے ابن عربی کو کافر نہین کہا ۔ اور مین اُنکی اسیطرح اور اُنھین وجوہ سے حمایت کرتا ہون جسطرح اور جن وجوہ سے اکثر روشن خیال مسلمانون نے ابن عربیؒ کی حمایت کی تھی ۔ ای میرے عزیز دوست، اگر وہ شخص جسکو مین جانتا ہون کہ اُسنے اپنی ساری زندگی اسلام کی تائید مین گذاری اور جسکی نسبت میرا یقین ہے کہ اُسکا ایمان ہزارون کے ایمان سے سیکڑون درجہ بڑھکر ہے اور جسپر میرا دل شہادت دیتا ہے کہ خدا اور رسولؐ پر اُسے ایسا اعتقاد ہے کہ اُسکا ہر بُن مو[1] لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا پکارتا ہے ۔ اور جسے سوتے جاگتے" اُٹھتے بیٹھتے" مذہب ہی کی تائید اور مسلمانون ہی کی ترقی کا خیال رہتا ہے ۔ اگر وہی کافر اور اسلام سے خارج ہو تو مین نہین سمجھتا کہ پھر دنیا مین کون مسلمان ہوگا اور اسلام کی تصویر کہان نظر آویگی ؎

در جملہ جہان چو سیدوان ہم کافر
پس در جملہ جہان کسے مسلمان نبود

اب مین اس مضمون کو ختم کرتا ہون اسلئے کہ بہت طول ہوگیا دوسرے وقت اُن عقائد اور خیالات سے تفصیلی بحث کرونگا جنکے سبب سے لوگ سید صاحب پر دہریت کا

له اگر پردہ اُٹھا دیا جاوے تب بھی میرے یقین میں کچھ زیادتی نہو گی ۔

الزام لگاتے ہین۔ اور اس امر کے دکھانے کی کوشش کرونگا کہ یہ خیالات اُنھین کے دماغ کی پیداوار نہین ہین بلکہ پچھلے مسلمانون مین بھی ایسے خیالات رکھنے والے پائے جاتے ہین۔ اُس کے بعد پھر مین نفس مطلب پر متوجہ ہونگا اور سید صاحب کی تفسیر کے اُن مقامات سے بحث کرونگا جہان میرے نزدیک حضرت نے ایسی بلند پروازی کی ہے کہ آسمان پر جاتے جاتے گہرے غار مین گر پڑے ہین اور اسلام کو نیچر سے ملانیکے شوق مین سیدھی راہ سے بھک کر اُلٹے چلنے لگے ہین۔

ونتضرع الی اللہ ان ینفع بہ الراغبون الذین ھم للحق طالبون وعن طریق العناد ناکبون وغرضھم تحصیل الحق المبین لا تصویر الباطل بصورۃ الیقین۔	ہم نہایت عجز کے ساتھ خدا کی جناب مین دعا کرتے ہین کہ وہ اس سے رغبت کرنے والون کو نفع بخشے جو حق کے طالب اور عناد کی راہ کو ترک کرنے والے ہین اور جنکی غرض صریح حق کی تحصیل ہے نہ کہ باطل کو حق کی صورت مین ظاہر کرنا۔
(محسن الملک)	

مکاتبات دلچسپ نمبر ۲

مین نے اپنے پچھلے مضمون مین وعدہ کیا تھا کہ آئندہ اُن عقائد اور خیالات سے تفصیلی بحث کرونگا جنکے سبب سے لوگ سید صاحب پر دہریت کا الزام لگاتے ہین۔ اور اس امر کے دکھانے کی کوشش کرونگا کہ یہ خیالات اُنھین کے دماغ کی پیداوار نہین ہین بلکہ پچھلے مسلمانون مین بھی ایسے خیالات رکھنے والے پائے جاتے ہین۔ اب مین اپنا وعدہ پورا کرتا ہون۔ مگر میرے اس مضمون کے دیکھنے والون کو یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ میرے اس مضمون کا موضوع اس بات کا دکھانا ہے کہ سید صاحب کے بعض عقائد مین جنپر اُنکو الزام دہریت کا دیا جاتا ہے پچھلے مسلمان بھی ہمخیال تھے۔ کوئی غلطی سے یہ نہ سمجھے

کہ مین بھی اِن خیالات مین سید صاحب سے متفق ہون + میرے جو خیالات ان مسائل مین ہین اُنھین سید صاحب کی تفسیر سے بحث کرتے وقت بیان کرونگا۔

میرے دوست مجھ سے پوچھتے ہین۔ کہ کیا آپ کے نزدیک خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرنا۔ ملائکہ اور شیاطین کے وجود کو نہ ماننا' دوزخ اور جنت سے انکار کرنا' آدم وحوا کے قصہ کو افسانہ سمجھنا' معجزات کی ہنسی اُڑانی کفر نہین ہے۔ اسکے جواب مین مین اپنے دوست کو دو تحریرون کے دیکھنے پر توجہ دلاتا ہون۔ ایک وہ جو دافع البہتان کے عنوان سے ۱۲۹۱ھ کے تہذیب الاخلاق مین چھپی ہے۔ دوسرے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ جسکا نام ہے التفرقہ بین الاسلام والزندقہ دافع البہتان کے دیکھنے سے میرے دوست کو معلوم ہوجائیگا کہ جب اس قسم کے عقائد اُنکی نسبت مشہور کئے گئے تھے تو خود اُنھون نے اُسکی نسبت کیا فرمایا تھا۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ کے ملاحظہ سے میرے دوست کو معلوم ہوسکیگا کہ کسی چیز کے انکار کے کیا معنے ہین۔ وجود کی کتنی قسمین ہین۔ اور کفر کی حد اور نشانی کیا ہے' اگر یہ کتاب ہمارے دوست کو نہ ملے تو سید صاحب کا وہ رسالہ منگا کر ملاحظہ فرمائین جسکا نام ہے "النظر فی بعض مسائل الامام ابو حامد محمد الغزالی"۔ اس مین امام صاحب فرماتے ہین" کہ ہر ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی تکفیر کرتا ہے اور اُسپر رسول کی تکذیب کی تہمت دھرتا ہے" حنبلی اشعری کو کافر کہتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اُسنے جو خدا کیلئے اوپر کی جہت ثابت کی ہے اور عرش پر خدا کا بیٹھنا مانا ہے تو اُسنے رسولؐ کی تکذیب کی ہے" اور اشعری حنبلی کو کافر کہتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ وہ خدا کی تشبیہ کا قائل ہے اور رسولؐ نے تو کہا ہے لیس کمثلہ شئی اسلئے وہ رسول کی تکذیب کرتا ہے۔ اور اشعری معتزلی کو اس خیال سے کافر بناتا ہے کہ اُسنے خدا کے دیدار ہونے اور خدا مین علم اور قدرت اور دیگر صفات کے قائم بالذات ہونے سے انکار کرنے مین

رسول کی تکذیب کی ہے۔ اور معتزلی اشعری کو اس خیال سے کافر بتاتا ہے کہ صفات کو عین ذات نہ ماننا تکثیر فی الذات ہے اور توحید ذات باری مین تکذیب رسول کی ہے پس ان جھگڑون سے نکلنا جب تک کہ تکذیب و تصدیق کی حقیقت نہ سمجھی جاوے مشکل ہے۔ اسکے بعد امام صاحب تکذیب و تصدیق کی حقیقت اسطرحپر بتلاتے ہین کہ کسی خبر کی تصدیق صرف اُس خبر ہی تک نہین ٹھہرتی بلکہ مخبر تک پہونچتی ہے اور اُسکی حقیقت اُس چیز کے وجود کو تسلیم کرنا ہے جسکے وجود کی خبر رسول نے دی ہے لیکن وجود کے پانچ درجے ہین اور اُنہی کے نہ جاننے سے ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو کافر بتاتا ہے۔ اور وجود کے پانچ درجے یہ ہین (۱) وجود ذاتی (۲) وجود حسی (۳) وجود خیالی (۴) وجود عقلی (۵) وجود شبہی۔ پس جس چیز کے وجود کی رسول نے خبر دی ہے اور جس نے اُسکے وجود کو ان پانچون قسمون مین سے کسی قسم کے وجود کو تسلیم کیا ہے تو وہ اُسکی تصدیق کرتا ہے نہ تکذیب۔ تکذیب جب ہی ہوگی جب وہ ان سب قسم کے معنے اور مراد سے انکار کرے اور یہ گمان رکھے کہ جو کہا ہے اُسکے کچھ معنے نہین ہین اور وہ کذب محض ہے اور قائل کی غرض خود دھوکہ دینا ہے یا دنیاوی مصلحت اور یہ محض کفر اور زندقہ ہے اور تاویل کرنے والون کو جبتک کہ قانون تاویل کو پکڑے ہوئے ہین کفر لازم نہین آتا۔ سید صاحب اس قول کو امام صاحب سے نقل کرکے اپنے رسالہ مذکور الصدر مین فرماتے ہین کہ" اب ہم پوچھتے ہین کہ بموجب اس تشریح کے جو امام صاحب نے بیان کی کیا وجہ ہے کہ جو لوگ اس بات کا اقرار کرتے ہین کہ الاخبار من الجنة والنار حق مگر اُن کے نزدیک دلیل سے ثابت ہوا ہے کہ جنت و دوزخ مثوا مالی کا سا باغ اور کلو لوہار کی سی بھٹی نہین ہوسکتی اور اس لئے وہ اُسکا وجود شبہی قرار دیتے ہین پھر وہ کیون کافر ہین؟ وہ لوگ جنکے نزدیک کسی دوسرے جسم غیر مرئی وغیرہ محسوس کا مغوی الانسان یا ہادی الانسان ہونا محال ثابت ہوا ہے

اسلئے وہ شیطان یا ملائک کے وجود خارجی کے منکر ہوکر اُسکا وجود فی الانسان تسلیم کرتے ہین اور بعوض اس کے کہ عورت کے رحم مین ایک مصور فرشتہ گھسا ہوا سمجھین قوت مصورہ ہی پر ملک کا اطلاق کرتے ہین۔ کیون کافر ہین۔ جو لوگ کہ لوح محفوظ کو لڑکون کی سی تختی اور قلم کو نیزہ یا ٹھٹیرے کا قلم نہین سمجھتے بلکہ اُسکا وجود عقلی تسلیم کرتے ہین وہ کیون کافر ہین؟ جو لوگ کہ وحی من اللہ مین کسی دوسرے کے واسطہ کو بدلائل محال سمجھتے ہین اور وہ اُسی قوت کو جو انبیاءؑ مین ہے جسکے سبب اُنپر نزول وحی ہوتا ہے اور جسکو ملکہ نبوت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جبرئیلؑ امین تسلیم کرتے ہین اور کہتے ہین کہ الجبرئیل حق وہ کیون کافر ہین؟ علاوہ اسکے بے انتہا دریا اسی قسم کی مثالون کا اس چشمہ سے جسکو امام صاحب نے کھولا ہے بہ سکتا ہے۔

فانظر یا اخی وفقک اللہ الی هذه العبارات تجد المنکرین الذین یهجمون علی هذا الرجل العظیم ویجزمون بکفره قد رکبوا متن عمیاء وخبطوا خبط عشواء وان اللہ اعمی ابصارهم واصم اذانهم عن ذلک حتی وقعوا فی ما وقعوا۔ وینبغی لکل ذی عقل ودین ان لا یقع فی ورطة الانکار علی هذا الرجل العظیم۔ لان علمه ومعرفته قاض ببرائته عن هذه المقالات الشنیعة ولا بد من معرفة مدلول

پس ای میرے عزیز خدا تمکو توفیق دے ان عبارات پر غور کرو۔ تمکو معلوم ہو جائیگا کہ جو منکرین اس عظیم الشان شخص پر حملہ کرتے ہین اور اُسکے کفر کا یقین رکھتے ہین بادیہ ضلالت مین سرگردان ہین۔ خدا نے انکی بصیرتون کو اندھا اور انکے کانونکو بہرا کر دیا ہے۔ ہر ایک عاقل و دیندار کو مناسب ہے کہ وہ اس شخص کا انکار نکرے کیونکہ اُسکا علم اور اُس کی معرفت ان نالائق باتون سے اُس کی بریت کا فیصلہ دیرہی ہین۔ اُس کے کلام کے اصلی مصداق کو

كلامه - وبالجملة المنكرون عليه كلهم جاهلون بذلك - اذ ليس منهم احد اتقن علوم المعقولات والهيئة والطبعيات وطبقات الارض وغيرها - بل ولا شم لها رائحة ويكفرونه لحمل كلامه على المعنى الفاسد والمطلب الكاسد وهل الباعث على هذا غيرتهم على ظاهر الشريعة بل الحسد والفساد واللدد والعناد -

سمجھنا ضروری ہے - خدا کا شکر ہے یہ تمام منکر جاہل ہین کیونکہ انمین سے کسی ایک نے بہی معقولات ہیئة طبعیات اور طبقات الارض کی تکمیل نہین کی بلکہ ان علوم کی ہوا بہی نہین لگی ہے وہ اُسکے کلام کو فاسد معنے پہنا کر تکفیر کرتے ہین - اسکا باعث دینی غیرت نہین ہے بلکہ حسد اور عناد اسکا اصلی سبب ہے -

اگرچہ مین اپنے دوست کی انصاف پسندی اور نیکدلی سے امید رکہتا ہون کہ اُنکے اطمینان قلب کیلئے سید صاحب کی تحریر جو اوپر مین نے نقل کی کافی ہوگی - اور اُنکے دل سے سب غلط شُبہے دور ہوجائینگے - مگر مجہے اپنے وعدہ کے موافق ان مسائل سے زیادہ بحث کرنا اور علماء سلف کے خیالات اُسکی نسبت ظاہر کرنا ضرور ہے خصوصًا نیچر اور لاآف نیچر یعنے فطرة اور قانون فطرة کی نسبت - کہ یہ وہ اہم اور ضروری مسئلہ ہے جسکی وجہ سے سید صاحب معاذ اللہ ایک نئے دین کے بانی کہے جاتے اور وہ اور اُنکے پیرو نیچری کے نام سے پکارے جاتے ہین - یہان تک کہ مین بہی جو یقینًا ایک حیثیت سے سید صاحب کا اس مسئلہ مین مخالف ہون اسی مبارک لقب سے یاد کیا جاتا ہون اسلئے مجہے اس مسئلہ کی نسبت ذرا تفصیل سے بحث کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے - تاکہ معلوم ہو کہ نیچر کی حقیقت کیا ہے اُسکی نسبت حکماء قدیم اور فلاسفہ حال کی کیا رائے ہے - سید صاحب اُسکی نسبت کیا کہتے ہین اور اُنکی رائے اور خیال کا پتہ متقدمین حکماء اسلام مین کہین ملتا ہے یا نہین

نیچر ولا آف نیچر یعنی فطرۃ اور قانون فطرۃ

نیچر[1]۔ ایک لفظ انگریزی ہے جسکا ترجمہ ہماری زبان مین کبھی طبیعت کبھی فطرۃ کبھی قدرت کیا جاتا ہے۔ طبیعت کے معنے لسان العرب مین یہ لکھے ہین الطبع والطبیعۃ الخلیقۃ والسجیۃ اللتی جبل علیھا الانسان۔ یعنے طبیعت وہ چیز ہے کہ جسپر انسان پیدا کیا گیا ہے۔ مگر حقیقت مین یہ تعریف پوری اور جامع نہین ہے اور نہ اس سے ذہن مین وہ پورا مفہوم آتا ہے جن معنون مین نیچر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور نہ صرف انسان ہی سے یہ مخصوص ہے بلکہ تمام موجودات عالم پر اسکا اطلاق ہوتا ہے فطرۃ کے معنے بھی جو لغت کی کتابون مین درج ہین نیچر کے مفہوم کو پورا پورا ادا نہین کرتے۔ لسان العرب مین لکھا ہے الفطرۃ الابتداء والاختراع وفطرۃ اللہ ای خلقۃ اللہ اللتی خلق علیھا البشر یعنے فطرت کے معنے ہین ابتدا اور اختراع کے اور فطرۃ اللہ سے مراد ہے خدا کی بناوٹ جسپر اُسنے آدمی کو بنایا اور پیدا کیا جسطرح لغت مین طبیعت اور فطرۃ کے صاف اور پورے معنی بیان نہین کیے گئے اُسی طرح حکمت اور مذہب کی کتابونمین بھی اُسکی حد اور تعریف صاف صاف پائی نہین جاتی۔ اور نہ زمانہ حال مین ہمارے کسی عالم نے اُسکی تشریح فرمائی ہے یہانتک کہ سید صاحب قبلہ نے بھی جنکی زبان پر ہروقت نیچر کا مبارک لفظ رہتا ہے جنکے قلم سے ہر دم نیچر نکلتا رہتا ہے اور جنکی تفسیر کا مدار نیچر پر ہے اس لفظ کی نہ حد بتائی نہ تعریف۔ اور اس سے بڑھکر تعجب یہ ہے کہ حکماے یورپ بھی ابتک اس لفظ کے معنے اور مفہوم مین غلطیان کرتے ہین اور فلاسفہ قدیم کی تالیفات مین بھی اس لفظ کی صحیح حد اور

[1] nature نیچر۔ یہ لفظ مشتق ہے لیٹن سے لیٹن کے لفظ natus (نیٹس) جسکے معنی ہین پیدا شدہ کے اس لفظ کے مختلف معانی زبان انگریزی مین مفصلہ ذیل ہین۔ اول۔ مجموعہ اُن صفات کا کہ جنسے کوئی چیز مرکب ہوکر اپنی حیثیت ایسی رکھتی ہو کہ دیگر اشیا سے متمیز ہو۔ خاصیت جو پیدائش کیساتھ پیدا ہو۔ وصف ضروری خاص بناوٹ دوم۔ اصطلاحی معنی۔ مہربانی قسم جنس خصلت سوم۔ معینہ دو اشیا۔ معمولی ترتیب اوقات تعلق باہمی

تعریف پائی نہین جاتی۔ سقراط کے مکاتبات مین بہی کوئی مکالمہ نہین ہے۔ ورنہ جیساکہ اُسکا طرز استدلال اور طرز بیان ہے اس لفظ کے معنے بہی وہ صاف صاف بیان کردیتا اور اُس مین وہ ابہام نرہتا جس سے اس لفظ کے استعمال مین لوگ دہوکہ کہاتے ہین۔ سبسے عمدہ اور شاید اول ہی بیان جو نیچر کے معنے اور حقیقت کی نسبت کیا گیا ہے وہ ہے جو جان اسٹوارٹ مل نے اپنے مشہور مضمون مین جو نیچر پر لکہا ہے کیا ہے۔ وہ لکہتے ہین کہ "نیچر کا یہ لفظ اور جو الفاظ اس سے نکلتے ہین۔ انسان کے خیالات اور جذبات پر بہت قابو رکہتے ہین اور اُنکا اثر انسانون پر ہمیشہ بہت کچہہ رہا ہے۔ لیکن جب ہم غور کرتے ہین کہ ان الفاظ کے ابتدائی اور اصلی معنے کیا تھے اور اُسکا مفہوم کیا تھا تو نہ صرف حیرت بلکہ افسوس ہوتا ہے کہ یہ الفاظ جنکا علم اخلاق اور مابعدالطبعیات مین اسقدر دخل ہے اُنکے معنے اسقدر بدل گئے ہین اور ایسے مختلف معنے پیدا ہوگئے ہین کہ اُنسے خلط مبحث ہوجاتا ہے اور اسی واسطے اس لفظ نیچر کے مغالطہ آمیز معنے سے لوگ دہوکہ کہاتے ہین۔ پہر وہ لکہتے ہین کہ" اگر ہم افلاطونی طریقہ کے مطابق اس لفظ کے ٹہیک معنے تحقیق کرین۔ تو اول سوال یہ ہونا چاہئے کہ ایک خاص شے کے نیچر سے کیا مراد ہے۔ مثلاً آگ یا پانی یا درخت کا نیچر۔ پہر وہ کہتے ہین کہ اس سے مراد اُسکی تمام قوتون اور خاصیتون کا مجموعہ ہے جس سے وہ اور چیز و پنر اپنا اثر ڈالتی اور نیز دوسری اشیاء کا اثر اُسپر ہوتا ہے۔ اور نیچر جب علم بولا جائے تو اُسکے معنے ہین۔ تمام چیزون کی کل قوتون اور خاصیتون کا مجموعہ اور تمام مظاہر عالم کا جملہ مع اُن علتون کے جنسے وہ پیدا ہوتے ہین۔ اور اس مین نہ صرف وہ چیزین شامل ہین جو واقع ہوئی ہین بلکہ وہ بہی جو قابل الوقوع ہین اور جسطرح علتون کی مستعمل قوتین نیچر کی ایک جزو ہین اسیطرح پر نامستعمل قوتین بہی۔ پس نیچر کا سبسے سادہ مفہوم یہ ہے۔ کہ وہ ایک مجموعی نام اُن تمام واقعات کا ہے جو بالفعل ہون

یا بالقوۃ - یا زیادہ صحیح طور پر کہا جائے تو وہ نام ہے اُس طریقہ کا جو کچھ معلوم ہے اور
کچھ نامعلوم جسمین سب چیزین واقع ہوتی ہین - کیونکہ اس لفظ سے جو مفہوم ہوتا ہے وہ
اُن بیشمار مظاہر کا تفصیلی حال نہین ہے جو واقع ہوتے رہتے ہین - بلکہ اُن سب واقعات عالم کا
ایک مجموعی تصور ہے جو انسانی دماغ مین آسکتا ہے - اگر کسی دماغ مین ان سب مظاہر کے
علم حاصل کرنیکی قابلیت ہو تو اُس کے خیال مین جو مجموعی تصور بنیگا وہ نیچر کا مفہوم ہے

جان اسٹوارٹ مل نے اس معنے کو سین ٹیفک معنی بیان کئے ہین مگر وہ لکھتے ہین
کہ یہ تعریف اس مبہم اصطلاح نیچر کی بہت سے معنون مین سے صرف ایک معنے ہین -
پھر انہون نے آگے چلکر اس لفظ کے مختلف مورد اور مصداق سے بحث کی ہے جو
اس وقت ہمارے اس مضمون سے خارج ہے اور اس موقع پر ہم اسی پر بس کرتے ہین

نیچر کے ساتھ ایک دوسرا لفظ بھی بولا جاتا ہے جسے لا آف نیچر کہتے ہیں اور جسے
ہم کبھی قانون فطرۃ کبھی قانون قدرت سے تعبیر کرتے ہین وہ اُن تعلقات اور ارتباط
اور اُس سلسلہ کا نام ہے جو باہم عالم کے تمام موجودات مین پایا جاتا ہے - وہ ایک
نیا لفظ ہے اور سائنس (علم) کا آخری اور سب سے عمدہ انکشاف ہے - قدیم زمانون مین
لیکن جب سے علم پیدا ہوا مظاہر کائنات پر فرداً فرداً غور کیا جاتا تھا - اُس وقت
دنیا ایک درہم برہم عالم سمجھی جاتی تھی - یا یون کہیے کہ منفرد اور علیحدہ علیحدہ اور بے تعلق
واقعات کا مجموعہ تھی - اہل نظر نے اپنے غور اور فکر سے یہ تو جان لیا تھا کہ ان واقعات کے
مابین کوئی تعلق ضرور ہونا چاہیے - مگر قانون کا عمل قدیم زمانہ کے لوگون کی نگاہ سے
بہت دور تھا - کوپرنیکس اور گیلیلیو اور کاپلر کے زمانہ سے کائنات کی باقاعدہ سطرین
اول اول نظر آنے لگین جب قدرت نے نیوٹن کے سامنے اپنا بڑا راز کھولدیا اُس
وقت سے یہ ظاہر ہوا کہ قانون فطرۃ فی نفسہ ایک واقعی امر ہے - اُس وقت سے
اس قانون کے تجسس مین سائنس (علم) سرگرمی سے کوشش کرنے لگا، اور اُن

تحقیق شدہ اور عمل پذیر سلسلہ یا مستقل نظم ونسق کا جو موجودات عالم مین پایا جاتا ہے نام لاآف نیچر یعنے قانون فطرت رکھا گیا۔ قانون فطرت صرف اُس باقاعدہ ترتیب کا اظہار ہے جو قدرتی اشیار مین پائی جاتی ہے اور جسکو ارباب نظر کی ایک کافی تعداد نے دیکھا ہے۔ اس امر کی نسبت اتفاق نہین ہے کہ قوانین خود کیا ہین۔ یہ قوانین نہ کسی چیز کو پیدا نہ کسی کی پرورش کرتے ہین۔ وہ صرف اُن چیزون کو یکسان طریقہ پر قائم رکھتے ہین جو پیدا ہو چکے ہین اور جن کی پرورش ہو رہی ہے۔ درحقیقت وہ ایک طرز عمل ہین نہ کہ عامل، وہ ایک آئین ہین نہ کہ قوت، مثلاً قانون کشش صرف ایک طرز کارروائی کا بیان ہے وہ خود کشش کی نسبت کسی قسم کی روشنی نہین ڈالتا ہے۔ نیوٹن نے کشش کا انکشاف نہین کیا نہ اُسکی حقیقت اب تک منکشف ہوئی ہے۔ اُسنے صرف قانون کشش کو دریافت اور ظاہر کیا۔ مگر وہ اس قانون کی ابتدا یا خاصیۃ یا سبب کا کوئی علم نہین دیتا۔

یہ ہی مختصر حقیقت نیچر اور لاآف نیچر یعنے فطرۃ اور قانون فطرۃ کی جو اس زمانہ کے فلسفی بیان کرتے ہین۔ اب ہمکو دیکھنا چاہیے کہ اسکی نسبت حکمار قدیم کیا کہتے ہین۔ وہ نیچر کے معنے اور مفہوم پر طبیعت کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اور اُسے ایک قوت روحانیہ مدبرۂ عالم سمجھتے تھے۔ جیسا کہا گیا ہے کہ انہا قوۃ روحانیۃ مدبرۃ الکل۔ افلاطون کا یہ خیال تھا کہ طبیعت کی دو قسمین ہین ایک عام جو تمام عالم مین ساری ہے دوسری خاص جو ہر چیز مین پائی جاتی ہے جسکی وجہ سے تمام تغیرات اور تاثیرات ہوتی ہین" کما قال ان فی العالم طبیعۃ عامۃ تجمع الکل وفی کل واحد من المرکبات طبیعۃ خاصیۃ وحد الطبیعۃ انہا مبداء الحرکۃ والسکون فی الاشیاء ای مبداء التغیر وهو قوۃ ساریۃ فی الموجودات کلها لکون السکنات والحرکات بها۔ یعنی عالم کی ایک طبیعت عام ہے جو سب کی جامع ہے

اور پھر ہر ایک چیز کی خاص خاصیت ہو اور طبیعت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک قوت ہے جو تمام موجودات مین ساری ہے اور تمام تغیرات اور سارے کام یعنی دوسری چیز پر اثر کرنا اور دوسری چیزون کا اثر قبول کرنا اُسی سے ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ معنے طبیعت کے قریب قریب نیچر کی اُس تعریف کے ہین جو فلاسفہ حال کرتے ہین۔

اب دیکھنا چاہئے کہ سید صاحب کیا فرماتے ہین۔ وہ اپنے ایک مضمون مین جو "نیچری" کے عنوان سے ۱۲۹۶؁ ہجری کے تہذیب الاخلاق مین چھپا ہے لکھتے ہین۔ کہ "ابتدا مین یہ علم (نیچر) محدود تھا مگر جسقدر زیادہ تحقیقات ہوتی گئی اُسیقدر زیادہ وسیع ہوتا گیا اور ثابت ہو گیا کہ جسقدر چیزین دکھائی دیتی ہین یا جانی گئی ہین۔ یہان تک کہ انسان کے کام اور انسان کے خیالات اور اُسکے اعتقادات سب کے سب نیچر کے قوانین کی زنجیر مین جکڑے ہوئے ہین"۔ یہ بیان سید صاحب کا کچھ نیچر اور لا آف نیچر کی حقیقت کا بیان نہین ہے۔ بلکہ اُسکے ایک عام مفہوم کا بیان ہے اور اس سے وہ اس بحث کے اصل نتیجہ کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنے نیچر کے ماننے اور نہ ماننے کا اثر مذہب پر کیا پڑتا اور یہ بحث کیا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ وہ اسکے آگے یہ فرماتے ہین کہ "جسطرح تمام انسان اُس خیال سے جسکو ہم کبھی مذہب سے اور کبھی لامذہب سے تعبیر کرتے ہین خالی نہین ہین اسیطرح اس علم کے عالم بھی اُس خیال سے خالی نہ تھے۔ بعض لوگون کو یہ خیال ہوا کہ جب ہم نیچر ہی کو تمام چیزون مین اُنکے پیدا ہونے مین اُنکی بقا مین اُنکی فنا مین پاتے ہین تو جو کچھ ہے نیچر ہے اور اُسکے سوا اور کچھ نہین۔ اُنہون نے اُسکا بھی جسکو ہم تم خدا کہتے ہین انکار کیا اور کہا کہ یہ دنیا آپ ہی آپ ہوئی اور آپ ہی آپ قایم ہے، اور ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہیگی۔ بعضون نے کہا کہ وہ جسکو ہم تم خدا کہتے ہین شاید ہو یا نہو کچھ ٹھیک نہین ہے۔ شاید اِن ہی کے مشابہ وہ لوگ ہونگے جنکو ہمارے

علمار اسلام نے دہریہ کا خطاب دیا ہے۔ انہین عالمون مین ایسے لوگ بہی ہین کہ انہون نے جسقدر زیادہ نیچر کی اور اُسکے قوانین کی تحقیقات کی اُسی قدر اُسکو ایسی ترتیب اور ایسی مناسبت اور ایسے انتظام سے پایا جس سے وہ حیران ہوگئے اور انہون نے یقین کیا کہ یہ سب چیزین آپ ہی آپ ایسی عمدگی سے نہین ہوسکتین بیشک اُنکو کسی بڑے کاریگر نے سمجھ بوجھکر بنایا ہے۔ اُنہون نے اُس علۃ العلل کا جس کی یہ سب چیزین معلول ہین یا نیچر کے قوانین بنانے والے کا یا اِن سب چیزون کے پیدا کرنے والے کا یا اُسکا جسکو ہم تم خدا کہتے ہین اقرار کیا اور ٹھیک وہی راستہ چلے جو کلدانیہ کے رہنے والے ایک نوجوان نے جسکو ابراہیم کہتے ہیں اختیار کیا تھا۔"

سید صاحب کے اس بیان کو ہر منصف مزاج جو مذہب اور علم دونون سے واقفیت رکھتا ہو قبول کریگا اور اُن حکیمون کے خیالات کو اسکا موید پاویگا جو سائنس (علم) کی بیجا حمایت نہین کرتے۔ کیونکہ وہ بہی نیچر اور قوانین نیچر کو ایک خدائے قادر مطلق کی ذات اور صفات کا ثابت کرنے والا اور توحید پر یقین دلانے والا سمجھتے اور کہتے ہین۔ کہ قوانین فطرۃ کے علم ہی نے انسان کا خیال ایک خدا کی طرف رجوع کیا اور نظام عالم کے اُس سلسلہ نے جو نہایت استحکام سے ایک دوسرے سے ملا ہوا اور تمام دنیا کو اپنی زنجیر مین جکڑے ہوئے ہے بندون کو توحید کی طرف متوجہ کیا۔

اب ہمکو دیکھنا چاہئے کہ مظاہر عالم پر نظر کرنے اور موجودات عالم کے دیکھنے سے انسان کا خیال خدا کی طرف کیون رجوع ہوا اور بالآخر اس نظارہ نے ایک ایسے خدا کا جو اپنی ذات و صفات مین کامل ہو کیون یقین دلایا۔ اُسکی کیفیت یہ ہے کہ جب انسان نے موجودات عالم پر نظر کی تو دیکھا کہ جتنی چیزین اس دنیا مین ہین اُنکی کوئی ہستی ہے وہ پیدا ہوتی ہین نشو و نما پاتی ہین اُنمین خاص خاص قوتین

اور تاثیرین ہین۔ تو اُسنے اپنا خیال دوڑایا کہ انکی ہستی کس سے ہی انکا قایم رکھنے والا اور محافظ کون ہے اور انمین یہ خاصیتین اور تاثیرین کس نے رکھی ہین۔ تب اُسنے سوچا کہ جسم تو من حیث انہ جسم ان افعال متنوعہ اور خواص مختلفہ اور تاثیرات عجیبہ کا پیدا کرنیوالا نہین ہوسکتا۔ اسلئے اسکا خیال کسی پوشیدہ اور باطنی قوۃ کیطرف گیا غیر تربیت یافتہ دماغون نے علم کے زمانہ سے پہلے مظاہر کائنات کے اختلافات کو مختلف قوتون اور مختلف ارادون سے منسوب کیا۔ اور ہر فعل اور ہر کام کے لئے ایک دیوتا قرار دیا۔ علم کے زمانہ سے اول لوگون کی سمجھ سے یہ بات دور تھی۔ کہ وہ مظاہر کائنات کے اختلافات کو کسی ایک قوۃ یا ایک ارادہ سے منسوب کرتے۔ بلکہ اُنکے قدرتی میلان طبیعت نے اُنہین مجبور کیا کہ ہر مختلف فعل اور ہر مختلف ظہور کو ایسی مختلف قوتون سے منسوب کرین جو اپنے ارادہ اور اپنی مرضی سے اُن افعال مختلفہ کے بانی ہون اور اپنے اپنے صیغہ اور اپنے علاقہ کے حاکم ذی اقتدار ہون گو کوئی بڑا خدا ایسا ہی خیال کیا جاتا جسکو تمام خداؤن پر نگرانی کا اختیار حاصل ہو مگر وہ مختلف علاقون کا حاکم تسلیم نہین کیا جاتا اور ہر کام کے لئے جداگانہ خداؤن سے رجوع کرنا ضروری سمجھا جاتا۔ ایک قوت یا ایک حاکم یا ایک خالق یا ایک مدبر کا سچا عقیدہ پیدا نہین ہوسکتا تھا جبتک کہ انسان نے یہ غور کرنا شروع نکیا کہ مظاہر کائنات اور موجودات عالم جو ایک ابتری کی حالت مین نظر آتے ہین وہ ایک ایسی نظام پر مبنی ہین جس مین ہم ایک مفرد ارادہ اور بلا شرکت غیرے خاص اُس کے دخل اور اُس کی حکومت اور اُسکے عمل کو دیکھتے ہین۔ دنیا کی نسبت ایسا خیال شاید مستثنے ذہن کے آدمیون مین پیدا ہوا ہو مگر یہ خیال عام اُسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ علمی خیال کی ترقی کو ایک مدت گذر چکی ہو۔ اور وہ ترقی جو انسان نے علم مین کی اور وہ تربیت یافتہ دماغ جنہون نے علمی تحقیقات سے اس کائنات کا خیال کیا

اس قابل ہوسکتی تہی کہ اُن گنتی دیوتاؤن کے ماننے کے بدلے وہ ایک ایسے خدا کو مانین جو اپنی ذات مین کامل اور صفات مین یکتا ہو اور اپنی قدرت اور ارادہ مین کوئی شریک نہ رکھتا ہو۔ اس جگہ سے ایک خدا کے ماننے کا اعتقاد شروع ہوتا اور نیچر خدا کی وحدت اور یکتائی سکھاتا ہے۔ اور جہان تک نیچر کے قوانین کا انکشاف ہوجاتا ہے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے عقیدہ کی قوت بڑہتی جاتی ہے۔ سائنس (علم) کا کام کیا ہے؟ اُسکا کام ہے شہادت جمع کرکے اس بات کا ثابت کرنا کہ نیچر مین ہر ایک واقعہ کسی پچھلے واقعہ یا واقعات سے تعلق رکھتا ہے۔ یا یون کہئے کہ ہر واقعہ کا وجود کسی مقدم واقعہ پر منحصر ہے لیکن نہ ایسا کہ وہ دوسرون کے عمل سے باطل یا ترمیم ہوسکے۔ کیونکہ یہ جداگانہ سلسلے علل کے ایک دوسرے سے ایسے وابستہ ہین اور ہر علت کے عمل مین دوسری علتونکی اسقدر مداخلت ہوتی ہے کہ ہر نتیجہ حقیقت مین بجاے ایک ہی علت سے پیدا ہونیکے تمام موجودہ علل کے مجموعی اثر سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جبکہ یہ خیال دل مین جاگزین ہوا ہر واقعہ کا وجود پچھلے واقعات پر منحصر ہے اور ساتہہ ہی ساتہہ اُسکے وقوع ہونیکے لئے نہ صرف چند بلکہ شاید کل گذرے ہوئے واقعات کا باہم ملنا ضرور ہے۔ اور ملنا بھی اس طور پر کہ خفیف سا فرق بہی اُس واقعہ کو پیدا نکرتا یا اُسکی حیثیت بہت کچھ بدلدیتا تو لامحالہ یہ عقیدہ پیدا ہوتا۔ کہ ایسے ارتباط اور انتظام اور تسلسل کو جس سے تمام عالم جکڑا ہوا ہے کوئی معین نہین کرسکتا نہ وہ قایم رہ سکتا تھا بجز ایک ایسی ذات کے جسکے قبضہ قدرت مین نہ صرف ایک علاقہ کی بلکہ تمام کائنات کی حکومت ہو اور جسکا کوئی سہیم اور شریک نہو۔ اسلئے ایک خدا اور ایک قادر مطلق کے یقین کا سبب یہ نہین ہے کہ زیادہ ترقی یافتہ قومون مین وہ پایا جاتا ہے۔ بلکہ اُسکی یہ وجہ ہے کہ علم کی زمین پر صرف یہی اعتقاد اپنے قدم جمانے کا دعوےٰ کرسکتا ہے۔ شرک کا خیال اور بہت سے دیوتاؤن کے ماننے کا اعتقاد یعنے یہ کہ ہر دیوتا یا ہر ایک خدا اپنے علاقہ پر

جُدی حکومت رکھتا ہے یا تو اس مقررہ اور مسلم شدہ اصول کے خلاف ہوگا کہ مقررہ قوانین کے موجب ہر ایک عمل اور ہر ایک واقعہ پچھلے اعمال اور گذرے ہوئے واقعات کا نتیجہ ہے۔ یا اس بات کو ماننا پڑیگا کہ نظام عالم مین واقعات کا کوئی تسلسل اور ارتباط نہین ہے اور نہ کسی ایک چیز کا وجود دوسری گذشتہ چیزون سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ دونون باتین جو عالم نتائج علم کی ہین توحید کے انکار اور تعدد والٰہ کی عقیدہ کے قدم کو علم کی زمین مین جمنے نہ دینگی اور علم اس اعتقاد کے رد کرنے اور اپنی زمین سے نکال دینے پر مجبور ہوگا۔ کیا خوب کہا ہے زمانہ حال کے ایک فلسفی نے کہ "جب علمی نگاہ سے یہ امر دیکھا جائے کہ یہ کائنات ایک مستحکم اور مسلسل اور منتظم نظام ہی اور وہ باہم ایسا متحد ہے کہ نہ مثل جال کے بلکہ انسان کے جسم کے یا ایک ایسے آلہ کے جو اپنے پُرزون کی دائمی حرکت سے چل رہا ہے تو یہ ضرور تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ سوال جسکا جواب عقیدہ خدا ہے بالکل ایک طبعی سوال ہے اور انسانی دماغ کی ایک ظاہری ضرورت سے پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ ہم مشاہدہ کی وسعت سے ہر جداگانہ واقعہ کی ایک محدود ابتدا، کی تلاش کرنے کے عادی ہین۔ اور چونکہ جہان کہین ابتدا ہے وہان ہم ایک مقدم واقعہ کو پاتے ہین جسے ہم علت کہتے ہین۔ اسلئے یہ ناممکن تھا کہ انسانی دماغ اپنے سے یہ سوال نکرتا کہ آیا کل کائنات کی ابتدا نہ تھی جس کے یہ خاص مظاہر محض ایک جزو ہین اور اگر تھی تو آیا وہ ابتدا، ایک واجب الوجود ہستی تہی یا کیا۔ آیا علل اور نتائج کے ان کل سلسلون سے جنکو ہم نیچر کہتے ہین پہلے کوئی چیز جسکے بغیر خود نیچر کی ہستی ہوتی تھی یا نہین۔ اُس زمانہ سے جبکہ انسان نے پہلی ہی مرتبہ فکر کو جولانی دی یہ سوال کبھی بغیر کسی نہ کسی فرضی جواب کے نہین رہا ہی اور اُسکا صرف ایک جواب تشفی بخش ہے یعنی ایک خدا کا ماننا اور اُسکی ذات اور صفات مین کسیکو شریک نہ سمجھنا اور اُسکی قدرت اور حکومت مین کسیکی مداخلت نہونا

یہ نتیجہ جو نیچر اور اُسکے غیر متغیر اور مستحکم اور مقررہ قوانین نے پیدا کیا ہے درحقیقت اسلام کی تصدیق ہے اور علم کا سچے دل سے اس بات کا اقرار کہ۔"

ان الدین عند اللہ الاسلام فطرة اللہ التی فطر الناس علیہا	بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ یہ اللہ کی فطرۃ ہے جسپر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

اور در اصل نیچر ہر ایک بندہ کو خدا کی یہ منادی سُنانے والا اور اس حکم کا اشتہار دینے والا ہے کہ" اقم وجہک

للدین حنیفا فطرة اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذٰلك الدین القیّم ولکن اکثر الناس لا یعلمون ٥	پس تو ایک طرف کا ہوکر اپنا مُنہ دین کیلئے سیدھا کر۔ اللہ کی فطرۃ جسپر اُسنے آدمیونکو پیدا کیا ہو (لازم پکڑ) اللہ کی پیدائش مین تبدیلی نہین ہے۔ یہ دین کا سیدھا رستہ ہی لیکن اکثر آدمی نہین جانتے۔

اب مین اپنے دوست سے جنکا یہ خیال ہے کہ سید صاحب خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرتے ہین اور جنکا مجھسے یہ سوال ہے کہ کیا آپ کے نزدیک خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرنا کفر نہین ہے۔ بکمال ادب عرض کرتا ہون کہ وہ سید صاحب کے عقیدہ کی نسبت انصافاً خود فیصلہ کرین کہ آیا سید صاحب خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرتے ہین یا نیچر کو خدا کا قایم کیا ہوا سمجھکر نیچر سے خدا کی خدائی اور اُسکی یکتائی اور بے ہمتائی ثابت کرتے ہین۔ اور وہ بھی نہ اپنی زبان سے بلکہ خدا کی زبان سے اور نہ اپنے دل سے بلکہ خدا کی وحی سے۔ میرے دوست سید صاحب کے اُس مضمون کو ذرا غور سے ملاحظہ فرمائین جو ۱۲۹۲ھ کے تہذیب الاخلاق کے شروع مین نیچر پر لکھا ہی اور جسمین ایک عجیب دل پر اثر کرنے والی تحریر سے خدا کی خدائی اور اُسکی کبریائی وہ نیچر سے دکھاتے ہین۔ وہ کہتے ہین کہ "کسی نے خدا کو اور کسی طرح نہین جانا اگر جانا تو نیچر ہی سے جانا۔ موسیٰ نے رب ارنی کے جواب مین کیا سُنا لن ترانی ولکن انظر

الی الجبل' پہاڑ پر کیا تھا وہی نیچر قانون قدرت کا نمونہ تھا۔ خود خدا آپ ہی اپنے آپ کو کچھ نہین بتلا سکا اور جو بتلایا تو نیچر ہی کو بتلایا۔ بولا کہ جسنے زمین کو تمہارے لئے بچھونا اور آسمان کو ڈیرہ بنایا اور آسمان سے پانی برسایا۔ جس سے تمہارے کھانیکے لئے طرح طرح کے میوون کو اُگایا وہی خدا ہے۔ بولا کہ سمجھدارون کے لئے آسمان و زمین کے پیدا کرنے' رات دن کے مختلف ہونے کشتی کے دریا مین چلنے آسمان سے پانی برسنے زمین کے مر کر زندہ ہونے ہواؤن کے اِدھر اُدھر چلنے بادلون کے آسمان و زمین مین ادھر اُدھر ہونے مین نشانیان ہین۔ جب پوچھو کہ تو کون ہے اُسکا جواب تو کچھ نہ دے اور اپنے قانون قدرت کو بتادے اور بولے۔ کہ وہ جو رات کو دن مین اور دن کو رات مین ادل بدل کر دیتا ہے' زندہ سے مردہ' مردہ سے زندہ نکالتا ہے"۔

اسی طرح وہ قرآن مجید کی بہت سی آیتون کا بیان کرکے لکھتے ہین کہ "خدانے ہمکو' ہماری جان کو' ہماری سمجھ کو' ہمارے قیاس کو ہمارے دل و دماغ کو' ہمارے روئین روئین کو' نیچر سے جکڑ دیا ہے۔ ہمارے چارون طرف نیچر ہی نیچر پھیلا دیا ہے' نیچر ہی کو ہم دیکھتے ہین' نیچر ہی کو ہم سمجھتے ہین' نیچر ہی سے خدا کو پہچانتے ہین ۔۔۔۔ ہمارے باپ دادا بھی کچھ کرشمہ اور کرامات دیکھکر ایمان نہین لائے تھے' وہ بھی فطرتی مسلمان تھے۔ ہمارا ہی دادا تھا جسکے دل مین فطرتی ایمان نے جب جوش کیا تو گھبرا گیا اور نیچر کو' فطرۃ کو' خدا کے دین کو ڈھونڈھنے لگا۔ خدا ہی نے اُسکو ملکوت السماوات والارض دکھلا دیئے۔ وہ ملکوت کیا تھا' وہی نیچر فطرت خدا کا دین تھا۔ رات کی اندھیری مین ایک روشن ستارہ نیچر کا پرکالہ دیکھا' جانا کہ یہی خدا ہے' چاند کو نور کا ٹکڑا پایا اُسی پر خدا ہونے کا دھوکہ کھایا۔ سورج کو سب سے زیادہ چمکیلا دیکھا۔ اُسی پر خدا ہونے کا گمان کیا۔ مگر جب دیکھا کہ یہ سب تو ڈوب جاتے ہین تو بول اُٹھا کہ مین اُسپر ایمان لایا جسنے فطرۃ نیچر کو بنایا اور پکا فطرتی مسلمان ہوا"۔

اے میرے دوست۔ اگر تم آنکھ رکھتے ہو دیکھنے والی اور کان رکھتے ہو سُننے والے اور دل رکھتے ہو سمجھنے والا تو اس تحریر کو۔ اس بیان کو۔ اس اعتقاد کو دیکھو اور انصاف کرو۔ کہ یہ تحریر سید کی کیا پکارتی ہے' اسکا کہنے والا کیا کہتا ہے اور اُسکا اس تحریر سے کیا عقیدہ ظاہر ہے' کیا وہ خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرتا ہے' کیا وہ خدا کی خدائی اور اُسکی قدرت کا منکر ہے' کیا وہ ابراہیمی ملت پر نہین ہے' کیا اُس کے ہر بُن مُو سے اسلام نہین ٹپکتا ہے' اور کیا ایسا شخص اسلام سے خارج سمجھا جا سکتا ہے' اگر اسپر بھی تم یہی کہو کہ وہ دہریہ ہے' وہ ملحد ہے' وہ اسلام کا مخالف ہے' وہ نیچری ہے اور نیچری بھی وہ جسے تم مرادف دہریہ سمجھتے ہو تو آؤ اور مباہلہ کرو ندع ابناءنا

وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله علی الکاذبین ه	ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں اور اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں اور اپنی جانوں اور تمہاری جانوں کو ایک جگہ جمع کرین پھر گڑگڑا کر دعا کرین اور

مین اُن سادہ لوح اور نیک دل مسلمانون کو کچھ نہین کہتا جو کچھ نہین جانتے' کچھ نہین دیکھتے' اور کچھ نہین سمجھتے' بلکہ اُس اعرابی کی طرح جو رسولؐ عربی روحی فداہ کی بات سنکر لا ازید ولا انقص کہتا ہوا چلدیا تھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ دل سے کہتے' معمولی فرائض ادا کرتے' اور اپنے پیٹ کے دھندے مین لگے رہتے ہین کہ وہ سچے اور پکے مسلمان ہین' اور سیدھے بہشت مین چلے جاوینگے وہ جو چاہین بیچارے سید کی نسبت خیال کرین کافر کہین' ملحد سمجھین فانھم معذورون۔ البتہ اُن بزرگوار سے جنکے سر عمامہ فضیلت سے' جنکے گلوی مبارک ہزاردانہ کی مقدس تسبیح سے جنکے نورانی سینے ذرنگار حمائل سے ہمیشہ مزین اور مزیب رہتے ہین' جنکی زبان پر ہر وقت قال اللہ و قال الرسول جاری رہتا ہے جنکے ہاتھ مین دُرہ اور زبان پر لعنت ہوتی ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مین ہر دم مشغول رہتے بات بات پر مسلمانون کو

کافر بتاتے' مالک جہنم کے نام وارنٹ جاری کرتے اور لوگون کو دوزخ مین بھیجتے
رہتے ہین' کہتا ہون اور پکار کر کہتا ہون۔ کہ وہ ڈرین اُس روز سے جو آنے والا
ہے اور یاد رکھین اُس دن کو جسمین دل کی بات کھلنے والی ہے' وہ کہتے ہین وہ
بات جسے اُنکا دل جھٹلاتا ہے۔ وہ دکہاتے ہین وہ چیز جسکے خلاف اُنکے سینہ مین ہے
وہ جانتے ہین کہ سید مسلمان ہے اور پکا مسلمان پر اُسے کافر کہتے ہین تاکہ عوام خوش
ہون اور اُنھین بڑا مقدس اور ابرار جانین۔ وہ خوب سمجھتے ہین کہ سید خدا کا
معتقد۔ رسولؐ پر شیدا۔ اسلام کا عاشق ہے۔ مگر اُسے دہریہ اور ملحد بتاتے ہین'
تاکہ اُنکے دل کی آگ ٹھنڈی پڑے اور جُہلا اُن کو شریعت کا ستون اور دین کا
رُکن سمجھین۔ کیا جواب دینگے اُس حاکم کو جسکے سامنے نہ کوئی حیلہ چلیگا نہ کوئی
بناوٹ' جبکہ اُسکے روبرو وہ اور اُنکا بنایا ہوا کافر (سید) دونون ہونگے اور خدا
اُنسے پوچھیگا کہ من کان الھکم ھواکم و معبودکم سلاطینکم و قبلتکم دراھمکم
و شریعتکم رعونتکم و عبادتکم خدمتکم اغنیاءکم و ذکرکم وسواسکم
و فکرکم استنباط الحیل لما تقتضیہ حشمتکم کیف تمیز لکم ظلمتہ الکفر
من ضیاء الایمان و بای ذنب کفرتم عبدی الذی کان علی بصیرۃ منی و
المعرفان و متمسکا بقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صادقا بھا غیر
مناقض لھا بتقدیمہ القرآن علی غیرہ ام باتباعہ البینات واجتنابہ
عن الشبھات و اختیارہ العلم علی الجھل و ایثارہ الیقین علی الشک و
الارتیاب و ایمانہ علی ان القرآن کان کلاما حیا و اماما صادقا و عدم
ایثارہ اقوالکم علی القرآن و عدم اختیارہ الضلالۃ بعد الھدی والایمان
کراب مجھے بتاؤ اور جواب دو اے وہ لوگو جو اپنی خواہشات کو پوجتے' اپنے بادشاہونکو
معبود سمجھتے اور درہم و دینار کو قبلہ جانتے تھے۔ نہ سوائے رعونت کے دوسرا تمھین

خیال تھا نہ بجز عزت وجاہ حاصل کرنیکے علم وعبادت سے تمہارا کوئی مقصود تھا
تم اپنے وسوسون کو ذکر سمجھتے اور دولت وجاہ پیدا کرنے کے حیلے ڈھونڈھتے رہتے
تھے۔ تمکو کیونکر معلوم ہوا کہ کفر کیا تھا اور ایمان کیا۔ تمنے کیونکر جانا کہ کافر کون تھا
اور مسلمان کون۔ کفر اور ایمان کی روشنی مین تمنے کیونکر تمیز کی، ضلالت اور ہدایت کا
فرق تمکو کسنے بتایا اور کس گناہ مین تمنے میرے بندے اور میرے حبیبؐ کے فرزند کو
کافر ٹھرایا، جبکہ تم جانتے تھے کہ میری توحید اور رسالت پر ایمان رکھتا ہے۔ کیا
اس سبب سے وہ کفر کا مستوجب ٹھہرا، کہ اُسنے میری کتاب کو دوسری کتابون پر
مقدم جانا، اور میرے سچے کلام کے مقابلہ مین جھوٹے قصّون اور باطل روایتون
اور غلط کہانیون کو نہ سُنا۔ کیا یہ اُسکی خطا تھی کہ اُسنے قرآن کو زندہ کلام اور سچّا
امام مانا اور میری سنت اور عادت کے تغیر اور تبدل سے انکار کیا اور لاتبدیل
فی خلق اللہ ولا تحویل فی سنۃ اللہ کہتا رہا وہ کافر تھا یا مسلمان، ملحد تھا
یا مومن۔ مگر تم جانتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ اُسکی نیت تھی دین کی حمایت اور
اسلام کی سچائی کا اظہار۔ تم جانتے تھے کہ وہ میرے رسول کا عاشق اور میرے
بندون کا خیر طلب ہے۔ گو اُسنے غلطی کی یا خطا، اُسکا معاملہ مجھ سے تھا۔ تمنے کس
جرم مین اُسکی تکفیر کی اور کس خطا مین اُسے واجب القتل ٹھرایا۔ ای میرے دوست
ذرا انصاف کر کہ یہ لوگ کیا جواب دینگے۔ بلا شبہ وہ لوگ جو اپنی نیک نیتی غلطی سے
مگر اسلامی جوش اور ایمانی محبت اور دل کی سچائی سے اُسے بُرا کہتے ہین چھوٹ جائینگے
مگر دل مین کینہ رکھنے والے اور جان بوجھکر اُسے کافر کہنے والون کا کیا انجام ہوگا
عجب نہین کہ اُسوقت سید ہی کی سیادت جوش کرے اور اپنے دادا کا دامن پکڑ کر لا تثریب
علیکم الیوم کہتا ہوا شفاعت چاہئے اور اپنے خدا کے روبرو سر بسجدہ ہو کر دینا ا فتنہ

سلہ میں یقین کرتا ہوں کہ ایسا کوئی نہیں ہے (سید احمد)

بیننا وبینہم بالحق کی جگہ ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم ہ کہنے لگے [۱]

مین اپنے دوست اور اُس مضمون کے پڑہنے والون سے معافی چاہتا ہون کہ مین اصل بحث چھوڑ کر دوسری باتین لکھنے لگا۔ مگر وہ انصاف کرین کہ سید کی نیت اور کوشش کا جو وہ اسلام کی سچائی دکھانے مین کرتے ہین کیا یہی صلہ ہے کہ شکر کے بدلے اُنکی تکفیر کیجاوے اور غلطی جو اُنکے بعض خیالات مین پائی جاتی ہے خطار اجتہادی سمجھنے کے عوض الحاد اور دہریت سے منسوب کی جاوے۔ کیا مین سید صاحب کی راے سے اختلاف نہین کرتا' کیا مین اُنکی غلطیان نہین بتاتا' بلکہ شاید مجھہ سے بڑہکر اُنکے مذہبی خیالات پر انصاف اور اعتدال سے نکتہ چینی کرنے والا دوسرا نہوگا۔ مگر یہ اختلاف راے اور خیال کی سچائی اور ایمانداری کا اختلاف ہے اُس سے اُن کے اُن مساعی جمیلہ سے چشم پوشی نہین کی جاتی جو وہ حقایق اسلام اور اسرار شریعت اور حقیقت اسلام کے اظہار مین کرتے ہین اور جنمین سے بعض ایسے عالی اور بلند مقام ہین کہ غالباً اکثر لوگون کی فکر اور نظر بہی وہان تک نہین پہونچ سکتی۔ اگر ایسا اختلاف اُنکے ساتھہ کیا جاوے تو وہ رحمت ہے اور یقیناً خود سید صاحب کی مشکوری کا باعث۔ مگر جبکہ اُنکی تمام خوبیان چہپائی جاتی اور اُنکی تمام پاک کوششون سے چشم پوشی کی جاتی ہے اور اُن حقایق اور دقایق سے جو اسلام اور شریعت کے اُنہون نے ظاہر کئے ہین انکار کیا جاتا ہے اور جان بوجھکر اُنکو ملحد اور دہریہ اور طعناً نیچری کہتے ہین۔ تو دل جلتا ہے اور اسلام کی محبت بے اختیار اُنکی حمایت مین ایسے چند کلمے لکھنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس مضمون کے لکھتے وقت میرے دل کی یہی حالت

[۱] واہ جناب نواب محسن الملک آپ بہی خوب شخص ہین۔ جو کچہہ ہمارے برخلاف لکھین وہ بہی صحیح ہو اور جو کچہہ ہمارے موافق لکھین وہ بہی صحیح ہو کبہی ہمکو آسمان پر چڑہا دین اور کبہی تحت الثرٰی مین گرا دین۔ پس آپ کو سلام ہے۔
(سید احمد)

ہوئی اور بیچ دہو کر جو دل مین آیا وہ قلم سے نکل گیا۔ اب مین پہر نفس مطلب کی طرف رجوع کرتا ہون۔

نیچر کے متعلق جو انتخاب سید صاحب کی تحریر سے مین نے کیا ہے۔ اُسکے دیکھنے کے بعد یقیناً یہ تو کوئی نہ کہیگا کہ سید صاحب نیچر کو خدا سمجھتے ہین یا معاذ اللہ وہ خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرتے ہین بلکہ وہ اُسے ایک قوت سمجھتے ہین جو خدا نے اپنی مرضی اور ارادہ سے ہر چیز مین ودیعت رکھی ہے اور اُسے ایک قانون جانتے ہین جسے قادر مطلق نے اپنی قدرت کاملہ سے نظام عالم کے قایم رکہنے کے لئے اپنی مشیت اور اپنے اختیار سے بنایا ہے۔ ہان وہ یہ ضرور کہتے ہین کہ یہ قانون ایسا مستحکم اور مضبوط ہے کہ اُسے کوئی توڑ نہین سکتا۔ نہ خدا جب تک اس قانون کو قایم رکہیگا خود اُسے توڑیگا۔ اور یہ نہ توڑنا اُسکا اُسکی قدرت کا نقص ظاہر نہین کرتا بلکہ وہ پوری قدرت رکہتا ہے۔ اُسکے بدلنے اُسکے منسوخ کرنے اور اُسکے بجائے دوسرا قایم کرنے کے۔ مگر جب تک وہ اسے قایم رکہیگا اُسکے کسی حصہ یا کسی جزو کو نہ بدلا ہے نہ بدلیگا۔ اور یہ بات بھی وہ اپنی طرف سے نہین کہتے نہ اور فلسفیون اور حکیمون کی طرح صرف عقلی دلیلون سے اُسے ثابت کرتے ہین۔ بلکہ خدا کے ارشاد کے مطابق اور قرآن کی شہادت پر کہتے ہین۔ جیساکہ وہ اپنی تفسیر کی جلد سوم مین فرماتے ہین" کہ ہم اسکے (یعنے قانون قدرت کے خلاف کسی بات کے ہونے یا اس قانون کے ٹوٹنے) کے انکار پر مجبور ہین کیونکہ خدا تعالےٰ نے ہمکو صاف صاف بتلایا ہے کہ جو قانون قدرت اُسنے بنادیا ہے۔ اُسمین کسیطرح تبدیل نہین ہوسکتی۔ نہ خدا اُسمین کبہی تبدیل کرتا ہے اور نہ تبدیل کریگا۔ خدا کا بنایا ہوا قانون قدرت اُسکا عملی وعدہ ہے کہ اسی طرح ہوا کریگا اگر اُسکے برخلاف ہو تو خلف وعدہ اور کذب خدا کی پاک ذات پر لازم آتا ہے جس سے اُسکی ذات پاک بری ہے۔

خدانے فرمایا ہے انا کل شیئ خلقناہ بقدر یعنے ہمنے ہر چیز کو ایک اندازہ پر پیدا کیا ہے۔ اور فرمایا ہے وکل شیئ عندہ بمقدار یعنے ہر چیز خدا کے نزدیک ایک اندازہ پر ہے۔ تفسیر کبیر مین امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ "معناہ بقدر وحد لا یتجاوز ولا ینقص عنہ۔ یعنے اُسکے معنے یہ ہین کہ ایک اندازہ اور ایک حد پر کہ نہ اُس سے بڑھتی ہے نہ کم ہوتی ہے۔ اور فرمایا ہے وخلق کل شیئ فقدرہ تقدیرا۔ یعنے اللہ نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا پھر مقرر کیا اُسکا ایک اندازہ' اور یہی اندازہ قانون قدرت ہے۔ دوسری جگہ خدا نے فرمایا ہے لا تبدیل لخلق اللہ یعنے اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزون کے لئے بدل جانا نہین ہے۔ اور ایک جگہ فرمایا کہ فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا یعنے تو ہرگز نہین پانے کا اللہ کی سنت مین ادل بدل ہونا اور نہ پاویگا تو اللہ کی سُنّت مین اُلٹ جانا۔ اور اسی طرح فرمایا ہے" سنت اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا اور ایک جگہ فرمایا قل کل یعمل علی شاکلتہ ای علی طریقۃ اللتی جبل علیہا یعنے ہر ایک اُسی طریقہ پر عمل کرتا ہے جو اُسکی جبلت مین بنایا گیا ہے۔ پس کسیکا مقدور نہین ہے کہ جو قانون قدرت خدا نے بنایا ہے اُسکے برخلاف کوئی کرسکے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ خدا جو ہر چیز پر قادر ہے اور جسنے خود قانون قدرت بنایا ہے وہ کیون نہین اگر چاہے تو اُسکے برخلاف کرسکتا۔ بلاشبہ خدا قادر مطلق ہے اگر وہ چاہے تو تمام دنیا کو اور تمام قانون قدرت کو معدوم کرکے اور نئی دنیا اور نیا قانون قدرت پیدا کردے مگر جو قانون قدرت کہ وہ بنا چکا ہے اُنکی صداقت کے لئے ضرور ہے کہ اُنمین تبدیل نہو یا اُنمین تبدیل نکرے۔ اور اُس سے اُسکی قدرت کاملہ مین کچھ نقصان نہین آتا۔ جیسے کہ جو وعدہ خدا نے کیا ہے اُسکے برخلاف نہین کرتا اور اُس کے سبب سے اُسکی قدرت کاملہ مین کوئی نقصان لازم نہین آتا۔

یہ بحث اہم المباحث ہے اور اس مسئلہ پر ہر مذہب مین آجکل بہت بڑی بحث ہو رہی ہے۔ اور اس زمانہ کے فلسفہ اور سائنس نے گویا اس مسئلہ کو طے کر دیا ہے کہ لا آف نیچر یعنے قانون قدرت کسی طرح ٹوٹ نہین سکتا اور نیچر جو خدا کی ہستی ثابت کرتا ہے وہ صرف اُسی خدا کی جو کہ اپنے قانون قدرت کو نہین توڑتا چنانچہ بجواب اس سوال کے کہ آیا وہ عقیدہ جو کائنات کی ایجاد اور خلق کو ایک خالق کے ارادہ سے منسوب کرتا ہے سائنس (علم) کے محققہ نتایج سے مطابقت رکھتا ہے یا نہین اور دوسرے یہ کہ اگر مطابقت رکھتا ہے ایک یورپین فلسفی یہ لکھتا ہے کہ "خدا کا اعتقاد دو قسم کا ہے۔ ایک ایسا ہی جو علمی تحقیقات کی سب سے زیادہ علم حقایق اور محققہ نتایج کے ساتھہ مطابقت رکھتا ہے' اور دوسرا ایسا ہے جو مطابقت نہین رکھتا ہے۔ وہ جو مطابقت نہین رکھتا وہ ایک ایسے خدا کا اعتقاد ہے جو دنیا پر تغیر پذیر ارادہ اور غیر مستحکم قانون سے حکومت کرتا ہے۔ اور وہ جو مطابقت رکھتا ہے وہ ایک ایسے خدا کا اعتقاد ہے جسکی رو سے وہ عالم پر غیر متغیر قوانین کے ذریعہ سے اپنی حکومت چلاتا ہے۔ ابتدائی زمانہ اور نیز خود ہمارے زمانہ کا عام خیال خدا کی حکومت کی نسبت یہ ہے کہ وہ ایک خدا مثل قدیم زمانہ کے مانے ہوتے دیوتاؤن کے دنیا کی حکومت خاص خاص احکام کے ذریعہ سے چلاتا ہے اور گو وہ علم اور ارادہ اور قدرت مین کامل مانا گیا ہے۔ مگر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کسی کام کے لئے اپنا ارادہ قایم نہین کرتا جبتک کہ اُس کام کا وقت نہ آئے یا کم سے کم وہ اپنے ارادہ کو ایسے استقلال اور ایسی مضبوطی سے قایم نہین کرتا ہے کہ اپنے بندون کی مناجات اور دعا' اور انکی گریہ وزاری اور مصیبت زدون کی تضرع اور ابتہال سے وقت پر نہ بدلے۔ ہم بغیر بیان کرنے اس بات کے کہ خدا کے علم اور حکمت کے کمال کے ساتھ خدائی حکومت کے اس اعتقاد کو جسمین اُسکی ناعاقبت بینی ثابت ہوتی ہے مشکل سے

مطابق کرسکتے ہین۔ یہان صرف اسقدر کہنا چاہتے ہین۔ کہ یہ اعتقاد کائنات کے اُس
سلسلہ سے تناقض ہے۔ جسکے موافق ہم بلا استثنار احدے تمام واقعات عالم کا وقوع
دیکھتے ہین اور جس سے کل مظاہر کائنات کو ہم ایک علم اور غیر تغیر پذیر قوانین کا پابند
پاتے ہین۔ جبکہ ہر واقعہ پچھلے واقعات کا نتیجہ ہوا کرتا ہے تو اس اعتقاد کیساتھ
کہ اُن واقعات کی ابتدار (یعنے اس عالم کی ایجاد اور ابداع) ایک ارادہ یعنے
ایک خدا سے ہی اس بات کا ماننا بہی لازم اور ضروری ہے کہ اُس ارادہ نے علم
اور نہ بدلنے والے قوانین قایم اور پچھلے واقعات پیدا کئے ہون۔ اگر کوئی خالق ہی
تو بالضرور اُسکا یہ ارادہ ہوگا۔ کہ کل واقعات اپنے وجود کا حصر متقدم واقعات پر
رکھین اور قوانین مقررہ کے بموجب پیدا ہون۔ اگر صرف یہ بات مان لی جاتی ہے
تو علمی تجربہ مین کوئی ایسی بات نہین ہے جو اس عقیدہ کے خلاف ہو۔ کہ وہ قوانین
اور علل اور نتایج کے سلسلے خود ایک خدائی ارادہ سے پیدا ہوئے ہین۔ بلکہ ہم اس
بات کے ماننے پر بہی مجبور نہین ہوئے کہ خدا کے ارادہ کا عمل صرف ایک مرتبہ
ہمیشہ کے لئے ہوا اور اُسنے نظام کائنات کو ایک حرکت دیکر جس سے وہ خود بخود
چلتا رہے ہمیشہ کے لئے چہوڑ دیا۔ سائنس (علم) اس بات کے ماننے کو بہی نہین
روکتا ہے کہ ہر واقعہ جو وقوع مین آتا ہے خدا کی ایک مرضی خاص سے پیدا
ہوتا ہی۔ مگر شرط یہ ہی کہ خدا اپنی ایسی مرضی مین اُن قوانین کا پابند رہے جو خود
اُسنے قایم کئے ہین عام رائے یہ ہی کہ ایسے اعتقاد سے خدا کی حشمت اور بزرگی زیادہ
قایم رہتی ہے بہ نسبت اُس عقیدہ کے جسکے بموجب کائنات کی اسطرح پیدائش
ہوئی کہ وہ خود بخود چل رہی ہے۔ مگر ایسے آدمی بہی گذرے ہین جنہون نے آخر الذکر
خیال کو خدا کی شان کے لایق سمجہا ہے اور خدا کو ایسے گھڑی ساز سے تشبیہ دینے پر
اعتراض کیا ہے جسکی گھڑی جبتک کہ وہ ہاتہہ نہ لگاتا رہے اور اُسکو جاری نرکھے

نہین چلتی ہے۔ ہم اس معاملہ کو کچھہ تعظیم کی نگاہ سے نہین بلکہ سائنس (علم) کی نگاہ سے دیکھتے ہین اور سائنس (علم) کے نزدیک یہ دونون خیالات خدائی عمل کے طریقے سے متعلق یکسان ہین"

اس انتخاب سے جو ہمنے ایک نامور فلسفی کی کتاب سے نقل کیا۔ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نیچر اور لا آف نیچر کا ماننا خدا کے اعتقاد کو باطل نہین کرتا بلکہ خدا کی خدائی اور اُس کی قدرت اور علم اور ارادہ کے اعتقاد کے بالکل موافق ہے۔ مگر ہان وہ اُسی خدا کو مانتا ہے جسنے اپنے کامل علم و حکمت سے ایسا مستحکم اور بے نقص قانون بنایا ہے کہ نہ اُسمین ترمیم کی ضرورت ہے نہ اُسے وہ کسی ضرورت سے بدلتا بلکہ تمام عالم کو اُس قانون کے مطابق چلاتا اور اُسکے استحکام اور خوبی پر خود ناز کرتا اور فرماتا ہے کہ ما تری

فی خلق الرحمٰن من تفاوت فارجع البصر هل تری من فتور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا و هو حسیر	تو خدا کی آفرینش مین کچھہ فرق نہ پائیگا۔ پھر نظر پھرا کہین کچھہ فتور دیکھتا ہے پھر بار بار نظر پھیر اکر دیکھہ تیری طرف آنکھہ خوار ہو کر تھکی ہوئی واپس آئے گی۔

اور یہی اعتقاد ہے سرسید کا" اسی کو وہ سچا عقیدہ سمجھتے ہین اسلام کا" اسیکو وہ ثابت کرتے ہین خدا کے کلام سے اور اسی پر وہ شہادت لاتے ہین۔ خدا کی آیات کو کہ لا تبدیل لخلق اللہ و لا تبدیل لکلمٰت اللہ و فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیها"

اگرچہ اب ہم ایسے نقطہ پر پہونچتے ہین جہان سے خرق عادت اور استحالہ طبیعت اور لا آف نیچر کے ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کی بحث شروع ہوتی ہے۔ مگر ہم اس بحث کو اپنی طرف سے نہ اسوقت شروع کرتے نہ اپنا خیال اسکی نسبت کچھہ ظاہر کرتے ہین۔ اسلئے کہ اسوقت روے سخن ہمارا سید صاحب کی طرف نہین ہے۔ بلکہ جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہین اسوقت ہمارا مقصود

صرف اس بات کا دکہانا ہے کہ سید صاحب کا نیچر اور لا آف نیچر کو ماننا اور قوانین قدرت کو غیر تغیر پذیر سمجھنا ایسا عقیدہ نہین ہے جس سے وہ معاذ اللہ دہریہ یا ملحد سمجھے جاوین؛ اور نیز اس بات کا ثابت کرنا ہے کہ اسلام مین اور بہی ایسے نامور حکیم اور عالم ہوئی ہین جو سید صاحب کے ہمخیال تھے۔ چنانچہ اب ہم اُسے شروع کرتے ہین۔ یہ بات عموماً سب مسلمان مانتے ہین کہ دنیا ایک کارخانہ ہے جسکا بنانے اور چلانے والا ایک ہی ہے۔ مگر اُسنے اپنی کارخانہ کے چلانیکے لئے اپنی نگرانی مین بہت سے موکل و عامل اور منتظم مقرر کر رکھے ہین۔ جو اُسکی مرضی اور حکم کے موافق اپنا اپنا کام کرتے ہین۔ اُسنے اُنہون نے ایک دنیاوی سلطنت سے مثال دی ہے جسکا حقیقی مالک اور بادشاہ تو ایک ہی ہوتا ہے مگر اُسکے ماتحت ایک بڑا سلسلہ نوکرون کا ہوتا ہے جنکے صیغے اور علاقے اور درجے اور کام مختلف ہوتے ہین۔ اور جن کی ہدایت اور عمل کے لئے ایک قانون ہوتا ہے مگر اس دنیاوی بادشاہت کا بادشاہ اور اُسکی سلطنت کے کام کرنے والے نوکر چاکر سب کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہین۔ مگر اُس عالم کا نہ حقیقی مالک آنکھون سے دکھائی دیتا ہے نہ اُسکی سلطنت کے کام کرنے والے نظر پڑتے ہین۔ البتہ جسطرح دنیا کو دیکھکر اُسکے بنانے والے پر ہم یقین کرتے ہین اسیطرح موجودات عالم کے وجود اُنکے افعال اُنکے خواص اور اُن کی تاثیرات کو دیکھکر ہم یقین کرتے ہین کہ انکے قیام اور حفاظت اور اُنسے کام لینے کے لئے ضرور خدا کی طرف سے کام والے مقرر ہین۔ یہان تک تو سب متفق ہین۔ مگر اسمین اختلاف ہے کہ وہ کام کرنے والے کون ہین۔ چونکہ وہ آنکھ سے دکھائی نہین دیتے اور کسی حواس سے معلوم نہین ہوسکتے اس لئے اس بات کے ماننے مین بھی کل کا اتفاق ہے کہ وہ کام کرنیوالے[۱] جسمانی نہین ہین بلکہ روحانی۔ اور روح وہ چیز ہے

[۱] اگرچہ بعض لوگون نے ملائکہ کو اجسام لطیفہ مانا ہے مگر در حقیقت اُنپر اطلاق جسم کا اس حیثیت سے کہ وہ جسم رکھتے ہون ذو ابعاد ثلاثہ اور منقسم ہون اور متحیز صادق نہین ہوتا۔ اُس کا مطلب یہی ہے کہ وہ روحانی ہین نہ جسمانی۔

جسکی حقیقت کوئی جانتا نہین اور جسکے جاننے کی اہلیت اور استعداد خدا نے انسان
مین رکھی ہی نہین۔ اسی لئے وہ اُسے انسانون کو سمجھا ہی نہ سکا اور قل الروح من امر ربی
کے سوائے کچھہ نہ کہا۔ جب روح کو کوئی جانتا نہین سوائے اسکے کہ وہ عالم امر سے ہے
اور نہ جان سکتا ہے تو جنکو روحانیات کہا جاوے اُنکے وجود کی حقیقت بھی کوئی دریافت
نہین کر سکتا اور سوائے اُسکے کہ سمجھانے یا سمجھنے کیلئے اُنکے کچھہ نام رکھدیئے یا رکھہ لئے جاوین
کوئی کچھہ کر نہین سکتا۔ مذہب نے اُنکا نام ملائکہ رکھا اور حکمار نے طبیعت اور نیچریون نے
نیچر۔ مطلب ایک ہی ہے صرف الفاظ کا فرق ہے۔ مگر یہ فرق ایسا ہے جسپر بہت سے لوگ
ایمان اور کفر کا مدار سمجھتے ہین اور صرف نامون کے تبدیل سے کسیکو بہشت اور کسیکو
دوزخ مین بھیجتے ہین۔ علمار شریعت فرماتے ہین کہ ملائکہ صرف پیغمبرون کے سکھانے اور
اُنکے پاس پیام لانے کے لئے مقرر نہین ہین بلکہ ہر کام اور ہر چیز کے لئے ایک ایک
فرشتہ مامور ہے یہان تک کہ کوئی دانہ زمین سے نہین اُگتا کوئی قطرہ آسمان سے نہین گرتا
جسکے ساتھہ کوئی فرشتہ نہو اور نہ صرف یہی کہ ہر چیز کے لئے ایک فرشتہ ہو بلکہ کوئی کام کوئی
تاثیر کوئی عمل کسی چیز سے نہین ہوتا جسکا کرنے والا فرشتہ نہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ
احیار العلوم مین فرماتے ہین کہ ایک غذا ہی پر نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ تمہاری نباتات کو جو
غذا پہونچانیکے کم سے کم سات فرشتے موکل ہین۔ اور اسے وہ یون سمجھاتے ہین غذا کے
معنے یہ ہین کہ ایک جزو اُسکا دوسرے جزو کی جگہ پر رکہا جاوے۔ اور اخیر کو وہ خون ہوکر
گوشت و پوست بنے لیکن تمہارا خون اور تمہارا گوشت و پوست تو جسم ہے۔ اُسے
نہ قدرت ہے نہ اختیار نہ معرفت۔ اسلئے نہ وہ متحرک ہو سکتا ہے اور نہ اپنے آپ کو
کسی دوسری چیز مین بدل سکتا ہے نہ اُسکے لئے کسی بدلنے والے کی ضرورت ہے جسطرح
گیہون اپنی مختلف حالتین بدل کر خود روٹی نہین بن سکتا، اسی طرح غذا خود اپنی
تمام مختلف حالتین بدل کر خود جسم کا جزو نہین ہو سکتی۔ پس جسطرح تم ظاہری چیزون کے

بنانے کیلئے مختلف صناع اور کاریگر دیکھتے ہو۔ مثلاً کوئی گیہوں پیستا ہے، کوئی آٹا گوندھتا ہے کوئی روٹی پکاتا ہے اسی طرح تمکو غذا پہونچانے مین جتنی حالتین غذا کی بدلتی ہین اُن سب کے لئے فرشتے مقرر ہین کوئی اسلئے کہ غذا کو جذب کرے کوئی اسلئے کہ اُسے خون بناوے کوئی اسلئے کہ اُسے گوشت و پوست کا لباس پہناوے کوئی اسلئے کہ فضلہ خارج کرے اور کوئی اسلئے کہ ہر جز کو اُسکا حصہ مناسب پہونچا وے اور ہر جز و بدن مین مقدار اور اندازہ کا خیال رکھے تاکہ ایسا نہو کہ کسی جگہ غذا زیادہ پہونچ جائے اور کسی جگہ کم' اگر ایسا ہو مثلاً ناک کو غذا بہت پہونچ جاوے تو وہی حد مناسب سے بڑھ کر انسان پر وبال ہو جاوے پس تقسیم مین ایسی ہندسی رعایت کا رکھنا ایک فرشتہ کو سپرد ہے اور یہ تمام کام کرنے والے فرشتے اپنا کام کر رہے ہین اور تو آرام سے سو رہا ہی تجھے کچھ خبر تک نہین کہ صرف ایک تیری غذا کو جزو بدن بنانیکے لئے سو فرشتوں سے زیادہ کام کرتے ہین۔ اور پھر یہ فرشتے تو زمین کے فرشتے ہین اُنکو آسمان کے فرشتون سے مدد پہونچتی ہے اور آسمان کے فرشتون کو عرش کے فرشتون سے'۔

ترتیب معلوم لا یحیط بکنھہ الا اللہ تعالیٰ الی ان ینتھی الی حضرۃ الربوبیۃ التی ھی ینبوع کل نظام و مطلع کل حسن و جمال و منشاء کل ترتیب و تالیف و کل ذلک نعم من رب الارباب و مسبب الاسباب۔

ایک معین ترتیب ہے جس کی حقیقت سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا یہاں تک کہ وہ خدا کے ذات پاک پر منتہی ہوتی ہے جو ہر قسم کے نظم و ترتیب اور ہر طرح کے حسن و جمال کا سرچشمہ ہے اور یہ سب کچھ رب الارباب اور مسبب الاسباب کی نعمتو ں میں سے ہے۔

جسطرح علمار شریعت نے تمام افعال اور تاثیرات کو فرشتون سے منسوب کیا ہے اور جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ہر فعل اور ہر عمل اور ہر تاثیر کے لئے وہ ایک ایک فرشتہ کو خدا کی طرف سے موکل مانتے ہین اسی طرح حکمار اسلام نے ان تمام

چیزون کو اُن قوتون سے منسوب کیا ہے جو خدا وند تعالیٰ نے ہر ہر چیز مین رکھی ہین وہ یہ نہین کہتے کہ یہ قوتین بالذات خود فاعل اور بغیر پیدا کئے ہوئے کسی کے خود پیدا ہو گئی ہین بلکہ وہ بھی اُنکو پیدا کیا ہوا اور خدا کی طرف سے مقرر کیا ہوا سمجھتے ہین اور جنکا نام شریعت مین فرشتہ رکہا گیا ہے اُسیکا نام وہ طبیعت اور نیچر رکہتے ہین اور وہ بھی دو قسم کی قوتین مانتے ہین ایک جزئی جو ہر چیز مین موجود ہے اور دوسری کلی جو تمام عالم مین ساری ہے جسے اس زمانہ کے فلسفی ایک کو ہر شے کا خاص نیچر اور وہ یہ بات جو ہم کہتے ہین حکمار اسلام کے کلام سے اجمالاً ہی نہین نکلتی بلکہ اُنہون نے بصراحت بیان کر دیا ہے کہ جس قوت فاعلہ اور محرکہ اور موثرہ کا نام فلاسفہ نے طبیعت رکہا ہے اُسیکو شرع نے ملائکہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اُنہون نے صاف لکھدیا ہے کہ یہی قوتین جنکو فرشتے کہتے ہین ہر چیز کو بناتی اور قایم رکھتی اور اُن سے اُنکے معینہ کام لیتی ہین اور وہ اُن کامون کے کرنے پر ایسی مجبور اور مجبول ہین کہ اُسکے خلاف وہ کر نہین سکتین۔

كما قال بعض حكماء الاسلام ان الطبيعة انما هي ملك من ملائكة الله المويدين وعباده الطائعين يفعلون ما يؤمرون لا يعصون الله ما امرهم وهم من خشيته مشفقون ٥

اب ہم چند شواہد اس قول کی تائید مین کہ حکمار اسلام طبیعت یعنے نیچر کو اُسی قوت یا قوتون سے تعبیر کرتے ہین جنکا نام ملائکہ ہے اور وہ تمام عالم مین ایک ایسی ترتیب اور ایک ایسے نظام کو مانتے ہین جسکا نام اس زمانہ مین لا آف نیچر یعنی قانون قدرت رکہا گیا ہے پیش کرتے ہین۔ سب سے اول ہم کتاب اخوان الصفا سے جسکو امام احمد ابن عبد اللہ نے دوسری صدی مین یا چند حکمار اسلام نے چوتھی صدی مین لکھا ہے چند اقوال نقل کرتے ہین مگر قبل اُن اقوال کے نقل کرنے کے یہ بتانا چاہتے ہین کہ اس زمانہ کے ایک عالم نے اُس کتاب کی نسبت کیا فرمایا ہے کہ وہ لکھتے ہین کہ:۔

والعلة الداعية للامام في اظهاره
اياه وفي رفع البراقع وحل العقود
عن محياه ان الدولة الاسلامية
لما سخرت للمسلمين اقاليم البلاد
شرقا وغربا وكثرت لهم بسطوتها
القاهرة وقدرتها الباهرة اساطين
العباد سلما وحربا وجاء النصر و
الفتح من جميع الجهات ودخل الناس
في دين الله افواجا وازيدت بهبوب
العواصف الحنيفية والقواصف
الملة الابراهيمية بحر القواعد المهدمة
من الملل المنسوخة لججا وامواجا اقبلت
الملاحدة وفي النفس ما فيها فصاروا
للخلافة العباسية اعوانا واعيانا
وجعلوا يزهدونها في الدينيات
ويرغبونها في الفلسفيات والمسائل
السوفسطائيات من الليل والنهار
اونة واحيانا فاستفحل امرهم
كما نشاهد في زماننا هذا استفحال
امر المعرضين عن الدين وارتفع
كوكبهم كارتفاع كواكب المعاضدين

جو سبب امام کو اس کتاب کے چہرہ سے برقع
اُٹھانے اور گرہون کے کھولنے کا باعث
ہوا وہ یہ ہے کہ سلطنت اسلامی نے جب
مسلمانون کے لئے ملکون کو شرقاً وغرباً مسخر
کر لیا اور اپنی زبردست طاقت سے
مسلمانون کے مقابلہ مین صلح و جنگ سے
طاقتور لوگون کو شکست دیدی اور تمام
اطراف سے فتح و نصرت پہونچی اور خدا کے
دین مین لوگ فوج فوج داخل ہونے لگے
اور مذہب حنفی اور ملت ابراہیمی کی تُند
ہواؤن کے چلنے سے منسوخ مذہبون کے
منہدم ارکان دریا کے گردابون اور موجونکی
صورت مین جھاگ لانے لگے تو ملاحدہ
اسی حالت مین سامنے آئے کہ اُنکے نفس مین
بُرائیان بھری ہوئی تھین اور وہ خلافت
عباسیہ کے معاون بنگئے مذہبی امور سے وہ
اُسکو نفرت دلاتے تھے اور فلسفی اور سوفسطائی
لوگون کی باتون پر رات دن راغب کرتے
اسواسطے اُن ملاحدہ کو بہت قوت ہوگئی
جیسے کہ ہم اس زمانہ مین دولت نصرانی کے
معاون مسلمانون کا۔ خلافت نے اُن

للدولة النصرانية بين المسلمين
ومالت الخلافة الى استحسان قوانينهم
واثرن اقاويلهم فى قلبها واقبل
ابليس فى صورهم فقام يوما فيوما
فى نزع الملابس الدينية وسلبها
وجاء وامنها اعنى الفلسفة على
المسلمين بسحر عظيم واتبعوا فى تعطيل
الشريعة وترويج الالحاد فى لباس
الفلسفة راى شيطان رجيم حينئذ
حركت العناية بامر ربها على مقتضى
قوله انا نحن نزلنا الذكر وانا له
لحافظون وليه فقام رحمه الله تعالى
مستمدا من النون المترع والقلم
الجارى يسقى رياض القلوب من
هذه الرسايل وسميه وولية كان
رضوان الله عليه بذلك اعنى صيانة
الشريعة وحفظها دون الخلق
حريا فغاد بنعمة الله ويسعى وليه
صبح الدين مشرقا صادقا وغض
غضا طريا واتضح ان الفلسفة بعينها
تدعوا الى الشريعة الغراء وتويد

ملاحدہ کے قوانین کی پسندیدگی کیطرف
میلان کیا اور اُن کے قولون کو اپنے دل
مین پسند کیا اور ابلیس اُن کی شکلو مین
سامنے آیا اور روز بروز مذہبی لباسون کے
اُتارنے مین مستعدی کی۔ ملاحدہ سے
فلسفہ کے ذریعہ سے مسلمانون پر بڑا جادو کیا
اور شریعت کے بیکار کرنے اور الحاد کو
فلسفہ کے لباس مین رواج دینے مین
اُنہون نے شیطان کی راے کی پیروی کی
ایسے وقت مین نحن نزلنا الذکر وانا
له لحافظون کے موافق خدا کی مہربانی نے
اپنے ایک ولی کو جنبش دی تب وہ بھری
ہوئی دوات اور جاری قلم کی مدد سے
دل کے باغون کو ان رسالون کے لکھنے سی
سیراب کرنے لگا۔ اور وہ امام کہ حفاظت
شریعت کے لئے سب سے بڑھ کر قابل تھا
پس خدا کی نعمت اور اُسکے ولی کی سعی سی
دین کی صبح روشن ہوگئی اور دین کا باغ
تروتازہ ہوگیا اور یہ بات ظاہر ہوگئی کہ
خود فلسفہ بہی لوگون کو شریعت روشن کیطرف
بلاتا ہے اور وہ شریعت کے فیصلون کی تائید

قضایاها ما تتضمن اعنی الشریعة
من الاوامر والزواجر فی السرّآء
والضرّآء وقام الکتاب اعنی اخوان الصفا
لکلیهما من الشریعة والفلسفة
میزان عدل وانصاف وجاء
کالصحف السماویة کتابا مقدسا
لا یاتیه الباطل من بین یدیه
ولا من خلفه ولا یحتاج الی مدح
واوصاف۔

کرتا ہے۔ اسلئے کتاب اخوان الصفا شریعت
اور فلسفہ کے لئے میزان انصاف بنگئی
اور سماوی کتابون کی طرح پاک اور
مقدس کتاب ہو گئی جسکے سامنے اور
پیچھے سے باطل نہین آتا اور اُسکو
کسی کی تعریف کرنے کی ضرورت
نہین ہے۔

(تقریظ مولانا مولوی حضرت شیخ محمد علی رامپوری صفحہ ۴۰۸ اخوان الصفا جلد چہارم)

غرض کہ اس کتاب کا مصنف وہ مجتہد ہے جس نے اس کتاب کو واجب الوجود کی ذات کی معرفت اور نفس کے وجود کے اثبات پر لکھا ہے اور ایسی قطعی دلیلین اور روشن مثالین بیان کی ہین جس سے اُن ملحدون کے جو اپنے آپ کو فلسفہ سے منسوب کرتے ہین سارے قول باطل کر دیئے۔ اس کتاب کے لکھنے پر اسلامی محبت نے اُن کو آمادہ کیا اور اُنکی اُس کتاب سے ثابت ہو گیا کہ خود فلسفہ شریعت محمدی کی طرف بلاتا اور شریعت کے احکام اور مسائل کی تائید کرتا ہے۔" اور وہ اقوال یہ ہین۔

القول الاول۔ ان الطبیعة انما
هی قوة النفس الکلیة الفلکیة وهی
ساریة فی جمیع الاجسام اللتی دون
فلک القمر من لدن کرة الاثیر الی
منتهی مرکز الارض واعلم ان الاجسام

طبیعت یعنے نیچر کو وہ کہتے ہین کہ ایک
قوت ہے جو تمام اجسام مین سرایت
کئے ہوئے ہے خواہ جسم بسیط ہو یا مرکب
یہی قوت اُن اجسام کی مدبر ہوتی ہے
یہی اُن کو چلاتی ہے یہی اُن سے

التي دون فلك القمر نوعان بسيطة
ومركبة فالبسيطة اربعة انواع وهي النار
والهواء والماء والارض والمركبة ثلاثة
انواع وهي المعادن والنباتات والحيوانات
وهذه القوة اعني الطبيعة سارية فيها
كلها ومحركة لها ومسكنة ومدبرة لها
ومتممة ومبلغة لكل واحدة منها الى اقصى
مدى غاياتها بحسب ما يليق بواحد
واحد منها كما شاء باريها وكما بينا في
الرسائل الخمس وهي رسائل الكون والفساد
ورسالة الآثار العلوية ورسالة المعادن
ورسالة النبات ورسالة الحيوان ،
(اخوان الصفا جلد دوم صفحہ ۸۸)

کام لیتی ہے جیسے کہ مرضی اُسکے
پروردگار کی ہے۔ اور ہر ایک
چیز کو اُسکے انتہائی درجہ تک
پہونچا دیتی ہے۔

القول الثاني۔ الطبيعة انما هي قوة
من قوى النفس الكلية منبسطة منها
في جميع الاجسام التي دون فلك القمر
سارية في جميع اجزائها كلها تسمى باللفظ
الشرعي الملائكة الموكلين بحفظ العالم
وتدبير الخلقة باذن الله وتسمى باللفظ
الفلسفي قوى طبيعية وهي فاعلة في هذه
الاجسام باذن الباري جل ثناءه (اخوان الصفا جلد دوم صفحہ ۴۲)

طبیعت نفس کلی قوتوں میں سے
ایک قوت ہے جو تمام اجسام میں
پھیلی ہوئی ہے. زبان شریعت
میں اُسکا نام ملائکہ ہے جو اس
عالم کی حفاظت اور موجودات
عالم کی نظم قایم رکھنے پر خدا کے حکم سے
مقرر ہیں اور اسی قوت کا نام حکمت میں

القول الثالث۔ واعلم یا اخی انما ذهب علی الذین انکروا فعال الطبیعة علم النفس وخفی علیهم معرفتها من اجل انهم طلبوا ادراکها بالحواس فلم یجدوها فانکروا وجودها واما الذین اقروا بالنفس وادرکوا وجودها انما عرفوا ذلك بافعال الصادرة عنها فی الاجسام وذلك انهم اعتبروا احوال الجسم فوجدوه لمجرده لا فعل له البتة ولا الاعراض الحالة فی الجسم وانه الافعال کلها للنفس و اما الجسم واعراضه فانها للنفس بمنزلة ادوات والات لصانع یظهرها ومنها افعاله کما یری ذلك من الصناع البشریین فانهم بادوات جسمانیة یظهرون صنایعهم فی الاشیاء۔(اخوان الصفا جلد دوم)

وہ کہتے ہین کہ "بعض لوگ طبیعت یعنے نیچر کے منکر ہین اور بعض اُسکے مقر جن لوگون نے اُسکا انکار کیا ہے اس کا یہ سبب ہے کہ اُنہون نے اُسے حواس کے ذریعہ سے دریافت کرنا چاہا اور جب وہ اس ذریعہ سے اُسے دریافت نکر سکے تو اُسکے ماننے سے منکر ہوگئے۔ اور جن لوگون نے اُسکا اقرار کیا اُنہون نے بہی حواس کے ذریعہ سے اُسے کچہہ دریافت نہین کیا بلکہ انہون نے اُن افعال کو دیکہکر جو اجسام مین اُسکے ذریعہ سی ہوتے ہین اُسکا اقرار کیا ہی انہون نے جب اجسام کو دیکہا تو مجرد جسم کو خالی پایا یعنی اُس سے کوئی فعل نہین ہوتا۔ اسلیئے انہون نے یقین کیا کہ یہ سب کام نفس کے ہین جو جسم اور اعراض جسم سے اسی طرح کام لیتا ہی جسطرح کاریگر اپنی ہتہیارون سے

القول الرابع۔ والذین انکروا فعال الطبیعة انما ذهب علیهم معنی هذه التسمیة وظنوا انها متوجهة نحو الجسم والجسم من حیث هو جسم لا فعل له البتة بالاجماع من الفریقین بدلائل قد صحت وبراهین قد قامت واعلم یا اخی بان الذین انکروا

جو لوگ طبیعت یعنے نیچر کے فعل سے انکار کرتے ہین اُنہون نے طبیعت کے معنی مین غلطی کی اور یہ سمجہے کہ یہ نام جسم کا ہے اور جسم بلحاظ جسم ہونیکے باتفاق فریقین اُن دلیلون کے بموجب جو صحیح ہین کوئی کام کرتا ہی نہ تاثیر۔ پہر یہ لوگ یہ بہی کہتے ہین

افعال الطبيعة يقولون انه لا يصلح الفعل الا من حي قادر و هذا هو قول صحيح و لكن يظنون ان الحي القادر لا يكون الا جسم اذا كان على هيئة مخصوصة باعراض نحله بزعمهم مثل الحيوة والقدرة والعلم وما شاكلها ولا يدرون ان مع هذا الجسم جوهرا اخر روحانيا غير مرئي وهي النفس وان هذه التي وصفرها من الاعراض بانها حالة في الجسم هي التي تظهرها فيه اعني النفس بفعلها في الجسم (اخوان الصفا جلد دوم)

کہ فعل اُس سے ہوتا ہی جو زندہ اور قدرت رکھنے والا ہو۔ یہ بات تو اُنکی صحیح ہے لیکن وہ خیال کرتے ہین کہ کوئی چیز زندہ اور قادر جب ہی ہوتی ہے کہ بہیئت خاص ایک جسم ہو اور عارضی امور اُنکے زعم کے موافق مثل حیات اور قدرت اور علم کے اُسمین آگئے ہون۔ وہ یہ نہین سمجھتے کہ اس جسم کے ساتھ ایک اور روحانی جوہر ہے جو نظر نہین آتا اُسکا نام نفس ہے اور یہ عارضی امور حیات اور قدرت اور علم وغیرہ جسکو وہ سمجھتے ہین کہ وہ جسم مین سماے ہوئے ہین نفس ہی اُنکو اپنے فعل اور اثر سے جسم مین پیدا کرتا ہے۔

القول الخامس۔ اعلم ان لكل عضو من اعضاء الجسد قوة من قوى النفس مختصة بها وهي تدبر ذلك العضو وتفعل به افعالا خلاف ما تفعل قوة اخرى من عضو اخر وان تلك القوة تسمى نفسا لذلك العضو المختصة به مثال ذلك القوة الباصرة فانها تسمى نفس العين والقوة السامعة تسمى نفس الاذن والقوة الذائقة تسمى نفس اللسان و

اعضاء بدن مین سے ہر عضو کیلئے نفس کی قوتون مین سے ایک قوت ہوا کرتی ہی جو صرف اُس عضو کے ساتھ مخصوص ہوتی ہی اور وہی اُس عضو کی مدبر ہوتی ہی ہر عضو اُسیکی وجہ سے اپنا اپنا کام کرتا ہی جو دوسری عضو کی قوۃ سے جدا ہوتا ہی اس قوۃ کا نام اُس عضو کا نفس ہے یعنے اُس عضو کا جیو۔ مثلاً قوۃ باصرہ کا نام آنکھ کا نفس اور قوۃ سامعہ کا نام کان کا نفس اور قوۃ ذائقہ کا نام زبان کا نفس اور

والقوة الشامة تسمى نفس الانف وعلى هذا القياس سائر الاعضاء للقوى التي تدبرها وتفعل بها ايضاً	قوت شامہ کا نام ناک کا نفس۔ اسی پر باقی اور اعضا کا قیاس کرو جنمین انکی قوتین اپنا عمل کرتی ہین اور وہ اعضا انہین کی وجہ سے کام کرتے ہین۔

یہ بیان جو نفس کا کیا گیا ہے بالکل اُسی بیان کے مطابق ہے جو اس زمانہ کے فلاسفر نیچر کا کرتے ہین بجز اسکے کہ نیچر کے لفظ کی جگہ نفس کا لفظ ہے اور کچھ فرق مطلب مین نہین ہے۔ صاف صاف اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکمار اسلام نے دوسری یا زیادہ سے زیادہ چوتھی صدی مین نیچر کی وہی حقیقت سمجھی تھی جو اس زمانہ کے فلسفی سمجھتے ہین اور وہ وہی بات کہتے تھے جو اس وقت سید صاحب فرماتے ہین۔ کہ نیچر دو طرح کا ہے' ایک علم' جسے یونی ورسل نیچر کہتے ہین اور ایک خاص جو ہر چیز بلکہ ہر ہر عضو مین جدا جدا ہے۔ اور اسی قوت کو وہ ملائکہ سمجھتے ہین تو کیسے تعجب کی بات ہے کہ پہلے مسلمان اسی بات کے کہنے سے مجتہد عارف باللہ حامی دین اور قامع الملحدین مانے جاوین اور انکی تصنیفات کی نسبت کہا جاوے کہ۔

تام الكتاب اعني اخوان الصفا لكلهما من الشريعة والفلسفة ميزان عدل وانصاف وجاء كالصحف السماوية كتابا مقدسا لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه ولا يحتاج اليه امداح واوصاف"	یہ کتاب یعنی اخوان الصفا شریعت اور فلسفہ دونون کیلئے میزان عدل و انصاف ہے اور مثل آسمانی صحیفون کے ایک مقدس کتاب ہے کہ جھوٹ آگے اور پیچھے نہین آسکتا۔ اور اُسکے لئے کسی تعریف و توصیف کی ضرورت نہین ہے۔

اور سید صاحب اُسی بات کے کہنے سے کافر سمجھے جاوین اور اُنکی کتاب کتاب الکفر و الزندقہ

کہی جاوے۔ فاعتبروا یا اولی الالباب ان ھذا الشیٔ عجاب۔ میرے نزدیک سید صاحب کی یہ غلطی ہے کہ اُنہون نے وہی پُرانے مبارک نام جنسے ہمارے دل اور زبان آشنا تھے اور جنکو کتب مقدسہ کے نامون کی طرح ہم مبارک سمجھتے تھے بدلدیا اور بجائے اُنکے انگریزی نام استعمال کئے۔ کاش وہ نیچر کی جگہ طبیعت اور نفس کا نام قایم رکھتے اور نفس اور طبیعت کلیہ کا ترجمہ یونانی در سل نیچر سے نکرتے تو اُن پر کفر ولعنت کی بوچھار نہوتی اور اُن پاکیزہ اور مقدس لفظون کی بدولت وہ کفر اور زندقہ کے الزام سے بچے رہتے۔ مجھے اس موقع پر ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک بزرگ عالم دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ایک دعوت مین کھانا کھارہے۔ پوڈینگ جو ایک انگریزی میٹھا کھانا ہوتا ہے اُنکے سامنے آیا۔ انہون نے اُسے بھی نوش فرمایا۔ ایک ستم ظریف دوست نے براہ مذاق مولوی صاحب کے چھیڑنے کیلئے کہا کہ حضرت آپ بھی پوڈینگ کھاتے ہین۔ مولوی صاحب نے جو نہایت ذہین تھے فرمایا کہ نہین یہ پوڈینگ نہین ہے۔ بلکہ اسکا نام نان بشیر ہے۔ اُس ظریف دوست نے عرض کیا کہ حضرت نام کے بدلنے سے کھانے کی حقیقت مین کیا فرق ہوا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم جاہل اور نادان ہو پہلے اسما اور مسمیات کی بحث کا ہمسے سبق لو پھر ایسے سوال کرنا۔ اسی طرح اگر سید صاحب طبیعت اور نفس کے بدلے نیچر کا استعمال نکرتے تو اُنکا خیال صحیح اور اُنکا عقیدہ پاک سمجھا جاتا اور حکمار اسلام کے ہمخیال ٹھہرتے۔ جو کچھ کیا وہ اس کمبخت لفظ نیچر نے کیا۔

القول السادس اعلم یا اخی بان قوی النفس الفلکیۃ البسیطۃ اللتی ذکرھا انھا تعمل اجناس النبات وانواعھا ھی اللتی ذکرت فی کتب	نباتات کی بحث مین لکھا ہے کہ نفس فلکیہ بسیطہ کی قوتین جنکا ہمنے ذکر کیا کہ وہ نباتات کی جنسون اور نوعون مین اپنا اپنا کام کرتی ہین وہ وہی ہین جنکا ذکر انبیار علیہم السلام کی کتابون مین ہے

الانبیاء علیہم السلام انہا ملائکۃ
اللہ وجنودہ الموکلون بہا وذکر
انہ قد ورد فی الاخبار المتواترۃ بان
مع کل قطرۃ ینزل من السماء ملک
موکل بہا حتی یحطہا الی الارض
وان مع کل ورقۃ وثمرۃ وحبۃ تخرجہا
الارض من النبات موکلا یربیہا
وینشئہا ویحفظہا من الآفات
العارضۃ لہا الی ان تتم وتکمل وتبلغ
الی اقصی مدی غایاتہا ومنتہی
نہایاتہا کل ذلک باذن اللہ خالقہا
وبارئہا وکذلک حکم الحیوانات
اجمع کما ذکر اللہ جل ثناءہ بقولہ لہ
معقبات من بین یدیہ ومن
خلفہ یحفظونہ من امر اللہ۔ و
نحن نسمی ما کان منہا موکلا بالنبات
النفس النباتیۃ۔ ایضا۔

القول السابع۔ ان النبات
مصنوعات ظاہرۃ جلیۃ لا تخفی
ولکن صانعہا وعلتہا باطنۃ خفیۃ

یہ خدا کے فرشتے اور اسکے لشکر ہین جو اُن چیزون
مقرر ہین اور جن کی نسبت متواتر خبرون مین
وارد ہوا ہے کہ ہر قطرہ کے ساتھ آسمان سے
ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے جو اُس قطرہ پر مقرر
ہوا ہی۔ یہانتک کہ اُس قطرہ کو وہ زمین پر
پہونچا دیتا ہی اور یقیناً ہر ایک پتہ اور پھل
اور تخم کے ساتھ جو زمین سے باہر آتے ہین ایک
فرشتہ مقرر ہوا کرتا ہی جو اُن چیزونکی تربیت کرتا
اور اُن کو پیدا کرتا اور جو آفتین اُسکو پیش
آتی ہین اُنسے اُن کو بچاتا ہے یہانتک کہ وہ
سب چیزین پوری اور مکمل ہو جاتی اور اپنی
غایت کی آخر حد تک پہنچ جاتی ہین۔ یہ سب
امور اُن اشیاء کے خالق کے حکم سے ہوتے ہین
اور یہی حکم تمام حیوانات کا ہی جیسے خدا جلشانہ
نے اسکا ذکر کیا ہی کہ اُس شی کے آگے اور پیچھے سے
تعاقب کرنیوالے (فرشتے) ہین جو خدا کے حکم سے
اُسکو محفوظ رکھتے ہین۔ اور انمین سے جو نباتات پر
مقرر ہین ہم اُنکا نام نفس نباتی رکھتے ہین۔
نباتات کے بیان مین پہر لکھا ہی کہ نباتات کو سب
ظاہری طور پر دیکھتے ہین کہ وہ مصنوع ہین لیکن انکا
بنانیوالا اور اُنکی علت لوگون کی نظر سی مخفی ہی

محتجبة عن ادراك الابصار لها
وهي التي تسميها الفلاسفة القوى
الطبيعية ويسميها الناموس الملئكة
وجنود الله الموكلين بتربية النبات
وتوليد الحيوانات وتكوين المعادن
ونحن نسميها النفوس الجزئية
والعبارات مختلفة والمعنى واحد
وانما نسبت الفلاسفة الحكماء هذه
المصنوعات الى القوى الطبيعية
وصاحب الشرع الى الملئكة ولم تنسبها
الى الله تعالى لانه يجل البارى جل
ثناءه عن مباشرة الاجسام الطبيعية
والحركات الجرمانية والاعمال
الجسدانية كما يجل الملوك والسادة
والرؤساء عن مباشرة الافعال
بانفسها وان كانت تنسب اليها
على سبيل الامر بها والارادة لها
كما يقال بنى الاسكندر السد وبنى
سليمان مسجد ايليا وبنى المنصور
مدينة السلام اذا كان بناءها
بامرهم لا يتولون الافعال بانفسهم

اس علت کو فلاسفہ قوائے طبیعیہ کہتے ہین اور
مذہب اسکو فرشتے اور خدا کے لشکر کے نام سے
تعبیر کرتے ہین جو نباتات کی پرورش اور حیوانات
کے پیدا کرنے اور معدنیات کے موجود کرنے پر
مقرر ہین اور ہم اُنکا نام نفوس جزئیہ رکھتے ہین
الفاظ اور عبارتین مختلف ہین لیکن سب کا
مقصود ایک ہی ہے۔ حکما نے ان مصنوعات کو
قوائے طبعی کی طرف اور صاحب شرع نے
فرشتون کی طرف منسوب کیا اور خدا کی
طرف منسوب نکرنے کا سبب یہ ہے کہ خدا کی
ذات اس سے برتر ہے کہ وہ طبعی اجسام
اور بدنی حرکات اور جسمانی افعال خود کرے
جیسے کہ بادشاہون اور رئیسون کی
یہ شان نہین ہے کہ وہ خود کام کرین
اگرچہ حکم دینے کے سبب سے تمام کام
اُنہین سے منسوب کئے جاتے ہین جیسے
کہتے ہین کہ سکندر نے دیوار بنائی اور
سلیمان نے مسجد اور منصور نے بغداد
بنایا۔ یہ خود ان کامون کے متکفل نہین
ہوئے تھے۔ اسی طرح تمام کام بندون کے
خدا کی طرف منسوب کئے جاتے ہین جیسا

فعلی هذا المثال ینسب افعال عباد
الله الی الله جل ثناءه کما ذکرهو
بقوله تعالی لنبیه محمد صلی الله علیه
وآله وسلم وما رمیت اذ رمیت ولکن
الله رمی" وقال" قاتلو هم یعذبهم
الله بایدیکم" وآیات کثیرة فی
هذا المعنی فی القرآن المبین۔
(اخوان الصفا جلد دوم)

جیسا خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سی
فرمایا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ
رمی اور دوسری جگہ فرمایا کہ تمنے انکو
قتل نہین کیا بلکہ خدا نے اُنکو قتل کیا۔
یا فرمایا کہ اُن کو مارو خدا تمہارے ہاتھوں سے
اُن کو عذاب دیگا۔ اور قرآن شریف مین
اس قسم کی بہت سی آیتین ہین۔

القول الثامن۔ واما الحجر
المقناطیس فهو ایضا عبرة لاولی
الابصار والتفکر فی الامور الطبیعة
وخواص افعال بعضها فی بعض
وذالک ان فی هذا الحجر بالحدید
مناسبة ومشاکلة فی الطبیعة
کالمناسبة والمشاکلة اللتی بین
العاشق والمعشوق وذالک ان
الحدید مع شدة یبسه وصلابة
جسمه وقهره للاجسام المعدنیة
والنباتیة والحیوانیة یتحرک نحو
هذا الحجر ویلتزق به ویلتزمه
کالتزام العاشق المحب للمعشوق

سنگ مقناطیس کی خاصیت اور معدنیات مین
جو جذب اور دفع کی قوتین ہین اُنکو بھی
نیچر سے منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ پتھرون
کی پیدایش اور تاثیر اور جو کچھ اُنمین ہے
وہ بھی اُسی قوت طبعیہ کا فعل ہے (جسے ہم
نیچر کہتے ہین) جو خدا کی طرف سے دی گئی ہے
اور خدا کے حکم سے وہ یہ کام کرتی ہے۔ سنگ
مقناطیس اہل نظر کیلئے اور اُنکے لئے جو دنیا کے
طبعی حالات اور خواص اشیا پر غور کرتے رہتے
ہین ایک حیرت انگیز چیز ہے اسمین اور لوہے
مین ایسی طبعی مناسبت اور ربط ہے جیسے عاشق
اور معشوق کے درمیان۔ کیسی عجیب بات ہے کہ
لوہا باوجود اپنی کثافت اور سختی کے اور تمام معدنی

المحبوب المشتاق الیه فاذا فکر العاقل اللبیب فی فعل هذین الحجرین و غیرهما من الاحجار المعدنیة والاجسام النباتیة علم وتبین له بان الفاعل المحرك لهما هو غیرهما لان الجسم لا فعل له من حیث هو جسم ببراهین قد قامت ودلائل قد صحت وان هذه الاجسام کلها مع اختلافها واختلاف طبایعها و فنون اشکالها وخواص طبایعها هی کالادوات والآلات للفاعل الصانع المحرك وهو النفس الکلیة الفلکیة التی هی هذه التاثیرات کلها من افعالها وهی المسماة طبیعة تظهر وتعمل باذن باریها جل ثناءه واذ قد تبین بدلائل عقلیة ان الباری جل ثناءه لا یباشر الاجسام بذاته ولا یتولی من الافعال بنفسه الا الاختراع والابداع حسب واما التالیف والترکیب فی الصنایع والافعال والحرکات التی تکون بالآلات والادوات

نباتی اور حیوانی اجسام پر غالب ہونیکے سنگ مقناطیس کی جانب حرکت کرتا اور اس سے اسطرح چمٹ جاتا ہی جسطرح عاشق اپنے محبوب سے۔ جو شخص اس پتھر اور لوہے اور دیگر معدنی اور نباتی اشیار کے ان افعال پر غور کرتا ہوگا سپر منکشف ہو جاتا ہے کہ اُنکی حرکت دینے والی اور اُنمین تاثیر کرنیوالی ایک اور چیز ہے جو اُنسے جدا ہے کیونکہ جسم سے تو من حیث انہ جسم کوئی فعل ظہور مین نہین آسکتا اسپر دلیلین قایم ہو چکی ہین۔ اور یہ تمام اجسام جنمین یہ مختلف طبیعتین گوناگون شکلین اور طرح طرح کے خواص موجود ہین اپنی فاعل اور بنانیوالی اور حرکت مین لانے والی طاقت کیلئے بمنزلہ آلات کے ہین اس زبردست طاقت کا نام نفس کلی فلکی ہی جسکے افعال سے یہ تمام تاثیرین ظہور مین آتی ہین اور اسیکا نام طبیعت ہی جو خدا کے حکم سے عمل کرتی ہی۔ کیونکہ دلائل عقلیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ خدا اپنی ذات سے ان اجسام مین تصرف نہین کرتا اور اختراع و ابداع کے سوا کوئی فعل اُس سے متعلق نہین ہوا اور تالیف و ترکیب افعال و حرکات جو

فی الاماکن والازمان انما ہام ملئکته
الموکلین وعبادہ المؤیدین بان
یفعلوا ما یؤمرون مثل امر الملوك
والرؤساء لعبیدھم وخدھم
وجنودھم (فصل) وقد تبین
مما ذکرنا ان الجواھر المعدنیة مع
کثرة انواعھا واختلاف طبایعھا
وفنون خواصھا اصلھا کلھا وھیولا
ما ھی الارکان الاربعة التی تسمی
الامھات وھی النار والھواء والماء
والارض وتبین ایضا ان الفاعل
فیھا والمؤلف لاجزائھا والمرکب
لھا ھی الطبیعة باذن اللہ تعالیٰ
وتبین بان الغرض من ھذہ
الجواھر المعدنیة ھو منافع الناس
والحیوان واصلاح امر الحیواة
الدنیا ومعیشة الحیوان الی وقت
معلوم (واعلم) یا اخی بان الجواھر
المعدنیة مع اختلاف طبایعھا
وانواع اشکالھا وفنون جواھرھا
وخواصھا ھی کالادوات للطبیعة

خاص خاص مقامات اور اوقات مین آلات
کی مدد سے ظہور مین آتے ہین۔ یہ سب کچھ
اُسکے فرشتے اُسکے حکم کے موافق کرتے ہین
جسطرح بادشاہ اور امیر اپنے غلامون۔
نوکرون اور لشکرون سے کام لیتے ہین فصل
پچھلے بیان سے معلوم ہوگیا کہ ان تمام معدنی
اجسام کی اصل جنکی نوعین کثیر طبیعتین مختلف
اور خواص جدا جدا ہین۔ صرف چار چیزین ہین
آگ۔ پانی۔ ہوا اور مٹی۔ انہین کو امہات کہتے
ہین اور طبیعت حکم الٰہی سے انہین تاثیر کرتی
انکے اجزا کو ملاتی اور جوڑتی رہتی ہے۔ ان
معدنی جواہر سے غرض یہ ہے کہ انسان اور
حیوان اپنی زندگی مین ایک خاص وقت تک
اس سے منفعت حاصل کرین۔ یہ تمام معدنی
اجسام جنکی طبیعتین اور ماہیتین مختلف ہین
جنکی شکلین اور خاصیتین جدا جدا ہین طبیعت
فاعلہ کے لئے بمنزلہ آلات کے ہین جنمین
یہ طبیعت مختلف مقامات و اوقات مین
اپنا عمل کرتی ہے۔
یہ تمام ترکیب تالیف اور اجزائی عناصر کا
باہم ملنا اور جدا ہونا جسکو علوم طبعی کی اصطلاح مین

الفاعلة والآلات لها تفعل بها
فيها ومنها في الاماكن المتباينة
والازمان المختلفة هذه الافعال
والصنايع والاعمال من التركيب و
التاليف والجمع والتفريق لاجزاء
هذه الاركان الاربعة من الكون
والفساد والنشو والبلى بحسب
دوران الافلاك وحركات الكواكب
وطوالع البروج على آفاق البلد
من البر والبحر والسهل والجبل و
والعمران والخراب كل ذلك باذن
الله تعالى الذي خلقها ووكلها
بالاركان وايدها بالقوة الالهية
على هذه الافعال والصنايع من
تكوين المعادن والنبات والحيوانات
(واعلم) ان الطبيعة انما هي ملك
من ملائكة الله المؤيد بن عباده
الطايعين يفعلون ما يؤمرون
لا يعصون الله ما امرهم وهم من
خشيته مشفقون واعلم ان الله
تعالى غير محتاج في افعاله الى الادوات

کون و فساد کہتے ہین اور بحر و بر
کوہ و صحرا آباد اور ویران
مقامات مین افلاک کے دورون
ستارون کی حرکتون اور برجون کے
طالع کے موافق مرکبات عنصری کا
بننا اور بگڑنا سب خدا کے حکم سے
ہوتا ہے جسنے یہ خواص اور تاثیرین
انمین پیدا کین۔ اور معدنی۔ نباتی
اور حیوانی اشیاء پر اپنا عمل کرنیکو
اپنی قوت سے انکی تائید کی۔

بیشک طبیعت خدا کے اُن
فرشتون مین ہے جو اُس کے
حکم پر چلتے اور اُسکی نافرمانی نہین
کرتے۔ اور ہمیشہ اُس سے خائف
اور لرزان رہتے ہین خدا کو اپنے
افعال مین نہ آلات درکار ہین

والآلات والاماكن والازمان و
الهيولى والحركات بل فعله الخاص
به هو الابداع والاختراع اذ الاختراع
هو الاخراج من العدم الى الوجود
بحسب ما بينا في رسالة المبادي
العقلية والافعال الروحانية۔

نہ مکان نہ وقت نہ مادہ نہ اسکی
حرکتین۔ بلکہ اسکا خاص فعل
ابداع و اختراع ہی جس سے مراد ہی
عدم سے وجود مین لانا جیسا کہ ہم
رسالہ مبادی عقلیہ و افعال روحانیہ مین
اسکی تشریح کر چکے ہین۔

القول التاسع۔ فصل في

ان المبدع القريب لهذه الافاعيل
والحركات المخصوصة ليس امرا
مفارقا عن المادة فنقول اختصاص
هذا الجسم بقبول هذا التاثير عن
مفارق لا يخلو اما لانه جسم او لقوة
فيه او لقوة في المفارق اما الاول
فيلزم ان يشاركه فيه كل جسم كما عرفت
وليس الامر كذا واما الثاني وهو ان
يكون لقوة فيه وهو المطلوب واما
الثالث فتلك القوة في المفارق اما
ان يكون نفسها يوجب هذا التاثير
فيكون الكلام فيه كالكلام في المفارق
وقد مر وان كان على سبيل الارادة
ميزت هذا الجسم بخاصية فيه اولا

ملا صدر الدین شیرازی نے اپنی مشہور کتاب
اسفار اربعہ مین صاف صاف کہدیا ہے کہ
یہ قوت جو اجسام مین اپنا اثر کرتی ہی اور
اور جس سے سارے افعال و خواص جسم کے
ظاہر ہوتے ہین جسم سے کوئی علیحدہ چیز نہین ہے
جیسا کہ بعض فلاسفہ یونان اور صوفیہ کرام
سمجھتے ہین کہ یہ قوتین جو فاعل اور مدبر اجسام
ہین وہ ملاء اعلی مین موجود ہین اور جسے
اہل شریعت ملائکہ کہتے ہین۔ بلکہ وہ کہتے ہین
کہ مادہ سے مفارق اور جسم سے جدا کوئی
اور قوت نہین ہے جو ان افعال کی کرنیوالی ہو
اور یہی صاف صاف لفظون مین نیچر کا ثبوت
ہے۔ وہ فرماتے ہین کہ ان تمام افعال اور
حرکات خاص کا مبدا قریب یعنی علت فاعلی
کوئی ایسی چیز نہین ہے جو موجود یعنی مادہ اور

بل اثر فيه جزافا فان كان تاثيرجزافا
كيف اتفق لم يستمر اوضاع العالم سيما
الافلاك على هذا النظام الدائمي او الاكثري
اذ الاتفاقيات كما ستعلم ليست بدائمة
ولا اكثرية لكن الامور الطبيعة اكثرية
ودائمة فليس فيها شئ ما بالاتفاق
والجزاف كما ستعلم ان جميعها متوجهة
نحو اغراض كلية فليست اذن باتفاقية
فبقي ان يكون بخاصية فيه ويكون
تلك الخاصية لذاتها موجبة للحركة
وهي القوة والطبيعة وهي التي بسببها
يطلب الجسم بالحركة كما لاتها الثانية
من احيازها واشكالها وغير ذلك -

جسم سے جدا ہو اور اسکی یہ دلیل ہے کہ جسم نے
اُس جداگانہ چیز سے جیسے قوت مفارق عن
المادہ مانا گیا ہے تاثیر مخصوصہ کو کیون قبول کیا۔
یا اسلئے کہ وہ جداگانہ قوت خود جسم تھی یا اسلئے
کہ اُس جداگانہ چیز کے جسم مین وہ قوت تھی
یا کسی قوت کی وجہ سے جو اُس سے بھی علیحدہ
اور اُسپر موثر تھی۔ پہلی صورت یعنے جسم کی
وجہ سے یہ تاثیر ہوئی تو خصوصیت باقی نہین
رہتی۔ بلکہ لازم آتا ہے کہ تمام جسم اُسمین شریک
ہوتے اور اگر خود اُسکے جسم مین کوئی قوت تھی
جسکی وجہ سے یہ تاثیر ہوئی تو یہ عین ہمارا مقصود ہے
اور اگر اُس سے بھی کسی جداگانہ چیز سے ہوئی تو
جو بحث اُس مجرد مین ہے وہی اس قوت مین
پیدا ہوگی۔ بعد اسکے وہ لکھتے ہین کہ یہ تاثیر اتفاقی بھی نہین ہوسکتی۔ اسلئے کہ اس سے عالم کا
نظام قایم نہین رہ سکتا اور جبکہ ہم دیکھتے ہین کہ تمام چیزون کی کوئی غایت ہے تو تمام
چیزون کا اغراض کلی کیطرف متوجہ رہنا اتفاق اور گزاف سے نہین ہوسکتا۔ پس ثابت
ہوا کہ یہ تمام افعال اور حرکات جو اجسام سے ہوتے ہین وہ کسی ایسی قوت سے ہون کہ
اُسی جسم مین موجود ہو۔ اور یہی خاصیت موجودہ فی الجسم بالذات باعث تمام افعال
اور حرکات کی ہو۔ اور اُسیکا نام قوت اور طبیعت (یعنے نیچر) ہے اور اسی کے ذریعہ سے
جسم کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور اسکے اشکال اور خواص ظاہر ہوتے ہین۔

القول العاشر۔ علامہ عبدالرزاق لاہجی جو بڑے حکیم و فلسفی امامیہ مذہب کے ہین اور

ملا صدر الدین شیرازی کے شاگرد انہون نے نیچر کا بیان اس صراحت اور صفائی سے
کیا ہے کہ اُسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اُنہین کی روح سید صاحب مین
حلول کر آئی ہے اور وہ سید صاحب کی زبان سے یا سید صاحب اُنکی زبان سے نیچر کا
بیان کر رہے ہین یہ علامہ بھی کچھ بگڑے خیال کا معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے بھائی سنی تو
یہ کہکر چپ ہو جاوینگے کہ کان رافضیا۔ مگر اُسکے اہل قبلہ ہونے سے تو انکار نہین کر سکتے
اور شیعہ بھائیون کو تو اُسکا قول ماننا ہی پڑیگا اور جو لوگ نہ شیعہ ہین نہ سنی بلکہ ٹھیٹ
اسلام کے ماننے والے محمدی۔ وہ نہایت تعجب آمیز خوشی اُسکے اس خیال اور اس قول پر
ظاہر کرینگے۔ چونکہ اُنکا قول فارسی عبارت مین ہے اسلئے ہم اُسی کی نقل پر کفایت
کرتے ہین وہ گوہر مراد مین فرماتے ہین کہ "بعضے دیگر از علما نفی قوی بالکلیہ نمودہ اند
و افاعیل منسوبہ بقوی را اسناد بملائکہ کردہ اند و اینہا ہیچکدام درکار نیست۔ چہ با قول وجود
صانع حکیم علیم کہ ہمہ موجودات و موثرات مستند باوست چہ عجب نیست عطاے قوتے وخاصیتے
مر طبیعت را کہ صدور افعال محکمہ متقنہ ازو بواسطہ آن قوت شود وخاصیت ممکن گردد۔
و وجود علم و حکمت در مبداء اول کافیست و تحقق آن در ہر مرتبہ از مراتب وسائط
لازم نیست و صدور این از ملائکہ مقدسہ بدون وساطت این قوی بل بمباشرت آن
ذوات مقدسہ مر این افعال را کہ اکثر آنہا خالی از خساستے نیست بسیار عجب تر است از
اسناد این افعال بقوی طبعیہ بتدبیر و تسخیر صانع حکیم خبیر و قبول این نزد عقل اقرب ست
از اذعان بآن مراتب کثیرہ۔

القول الحادی عشر

القول فی الطبایع

قال ابو محمد رحمہ اللہ ذہبت الاشعریۃ
الی انکار الطبایع جملۃ و قالوا لیس فی

اشعریہ طبیعت کا بالکل انکار کرتے ہین اور اُنکے
سننے کے قابل خیالات البتہ نیچر کے مخالف ہین۔
اُسکی نسبت جو کچھ امام ابن حزم نے اپنی کتاب
ملل و نحل مین لکھا ہے وہ یہ ہے۔ ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ کا

في النار حر ولا في الثلج برد ولا
في العالم طبيعة اصلا، وقالوا انما
حدث حر النار وبرد الثلج عند
الملامسة وقالوا فلا في الخمر طبيعة
اسكار ولا في المني قوة يحدث
بها ما يحدث منه ولكن الله تعالى
يخلق ما شاء وقد كان ممكنا
ان يحدث من مني الرجل جملا
ومن مني الحمار انسانا ومن زرلغة
الكزبرة نخلا، قال ابو محمد رحمه الله
وما نعلم لهم حجة شغبوا بها في هذا
الهوس اصلا وقد ناظرت بعضهم
في ذلك فقلت له ان اللغة التي
نزل القران بها يبطل قولكم لان
من لغة العرب القديمة ذكر الطبيعة
والخليقة والسليقة والنحيزة
والغريزة والسجية والشيمة والجبلة
والخيمة ولا يشك ذو علم في ان
هذه الالفاظ استعملت في الجاهلية
وسمعها رسول الله صلعم فلم ينكرها
قط ولا ينكرها احد ممن بعدهم

قول ہے کہ اشعریہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ طبایع کا
بالکل انکار کرتے ہین اور کہتے ہین کہ نہ آگ
مین گرمی ہے اور نہ برف مین سردی
اور اس عالم مین طبیعت کوئی شی نہین ہے
وہ کہتے ہین کہ صرف چھونے سے آگ کی گرمی
یا برف کی سردی پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ اور وہ
قایل ہین کہ شراب مین نشہ لانیکی طبیعت نہین ہے
اور نہ منی مین کوئی ایسی قوت ہے جس سے وہ
چیزین پیدا ہون جو منی سے پیدا ہوا کرتی ہین
لیکن خدا جو چاہتا ہے پیدا کردیا کرتا ہے یہ ممکن
ہے کہ آدمی کی منی سے اونٹ پیدا ہو اور گدھے
کی منی سے آدمی پیدا ہو۔ اور گندنے کے
کھیت سے خرمے کا درخت پیدا ہو۔ ابو محمد کا
قول ہے کہ ہم اشعریون کے پاس کوئی ایسی دلیل
معلوم نہین کرتے جسکی وجہ سے وہ اس خبط مین
پڑے ہین۔ اور اس مسئلہ کے متعلق مین نے
ایک اشعری سے مناظرہ بھی کیا۔ مین نے اُس سے کہا
کہ جس زبان مین قرآن نازل ہوا ہے اُس سے تمہارے
قول کا بطلان معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے کہ عرب کی
قدیمی زبان مین طبیعت، خلیقہ، سلیقہ، نحیزہ،
غریزہ، سجیہ، شیمہ، جبلہ، خیمہ، موجود تھے اور کوئی

حتی حدث من لا یعتد به وقد
قال امرء القیس "وان کنت قد
ساءتك منی خلیقة فسلی ثیابی
من ثیابك تنسل" وقال حمید بن ثور
الهلالی لکل امرء یا امرء عمرو طبیعة
وتفریق ما بین الرجال الطبایع"
وقال النابغة الذبیانی "لهم شیمة
لم یعطها الله غیرهم من الجود
والاحلام غیر عوازب" وقال رسول
الله صلعم للجارود اذ اخبره ان فیه
الحلم والاناة فقال له الجارود
الله جبلنی علیهما یا رسول الله
امهما کذا فقال له رسول الله
صلی الله علیه وسلم بل الله جبلك
علیهما ومثل هذا اکثر وکل هذه
الالفاظ اسماء مترادفة لمعنی واحد
عندهم وهو قوة فی الشیء یوجد
بها علی ما هو علیه فاضطرب
ولجاء الی ان قال قول بهذا فی
الناس خاصة فقلت والی لکا
بالتخصیص وهذا موجود بالجبر

ذی علم اسمین شبہ نہین کرسکتا ہی کہ جاہلیت مین ان
لفظون کا استعمال ہوتا تھا۔ رسول خدا صلعم نے
انکو سنا اور کبھی اُن لفظون سے بیزاری ظاہر نکی
اور نہ کسی صحابی نے اور نہ صحابہ کے بعد کسی شخص نے
اُنکا انکار کیا۔ یہانتک کہ وہ لوگ پیدا ہوئے جو
شمار کے قابل نہ تھے امرا لقیس کا قول ہی اگر مجھکو
میرا کوئی خلق ناگوار ہے تو میرے کپڑون کو اپنے
کپڑون سے جدا کرلے وہ علیحدہ ہوجاوینگے۔ حمید بن ثور
ہلالی کا قول ہی اے عمرو ہر آدمی کی ایک طبیعت
ہوا کرتی ہے اور طبیعتون سے ہی لوگون مین فرق
ہوا کرتا ہی۔ نابغہ ذبیانی کا قول ہے "اخلاق جود
وحلم انکے سوا خدا نے کسی اور کو نہین دیے ہین وہ
انھین لازمی ہین۔ رسول خدا صلعم کا قول ہی جب
جارود کو آپنے خبر دی کہ تجھہ مین حلم اور بردباری ہی
تو جارود نے آپ سے کہا کہ خدا نے مجھہ مین وہ
دونون صفتین پیدا کی ہین۔
یا واقعی یہ دونون صفتین ایسی ہی ہین تب اُس سے
رسول خدا نے کہا خدا ہی نے تجھکو اُنپر پیدا کیا ہے
ایسی روایتین بہت ہین یہ سب لفظ عرب کے
نزدیک ہم معنے ہین اور وہ طبیعت ایک طاقت ہی
ہر چیز مین جسکی وجہ سے وہ چیز اپنی اُس اصلی

وبديهة العقل في كل مخلوق في العالم فلم يكن عنده غير يه۔

حالت پر رہتی ہی جو اُسکی ہوتی ہو اس تقریر سے وہ گھبرا گیا اور کہنے لگا کہ مین اس طبیعت کو آدمیون ہی سے مخصوص سمجھتا ہون مین نے کہا کہ تم تخصیص کیسے کرسکتے ہو اس قوت کی صرف انسان سے اسلئے کہ حس اور بداہت عقل سے عالم کی ہر مخلوق مین طبیعت (نیچر) کا ہونا معلوم ہوتا ہے تب وہ پھر بیہودہ بات نکر سکا۔

القول الثانی عشر ۔ امام ابن حزم اپنی کتاب ملل ونحل مین پھر طبیعت (یعنی نیچر) پر بحث کرتے اور فرماتے ہین کہ یہ تمام قوتین اور عادتین خدا نے ہر چیز مین رکھی ہین اور

قال ابو محمد رحمه الله وكل هذا الطبايع والعادات مخلوقة خلقها الله عز وجل فرتب الطبيعة على انها لا تستحيل ابدا ولا يمكن تبدلها عند كل ذي عقل كطبيعة الانسان بان يكون ممكنا له التصرف في العلوم والصناعات ان لم تعترضه آفة وطبيعة الحمير والبغال بان ذلك غير ممكن وكطبيعة البر ان لا ينبت شعيرا ولا جوزا وهكذا كلها في العالم والقوم مقرون بالصفات وهي الطبيعة نفسها لان في الصفات المحمولة في الموصوف ما هو ذاتي

اُسنے نیچر مین ایسی ترتیب رکھی ہے کہ اُسمین کبھی تبدیلی ہو نہین سکتی۔ اور ہر عقلمند کی نظر مین اُسمین تبدیلی ممکن نہین ہے۔ مثلاً انسان کی طبیعت اگر کوئی اُسکو آفت پیش نہ آئے تو یہ ہی کہ وہ علوم اور دستکاریون مین تصرف کرسکتا ہی۔ اور گدھے اور خچر کی طبیعت یہ ہے کہ ایسا تصرف کرنا اُن سے ناممکن ہے اور مثلاً گیہون کی طبیعت یہ ہے کہ اُس سے جو اور اخروٹ پیدا نہین ہوسکتے۔ اور ایسا ہی تمام اُن چیزون کا حال ہے جو موجود ہین اور یہ اشاعرہ اشیاء کی صفتون کے مقر ہین اور خود انہین صفات کا نام طبیعت ہے۔ اسلئے کہ جو صفتین موصوف مین پائی جاتی ہین بعض یہ صفتین ذاتی ہوا کرتی ہین۔ ایسی صفات کا

لایتوهم زواله الا بفساد اسم حامله وسقوط الاسم کصفات الخمر اللتی ان زالت عنها صارت خلا و بطل اسم الخمر وکصفات الخبز واللحم اللتی اذا زالت عنها صارت زبلا و سقط اسم الخبز واللحم عنهما وهکذا کل شی له صفة ذاتیة فهذه هی الطبیعة ومن الصفات المحمولة فی الموصوف ما لو توهم زواله عنه لم یبطل حامله ولا فارقه اسمه وهذا القسم ینقسم اقساما ثلثة فاحدها ممتنع الزوال کالقصر و الورق وسواد الزنجی و نحو ذلک الا انه لو توهم زایلا لبقی الانسان انسانا بحاله وثانیها بطی الزوال کالمودة وسواد الشعر وما اشبه ذلک وثالثها سریع الزوال کحمرة الخجل وصفرة الوجل وکمودة الهم ونحو ذلک فهذه هی حقیقة الکلام فی الصفات

زائل ہونا جب ہی خیال میں آتا ہے کہ اُن کے موصوف کا نام جاتا رہے۔ مثلاً شراب کی وہ صفتیں اگر شراب میں سے جاتی رہیں تو شراب کا نام نہ رہیگا بلکہ وہ شراب سرکہ ہو جاوے گی اور جیسے روٹی اور گوشت کی صفتیں کہ اگر وہ روٹی اور گوشت میں نہ رہیں تو اُنکا نام روٹی اور گوشت نہ رہیگا۔ اور ایسے ہی ہر چیز کا حال ہے جسکی کوئی ذاتی صفت ہوا کرتی ہے۔ انہیں صفات کا نام طبیعت ہے اور جو صفتیں موصوف میں پائی جاتی ہیں اُنمیں سے بعض ایسی ہوتی ہیں کہ اگر اُن صفات کی علحدگی کا موصوف سے خیال کریں تو موصوف زائل نہیں ہوتا اور نہ اُس موصوف کا نام اُس سے جدا ہوتا ہے۔ اس قسم کی صفات تین طرح کی ہوتی ہیں ایک ایسی صفتیں جنکا زائل ہونا ممکن نہو جیسے کوتاہی قد زنگی کی سیاہی اور ایسے ہی اور۔ لیکن اگر یہ خیال کریں کہ یہ صفات موصوف سے زائل ہو گئی ہیں تاہم انسان بحالہ انسان ہی رہتا ہے دوسری قسم کی ایسی صفتیں ہیں جو دیر میں زائل ہوتی ہیں جیسے دوستی اور بال کی سیاہی، اور ایسی ہی اور صفتیں۔ اور تیسری قسم اُن صفات کی ہے جو جلد زائل ہو جاتی ہیں جیسے شرمندہ کی

وما عدا ذلك بطريق السوفسطائية الذين لا يحققون حقيقة ونعوذ بالله من الخذلان۔

سُرخی اور ڈرنے والے کی زردی۔ اور رنج کی وقت رنگ کا تاریک ہونا اور ایسے ہی اور صفات کے متعلق گفتگو کرنے کی حقیقت یہ ہے اور اس تقریر کے علاوہ سوفسطائیون کا طریقہ ہے جو کسی حقیقت کو ثابت نہین کرتے نعوذ باللہ من الخذلان

القول الثالث عشر۔ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ خدا تعالی کے تصرف فی القوی کے معتقد ہین اور جیسے وہ قبض وبسط احالہ والہام سے تعبیر کرتے ہین مگر مثل حکماء کے اُنکا بھی یہ اعتقاد ہے کہ تمام دنیا کا ایک عام اور ہر جنس کا علیحدہ اور ہر ہر چیز کا جدا جدا نیچر ہے اور اُسے وہ صورت نوعیہ اور خواص جزئیہ سے تعبیر کرتے ہین وہ اشعریون کی طرح یہ لغو خیال نہین رکھتے کہ کسی چیز کی کوئی طبیعت نہین ہوتی اور نہ کسی شئے مین کوئی خواص ہوتا ہے۔ نہ اسے مانتے ہین کہ گدھے سے آدمی اور درخت سے اونٹ بن سکتا ہے۔ بلکہ وہ فرماتے ہین کہ جرت عادۃ اللہ تعالی ان لا تنفك الخواص عما جعلت خواص لها۔ کہ خدا تعالی کی یہ عادت جاری ہو کہ جن چیزون مین جو خاصیتین رکھی گئی ہین (یعنے جس چیز کا جو نیچر اُسنے رکھا ہے) وہ اُن چیزون سے جدا نہین ہوتین۔ اور اس امر کو بھی اُنہون نے صاف صاف لکھدیا ہی کہ یہ خاصیتین یعنے یہ نیچر جو ہر چیز مین ہے وہ اُسی نیچر کے تابع ہے جو اُس چیز کی نوع کا ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہین "وھذہ کلھا تابعۃ للصورۃ النوعیۃ ملتویۃ معھا انما تجیء من حیث جاءت الصورۃ النوعیۃ" اور یہ بھی اُنکا خیال ہے کہ افعال اور خواص چیزون کے کچھ خارجی اور بیرونی قوت سے نہین ہوتے بلکہ خدا نے ہر چیز مین ایک قوت رکھی ہے اور ہر چیز کا ایک نیچر ہے وہ اپنی نوع کے نیچر کے مطابق کام کرتا ہی جیسا کہ حیوانات کے بیان مین فرماتے ہین ولها حرکات اختیاریۃ والھامات طبیعیۃ وتدبیرات جبلیۃ۔ یعنے حیوانات کے جو کام ہین وہ اُنکے اختیاری ہین

وہ اُس کام کو اُس الہام کے مطابق کرتے ہیں جو اُنکے نیچر کو دیا گیا ہے اور اس تدبیر اور قوت سے کام لیتے ہیں جو اُنکی جبلت یعنے نیچر میں رکھی گئی ہے۔

شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

وقد دل العقل والنقل على ان الله تعالى خالق العالم انواعا واجناسا وجعل لكل نوع وجنس خواص فنوع الانسان مثلا خاصته النطق وظهور البشرة واستواء القامة وفهم الخطاب ونوع الفرس خاصته الصهيل وكون بشرته شعراء وقامته عوجاء وان لا يفهم الخطاب وخاصة السم اهلاك الانسان الذي يتناوله وخاصة الزنجبيل الحرارة واليبوسة وخاصة الكافور البرودة وعلى هذا القياس جميع الانواع من المعدن والنبات والحيوان وجرت عادة الله تعالى ان لا تنفك الخواص عما جعلت خواص لها وان تكون متشخصات الافراد خصوصا في تلك الخواص

عقل اور نقل دونوں اس بات پر گواہ ہیں کہ دنیا کو خدا نے انواع و اجناس پر پیدا کیا ہے اور ہر نوع و جنس میں جدا جدا خواص پیدا کئے ہیں مثلاً نوع انسانی کا خاصہ ہے بولنا اور جلد پر بالوں کا نہ ہونا اور راست قامت ہونا باہم ایک دوسرے کا کلام سمجھنا۔ اور گھوڑے کی نوع کا خاصہ ہے ہنہنانا جلد پر بالوں کا ہونا کج قامت ہونا اور کلام کا نہ سمجھنا۔ اور زہر کا خاصہ ہے اپنے کھانے والے انسان کو ہلاک کرنا۔ اور زنجبیل کا خاصہ ہے حرارت اور یبوست اور کافور کا خاصہ ہے برودت۔ اسی طرح تمام معدنی نباتی اور حیوانی نوعوں کے جدا جدا خاصے ہیں۔

خدا تعالے کی یہ عادت جاری ہے کہ جن چیزوں میں جو خاصیتیں رکھی گئی ہیں وہ اُن چیزوں سے جدا نہیں ہوتیں اور اُن خاصیتوں میں افراد متشخص کی خاصیتیں زیادہ خاص ہوا کرتی ہیں اُن سے بعض بعض اشخاص کا

وتعيينا لبعض محتملاتها فكذلك
مميزات الانواع خصوصا في
خواص اجناسها وان تكون
معاني هذه الاسامي المترتبة
في العموم والخصوص كالجسم
والنامي والحيوان والانسان
وهذا الشخص متمازجة متشابكة
في الظاهر ثم يدرك العقل الفرق
بينها ويضيف كل خاصة الى
ما هي خاصة له وقد بين النبي
صلى الله عليه وسلم خواص
كثير من الاشياء واضاف
الاثار اليها۔

تعین ہو جایا کرتا ہے۔ ایسے ہی جنسی خاصیتوں کی
نسبت نوعون کے تمیز دینے والے امور مین
خصوصیت زائد ہوا کرتی ہے اور ان نامون
کے اوصاف جو عموم و خصوص کے لحاظ سے
مرتب ہین۔ مثلاً جسم۔ نامی۔ حیوان۔ انسان
اور اس خاص شخص کے اوصاف باہم ظاہرا
ملے جلے ہوا کرتے ہین۔ لیکن عقل ان سب کو
جدا جدا کر دیتی ہے اور جسکی جو خاصیت ہوتی
ہے اسکو اسی سے ملا دیتی ہے۔
رسول خدا صلعم نے اکثر اشیاء کی خاصیتین
بیان کی ہین اور ان کی تاثیرون کو انہی سے
متعلق بیان فرمایا ہے۔

القول الرابع عشر۔ دوسرے مقام پر جناب شاہ صاحبؒ فرماتے ہین۔

اعلم ان لله تعالى آيات في
خلقه يهتدي الناظر فيها الى
ان لله الحجة البالغة في
تكليفه لعباده بالشرائع فانظروا
الاشجار واوراقها وازهارها
وثمراتها وما في كل ذلك من
الكيفيات المبصرة المذوقة

مخلوق مین خدا کی ایسی نشانیان ہین جنسے
ان مین غور کرنے والے کو اس امر کی رہبری ہوتی
ہے کہ خدا نے جو لوگون کو شریعتون کا مکلف
کیا ہے اسکے لئے بڑی دلیل ہے درختون اور
درختون کے پتون پھولون اور پھلون کو
اور ان تمام چیزون کو جن مین دیکھنے یا چکھنے سی
کوئی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ دیکھو خدا نے

وغيرها فانه جعل كل نوع اوراقا
بشكل خاص و ازهارا بلون خاص
وثمارا مختصة بطعوم وتلك
الامور يعرف ان هذا الفرد من
نوع كذا وكذا وهذه كلها تابعة
للصورة النوعية ملتوية معها
انما تجئ من حيث جاءت
الصورة النوعية وقضاء الله
تعالى بان تكون هذه المادة
نخلة مثلا متشبك مع قضاءه
التفصيلي بان تكون ثمرتها كذا
وخواصها كذا ومن خواص
النوع ما يدركه كل من له بال
ومن خواصه ما لا يدركه
الا الالمعي الفطن كتاثير الياقوت
في نفس حامله بالتفريح والتشجيع
ومن خواصه ما يعم كل الافراد
ومن خواصه لا يوجد الا في
بعضها حيث تستعد المادة
كالاهليلج الذى يسهل بطن
من قبض عليه بيده وليس ذلك

ہر ایک نوع کے پتے خاص خاص شکلون کے
اور پھول خاص خاص رنگون کے اور پھل خاص
خاص مزون کے پیدا کئے ہین۔ انہین امور سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرد فلان نوع کی ہین۔ اور
یہ تمام امور صورت نوعیہ کے تابع ہین۔ اور اُسی سے
وابستہ ہین۔ خدا کا یہ حکم کرنا کہ یہ مادہ درخت خرما
بنے خدا کے اس تفصیلی حکم سے پیوند ہے کہ اس کا
پھل ایسا ہو۔ اور خواص ایسے ہون۔ اور نوع کے
بعض خواص تو ایسے ہوتے ہین جنکو ہر ایک شخص
ادنے توجہ سے سمجھ سکتا ہے۔ اور بعض ایسے جنکو
سوا بڑے دانا اور زیرک شخص کے نہین
جان سکتا۔ مثلاً یاقوت کی تاثیر یہ ہے کہ جو اسکو
اپنے پاس رکھتا ہے وہ خوش اور دلیر رہتا ہے
اور بعض خواص کل افراد پر حاوی ہوتے ہین۔
اور بعض خواص صرف اسی جگہ ظاہر ہوتے
ہین جہان مادہ مین صلاحیت ہوتی ہے۔
مثلاً ہلیلہ جہان قبض ہو وہین اپنا
مسہل کا اثر دکھلاتی ہے۔ اور یہ سوال کرنا
عبث ہے کہ درخت خرما کا پھل اس خاص
صفت پر کیون پیدا ہوا۔ اسلئے کہ ماہیتون
کے ساتھ اُن کے لوازم کا پایا جانا ضروری ہے

ان تقول لم كانت ثمرة النخل
على هذه الصفة فانه سوال
باطل لان وجود لوازم الماهيات
معها لا يطلب بلم ثم انظر الى اصناف
الحيوان تجد لكل نوع شكلا وخلقة
كما تجد في الاشجار وتجد مع ذلك
لها حركات اختيارية والهامات
طبيعية وتدبيرات جبلية يمتاز
كل نوع بها فبهيمة الانعام ترعى
الحشيش ولا تجتر والفرس و
الحمار والبغل ترعى الحشيش ولا
تجتر والسباع تاكل اللحم والطير
يطير في الهواء والسمك يسبح في
الماء ولكل نوع من الحيوان
صوت غير صوت الآخر ومسافدة
غير مسافدة الآخر وحضانة
للاولاد غير حضانة الآخر
وشرح هذا يطول وما الهم
نوع من الانواع الاعلوما تناسب
مزاجه والا ما يصلح به ذلك
النوع وكل هذه الالهامات تشرح

جس کی نسبت سوال کرنا بیکار ہے پھر
ہر قسم کے حیوان کو دیکھو۔ ہر ایک نوع کی
شکل اور پیدائش ایسی ہی پاؤگے جیسے
درختوں میں پاتے تھے۔ اور ان امور کے
ساتھ حیوانات کے لئے اختیاری حرکات
قدرتی الہامات اور ذاتی تدبیریں بھی
ہیں جن کی وجہ سے ہر ایک نوع کو امتیاز
حاصل ہے۔ چارپائے گھاس چرتے ہیں
جگالی لیتے ہیں اور درندے گوشت کھاتے
ہیں۔ پرند ہوا میں اُڑتے ہیں۔ مچھلی پانی
میں تیرتی ہے۔ اور حیوانات میں ایک
کی آواز دوسرے کی آواز سے جدا
ہے۔ اور جفت ہونے کے طریقے بھی
ہر نوع میں جدا جدا ہیں۔
اسی طرح ہر نوع میں بچوں کی پرورش کا
طریق مختلف ہے۔ اسکا بیان طویل ہے
ہر ایک نوع کو وہی علوم الہام کئے گئے
ہیں جو اُس نوع کے مناسب ہیں۔ اور
انہیں سے نوع کی اصلاح ہوتی ہے۔
یہ سب الہامات پروردگار کی جانب
سے صورت نوعیہ کے روشندان کے

علیه من جانب بارئها من کوة الصورت النوعية۔	ذریعہ سے مترشح ہوتے ہین۔

ان چند اقوال سے جو ہمنے نیچر کے متعلق ذکر کئے غالبًا اس بات کے ثابت کرنے ہین ہم کامیاب ہوئے کہ یہ خیال غلط ہے کہ سید صاحب خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرتے ہین بلکہ وہ نیچر سے خدا کا وجود ثابت اور جو اصل مسئلہ اسلام کا ہے یعنی توحید اُس کے ثبوت کے لئے نیچر کو پیش کرتے ہین۔ اور یہ وہ استدلال ہے جس سے اس زمانہ کے اکثر فلسفی خدا کے وحدہ لاشریک لہٗ ہونے کو نہایت مستحکم اور پختہ سمجھتے ہین۔ اور اس مضمون کے دیکھنے والے منصف مزاج مسلمان غالبًا یہ بھی تسلیم کرینگے کہ بڑے بڑے مسلمان حکیم بھی سید صاحب کے ہمخیال تھے۔ بجز ناموں اور لفظوں کے اختلاف کے دوسرا کچھہ فرق نہین ہے۔ جیسے اگلے علماء اسلام نے صورت نوعیہ۔ صورت جزئیہ۔ طبیعہ کلیہ طبیعہ جزئیہ۔ نفس کلیہ۔ نفس جزئیہ۔ اور علماء شریعت نے ملائکہ مقربین۔ اور ملائکہ موکلین کے ناموں سے تعبیر کیا ہے اُسیکو سید صاحب عام اور خاص نیچر کہتے ہین۔ صرف عبارت اور الفاظ اور طرز بیان کا فرق ہے مطلب دونوں کا ایک ہے۔

(محسن الملک)

مکاتبات دلچسپ نمبر ۳

اس مضمون مین ہم سید صاحب کے دیگر عقائد کی نسبت یہ دکھانا چاہتے ہین کہ پچھلے مسلمانوں مین بھی بعض اُنکے ہمخیال تھے۔ اُنکی صحت اور غلطی سے اسوقت کچھہ بحث نہین ہے۔ بلکہ صرف اس بات کا دکھانا منظور ہے کہ سید صاحب ہی نے تیرہ سو برس کے بعد عام خیالات سے مخالفت نہین کی ہے بلکہ اسلام مین پہلے بھی بہت سے ایسے سودائی گذرے ہین۔ مگر اس قسم کی مخالفت کو اہل تحقیق نے کفر قرار نہین دیا۔ بلکہ اگر ان خیالات پر تصوف کا رنگ دیدیا گیا تو وہ الہام آہی

اور القاے ربانی سمجھے گئے ہین۔

ملائکہ و حور و غلمان

سید صاحب کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ملائکہ کے وجود سے منکر ہین۔ مگر درحقیقت وہ صرف ملائکہ کے اُس وجود سے منکر ہین جسکو عموماً ہم مسلمان مانتے ہین۔ وہ اپنی تفسیر مین لکھتے ہین کہ قرآن مجید سے فرشتون کا ایسا وجود جیسا مسلمانون نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہین ہوتا۔ بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتون کے ظہور کو اور اُن قوی کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق مین مختلف قسم کے پیدا کئے ہین ملک یا ملائکہ کہا ہے جنمین سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔ ہمارے ناظرین کو پچھلے مضمون کے دیکھنے سے معلوم ہوا ہوگا کہ بعض حکماے اسلام کا یہی خیال تھا اور جو شہادتین ہم اُس مضمون مین لکھہ چکے ہین وہ اسکے لئے کافی ہین۔ مگر وہ مجمل تھین اب ہم بعض اقوال ایسے پیش کرتے ہین جنسے معلوم ہوگا کہ پچھلے علماء نے حاملان عرش برین اور جبرئیلؑ و اسرافیلؑ و عزرائیلؑ و منکر و نکیرؑ و رضوانؑ و مالکؑ اور حور و غلمان سب کے وجود خارجی سے انکار کیا ہے اور کسیکو کواکب ثابتہ اور کسیکو سیارات سبعہ کی روحانیت سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ وہ اقوال یہ ہین۔

حاملان عرش برین

اعلم یا اخی ان الملئکة الحافین بالعرش ہم حملة العرش وهی الکواکب الثابتة الحافون بالفلک التاسع من داخله۔

جو سیارے نوین آسمان مین جڑے ہوئے ہین وہی حاملان عرش ہین۔ (اخوان الصفا جلد دوم)

اگلے زمانہ مین ستارے سات خیال کئے جاتے تھے اور انہین الہی ہوتین ربانی تعدد

جبریل، اسرافیل، عزرائیل
منکر و نکیر، رضوان، مالک،
حور، غلمان۔

جو مؤثر فی العالم ہین۔ فلاسفہ قدیم
ان قوتون کو روحانیات کواکب
کہتے تھے۔

صاحب اخوان الصفا فرماتے ہین کہ انھین کا نام زبان شرع مین اسرافیل و جبرائیل وغیرہ ہے چنانچہ اس مضمون کو انہون نے تفصیل سے بیان کیا ہے ہم مختصراً اُسے نقل کرتے ہین وہ لکھتے ہین کہ۔

وتنبث من جرم الشمس قوة روحانية
في جميع العالم۔ وتسمى الفلاسفة
هذه القوة وما انبث منها في العالم
من روحانيات الشمس ويسمى الناموس
هذه القوة ملكا ذا جنود واعوان
واسرافيل منهم صاحب الصور
وهكذا ينبث من جرم زحل
قوة روحانية تسري في جميع
العالم وتسمى الفلاسفة هذه
القوة روحانيات الزحل والناموس
يسميها ملكا ذا جنود واعوان
وملك الموت منهم ومنكر ونكير
ايضا۔ وهكذا ينبث من جرم المريخ
قوة روحانية تسري في جميع
العالم۔ وتسمى الفلاسفة هذه القوة

آفتاب کے جرم سے ایک روحانی قوت تمام
دنیا مین پھیلتی ہے۔ فلسفی اس قوت کو اور
اُسکے آثار کو جو دنیا مین ظاہر ہوتے ہین۔
آفتاب کی روحانیت کہتے ہین۔ اور شریعت نے
اس قوت کا نام فرشتہ رکھا ہے جنمین سے
اسرافیل ہین جنکو صور پھونکنے کی خدمت سپرد ہے
اسی طرح زحل کے جرم سے ایک روحانی قوة
دنیا مین پھیلتی ہے فلسفی اس قوت کو زحل کی
روحانیت کہتے ہین اور اہل شرع کے نزدیک
وہ ایک فرشتہ ہے جسکے ساتھ لشکر اور بہت سے
مددگار ہین۔ جن مین سے ایک ملک الموت
بھی ہے۔ اور منکر نکیر بھی اسیکے ذیل مین ہین
اسی طرح مریخ کے جرم سے ایک روحانی
قوت عالم مین پھیلتی ہے۔ فلسفی اس قوت کو
مریخ کی روحانیت کہتے ہین اور اہل شرع کے

وما ينبث منها من الافعال في
العالم روحانيات المريخ ويسميها
الناموس ملكا ذا جنود واعوان
وجرائيل منهم ومالك الغضبان
وخزنة جهنم اجمعون- وهكذا
ينبث من جرم المشتري قوة
روحانية تسري في جميع العالم-
ويسمي الفلاسفة هذه القوة وما
ينبث من افعالها روحانيات
المشتري ويسميها الناموس ملكا
ذا جنود واعوان ورضوان خازن
الجنان منهم- وهكذا ينبث من جرم
الزهرة قوة روحانية ويسمي الفلاسفة
هذه القوة وما تيفرع منها روحانيت
الزهرة ويسميها الناموس ملكا
ذا جنود واعوان منها الحور
العين وخزان الجنان وهكذا
ينبث من جرم عطارد قوة روحانية
ويسميها الناموس ملكا ذا جنود
واعوان والولدان الذين هم
خدم اهل الجنان والكرام البررة

نزدیک وہ ایک فرشتہ ہے جسکے خیل و حشم مین
جبرئیل اور دوزخ کے نگہبان ہین-

اوسی طرح مشتری کے جرم سے ایک
روحانی قوت تمام دنیا مین پھیلتی ہے-
فلسفی اس کو مشتری کی روحانیت کہتے
ہین اہل شرع کے نزدیک وہ ایک
فرشتہ ہے جس کے لشکر اور اعوان ہین-
جن مین سے جنت کا محافظ رضوان ہے-

اسی طرح زہرہ سے ایک روحانی قوت
دنیا مین پھیلتی ہے جس کو فلسفی زہرہ کی
روحانیت کہتے ہین اور اہل شریعت کے
نزدیک وہ ایک فرشتہ ہے جس کے
اعوان و انصار ہین جنت کی حورین اور
جنت کے نگہبان ہین- اور اسی طرح
عطارد کے جرم سے ایک روحانی قوت
پھیلتی ہے- یہ بھی اہل شریعت کے نزدیک
ایک فرشتہ ہے جس کے لشکر ہین
غلمان اور کرام کاتبین شامل ہین

والکرام الکاتبون منھم وھکذا ینبث من جرم القمر قوۃ روحانیۃ وتسمی الفلاسفۃ ھذہ القوۃ ومایبنث منہا من الافعال روحانیات القمر ویسمیہا الناموس ملکا ذا جنود واعوان۔

اسی طرح ماہتاب کے جسم سے ایک روحانی قوت دنیا میں پھیلتی ہے جس کو اور جس کے افعال کو فلاسفہ روحانیت قمر لکھتے ہیں اور اہل شریعت اس کو فرشتہ لکھتے ہیں جس کے ماتحت بہت سے لشکر اور مددگار ہیں ۔

سید صاحب اُس مباحثہ کی نسبت جو قصہ آدم مین خدا اور فرشتون مین ہوا تھا یہ لکھتے ہین کہ اگر ہم فرض کرین کہ فرشتے اور شیطان ایک علحدہ وجود رکھتے ہین جیسا کہ عموماً مسلمانون کا عقیدہ ہے تو بھی یہ بات بحث طلب ہے کہ کیا فی الواقع یہ مباحثہ خدا اور فرشتون مین ہوا تھا کیونکہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے خدا سے مباحثہ نہین کرسکتے بلکہ اُسکے حکم کو بجالاتے ہین پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ فی الواقع فرشتون نے خدا سے مباحثہ یا جھگڑا ٹنٹا کیا تھا" یہی بات وہ ہی جو شرح فصوص الحکم مین قیصری لکھتے ہین کہ" جن فرشتون نے آدم کے معاملہ مین خدا سے جھگڑا کیا وہ آسمان کے فرشتے نہ تھے کیونکہ وہ انسان کی بزرگی اور درجہ کو جو اُسکا خدا کے پاس ہے خوب جانتے تھے جھگڑنے والے فرشتے زمین کے فرشتے اور جن اور شیطان تھے جو بہ سبب غلبۂ ظلمت کے اُس سے واقف نہ تھے" اور پھر وہ لکھتے ہین کہ قوت شہوانیہ اور غضبیہ وہ ہی وہ فرشتے ہین جو ملائکہ ارض ہین اور جو نفس ناطقہ پر غالب آجاتے ہین اور اُسے اپنے افعال اور اغراض کے لئے مطیع اور منقاد کرنا چاہتے ہین اور اُسی سے نفس امارہ بُرائیان کرنے لگتا ہے اور وہی فی الحقیقت وہ مفسدین ہین جنکو خدا نے فرمایا ہے کہ انھم ھم المفسدون اور چونکہ فساد قوائے جسمانیہ سے ہوتا ہے نہ روحانیہ سے اسلئے یہ صاف دلیل ہے ہمارے

اس قول کی کہ ملائکہ سماویہ خدا کے ساتھ نہ جھگڑا کر سکتے ہین نہ اُسکے امر و نہی کی مخالفت کر سکتے ہین۔ اور اُنکے قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو قوتین روحانی اور قلبی ہین وہی فرشتے ہین کیونکہ وہ آگے چلکر لکھتے ہین کہ قواے روحانیہ اور قلبیہ سے کوئی فعل ایسا ہو ہی نہین سکتا جو خدا کے حکم کے خلاف ہو اصل عبارت شرح فصوص الحکم کی یہ ہے

وهذا تنبيه على ان الملائكة الذين نازعوا في آدم ليسوا من اهل الجبروت ولا من اهل الملكوت السماوية فانهم بالغلبة النورية عليهم واحاطتهم بالمراتب يعرفون شرف الانسان الكامل ومرتبته عند الله وان لم يعرفوا حقيقته كما هي بل ملائكة الارض والجن والشياطين الذين غلبت عليهم الظلمة والنشاة الموجبة للحجاب وفي قوله تعالى اني جاعل في الارض خليفة بتخصيص الارض بالذكر وان كان الكامل خليفة في العالم كله في الحقيقة ايماء ايضا بان ملائكة الارض هم الطاعنون اذ الطعن لا يصدر الا ممن هو في معرض ذلك المنصب واهل السموات مدبرات للعالم العلوي بالقصد الاول والسفلي بالقصد الثاني واذا حققت الامر وامعنت النظر تجدهم في هذه النشاة الانسانية ايضا انهم هم المفسدون كما قال تعالى الا انهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون الا ترى ان القوة الشهوية والغضبية اللتين هما ملكان من ملائكة الارض هما اللتان تغلبان على النفس الناطقة وتجعلانها اسيرا منقادا لا وفا عليهما واغراضهما وعند ذلك تصير النفس امارة بسوء فهم المفسدون بالحقيقة وكون السفك والفساد صادرا من القوى الجسمانية لا الروحانية والقلبية دليل واضح على ما ذهبنا اليه من ان اهل الجبروت والملكوت السماوية

لاینازعون مع الحق ولا یخالفون امرہ ونھیہ اذ القوی الروحانیۃ والقلبیۃ لایتاتی منہم مایخالف امر اللہ فافہم۔

سید صاحب آدم وملائکہ کے قصہ کو حقیقی واقعہ نہین سمجھتے اور فرشتون اور شیطان کو اُن اچھی اور بُری قوتون سے تعبیر کرتے ہین جو خدا نے خود انسان مین رکھی ہین۔

صاحب اخوان الصفا بھی ان فرشتون کو جنہون نے آدم کو سجدہ کیا نفوس حیوانی سے تعبیر کرتے ہین جیسا کہ وہ کہتے ہین کہ۔

ملائکہ جنہون نے آدم کو سجدہ کیا وہ نفوس حیوانی ہین۔

واما الملئکۃ الذین سجدوا لآدم ابی البشر فہم الذین فی الارض خلفاء ھؤلاء الذین ھم فی الافلاک۔ وھی نفوس سائر الحیوانات الساجدۃ لآدم وذریتہ بالطاعۃ المسخرۃ لھم الی یوم القیمۃ

وہ فرشتے جنہون نے آدم کو سجدہ کیا وہ آسمان کے فرشتون کے زمین مین قائم مقام ہین اور اُنسے مراد تمام حیوانات کے نفوس ہین جنہون نے آدم اور اُس کی اولاد کو سجدہ کیا یعنے قیامت تک اُنکی اطاعت اور فرمانبرداری پر مجبور کئے گئے ہین۔

سردار ملائکہ

پھر اس سوال کے جواب مین کہ سرداران ملائکہ

کما قال فمن رئیس الملئکۃ المقربین الموکلین بنی آدم وحفظھم ومراعات امرھم۔ قال الحکیم ھی النفس الناطقۃ الانسانیۃ الکلیۃ اللتی ھی خلیفۃ اللہ فی ارضہ۔ وھی اللتی قرنت بجسد آدم المخلوق من التراب وسجدت الملئکۃ کلھم اجمعون

مقربین کا جو بنی آدم کی حفاظت اور تدبیر پر مقرر ہین کون ہے؟ صاحب اخوان الصفا یہ جواب دیتے ہین کہ وہ نفس ناطقہ انسانیہ ہے جو خدا کی زمین مین اُسکا نائب ہے اور یہی آدم کے جسم مین جسد و خاکی سے پیدا ہوا داخل ہوا تھا اور اسیکو تمام فرشتون نے سجدہ کیا تھا

وهي النفوس الحيوانية المنقادة لطاعة النفس الناطقة الباقية الى يومنا هذا في ذرية آدم كما ان صورة الجسد الجسمانية باقية في ذرية الى يومنا هذا وبها ينشؤن وبها يموتون وبها يفوزون وبها يجازون وبها يؤاخذون واليها يرجعون وبها يعرفون يوم القيمة وبها يبعثون وبها يدخلون الجنة وبها يتصعدون الى عالم الافلاك اعني صعود النفس الناطقة التي هي خليفة الله في ارضه۔

(اخوان الصفا جلد ثانی صفحہ ۲۲۱)

اور وہ نفوس حیوانی ہیں جو نفس ناطقہ کے مطیع ہیں اور یہ نفس ناطقہ بنی آدم میں آج تک موجود ہے جیسا کہ جسم کی ہیئت ترکیبی آج تک اُن میں باقی ہے۔ بنی آدم اسی نفس ناطقہ کے سبب نشو و نما پاتے جزا و سزا میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی سے قیامت میں پہچانے جائینگے اسی پر دوبارہ پیدا ہونگے اسی سے جنت میں داخل ہونگے اور اسیکے سبب عالم افلاک تک پرواز کرینگے۔

شرح فصوص الحکم میں قیصری لکھتے ہیں کہ جن فرشتوں نے آدمؑ پر

وهذا تنبيه على ان الملائكة الذين نازعوا في آدم ليسوا من اهل الجبروت ولا من اهل الملكوت السماوية فانهم لغلبة النورية عليهم واحاطتهم بالمراتب يعرفون شرف الانسان الكامل ورتبته عند الله وان لم يعرفوا حقيقته

تعریض کی وہ اہل جبروت اور ملکوت سماوی میں سے نہ تھے کیونکہ وہ تو نورانیت کے غلبہ اور مراتب کمال پر حاوی ہونے کے سبب سے انسان کامل کی فضیلت اور اُسکے مقرب الٰہی ہونے کو جانتے ہیں۔ اگرچہ اُسکی اچھی طرح حقیقت انسانی سے واقف نہیں ہیں

كما هي بل ملئكة الارض والجن و
الشياطين الذين غلبت عليهم
الظلمة والنشاة الموجبة للحجاب وفي
قوله تعالى انى جاعل فى الارض
خليفة بتخصيص الارض بالذكر
وان كان الكامل خليفة فى العالم
كله فى الحقيقة ايماء ايضا بان
ملئكة الارض هم الطاعنون
اذ الطعن لا يصدر الا ممن هو
فى معرض ذلك المنصب واهل
السموات مدبرات للعالم العلوى
بالقصد الاول والسفلى بالقصد
الثانى - واذ احققت الامر
وامعنت النظر تجدهم فى هذه
النشاة الانسانية ايضا - انهم هم
المفسدون كما قال الله تعالى
الا انهم هم المفسدون ولكن
لا يشعرون الا ترى ان القوة
الشهوية والغضبية اللتين هما
ملكان من ملئكة الارض هما
اللتان تغلبان على النفس الناطقة

بلکہ وہ زمین کے فرشتے اور جن و شیاطین
تھے جن کی تاریک خلقت ہی ایسی ہے
کہ اُن پر اسرار الٰہی کا انکشاف نہین
ہوسکتا - آیۃ انی جاعل فی الارض
خلیفۃ مین زمین کا خصوصیت کے
ساتھ ذکرنا اور دنیا مین سب سے کامل کو
اپنا نائب بنانا درحقیقت اس بات کا
اشارہ ہے کہ وہ زمین کے فرشتے ہی تھے
جو آدم کے ساتھ تعریض سے پیش آئے
کیونکہ ایسے ہی ادنے درجہ والون سے
یہ فعل صادر ہوسکتا ہے اور اہل سماوات
تو قصد اول سے عالم علوی کا اور قصد
ثانی سے عالم سفلی کا انتظام کرنیوالے ہین
اور اگر غور سے دیکھو تو عالم انسانی مین
فساد اور بے اعتدالی ہی پاؤگے جسکا
خدا نے اپنے اس قول مین اشارہ
کیا ہے کہ بیشک وہ مفسد ہین اور نہین
جانتے اور تم دیکھتے ہو کہ قوت شہوانی
اور قوت غضبی دو ارضی فرشتے ہین جو
نفس ناطقہ پر غالب آکر اُسکو اپنے
ارادون اور خواہشون کا مطیع کرلیتے ہیں

وتجعلا تها اسيرا منقادا لافاعيلهما
واغراضهما وعند ذلك تصير
النفس امارة بالسوء فهم
المفسدون بالحقيقة وكون
السفك والفساد صادرا من
القوى الجسمانية لا الروحانية
دليل واضح على ما ذهبنا اليه من
ان اهل الجبروت والملكوت السماوية
لا ينازعون مع الحق ولا يخالفون
امره ونهيه والقوى الروحانية
والقلبية لا يتاتى منهم ما يخالف
امر الله فافهم (شرح فصوص الحكم
صفحه ۳۰)

اس حالت مین نفس بدی پر اصرار کرتا ہی
پس حقیقت مین بنی آدم مفسد ہین۔
اور فساد و خونریزی کا قواے جسمانی سی
صادر ہونا (نہ قواے روحانی سے)
اس مطلب پر روشن دلیل ہے جو
ہم پہلے بیان کر چکے ہین کہ اہل جبروت
اور ملکوت سماوی امر و نہی الٰہی سے
مخالفت نہین کرتے نہ قواے روحانی
وقلبی سے خدا کی نافرمانی صادر ہو سکتی ہی

ابلیس جسنے آدم کے سجدہ سے انکار کیا اُسے صاحب اخوان الصفا ہی مثل

كما قال۔ وابى ابليس عن سجدة
آدم وهى القوة الغضبية والشهوانية
والنفس الامارة بالسوء۔

سید صاحب کے قوت غضبیہ و شہوانیہ
اور نفس امارہ سے تعبیر کرتے ہین۔ وہ
کہتے ہین کہ ابلیس نے آدم کے سجدہ سی
انکار کیا یہان ابلیس سے مراد قوت غضبیہ و شہویہ اور نفس امارہ ہے۔

بعض اہل تصوف کے نزدیک ابلیس سے وہ قوت وہمیہ مراد ہے جو انسان مین ہی
اور جو عقل سے مخالفت کرتی ہے۔ اگرچہ بعض لوگ ایسا نہین سمجھتے مگر پھر بھی اُن تحریرون سے
جو اس خیال نہ ماننے پر کی گئی ہین اس بات کا استنباط ہوتا ہی کہ قوت وہمیہ کو کچھ لوگ

ابلیس سمجھتے تھے۔ شرح فصوص الحکم قیصری مین لکھا ہے کہ ابلیس اُس عالمگیر قوت وہمی کا

قیل لیس ہو الا القوة الوہمیة الکلیة التی
فی العالم الکبیر و القوی الوہمیة التی فی
الاشخاص الانسانیة والحیوانیة افرادہا
لمعارضتہا مع العقل الہادی طریق الحق
وفیہ نظر لان النفس المنطبعة ہی الامارة
بالسوء والوہم من سدنتہا وتحت
حکمہا لانہا من قواہا فہی اولی بذلک
کما قال تعالی ونعلم ما توسوس بہ نفسہ
وقال ان النفس لامارة بالسوء وقال
علیہ السلام اعدا اعدوک نفسک
التی بین جنبیک وقال علیہ السلام
الشیطان یجری من ابن آدم مجری
الدم وہذا شان النفس ولو کان تکذیبہ
للعقل موجبا لکونہ شیطانا لکان العقل
ایضا کذلک لانہ یکذب ما وراء طورہ
مما یدرک بالمکاشفات الحقیقیة کاحوال
الآخرة۔

نام ہے جو عالم کبیر مین پائی جاتی ہے اور جو
وہمی قوتین انسان وحیوان کی اشخاص
مین ہین وہ اس قوت عامہ کی افراد
ہین۔ کیونکہ وہ عقل سے جو ہادی ہے
مخالفت کرتے ہین۔ ہمکو اس مین
تامل ہے کیونکہ یہ نفس ہی بدی کا حکم
کرتا ہے اور وہم اُسکا تابع ہے اور اُسکی
ایک قوت ہے۔ اسی لئے وہ اسکا
مستحق ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ ہم جانتے
ہین جو آدمی کے نفس مین وسوسے
آتے ہین اور فرمایا کہ نفس بدی پر حکم
کرنیوالا ہے اور آنحضرت فرماتے ہین
کہ تیرا سب سے بڑا دشمن نفس ہے جو تیری
پہلو مین ہے اور فرماتے ہین کہ شیطان
جسم انسانی مین خون کے مانند دوڑتا
ہے۔ اور یہ سب نفس کا حال ہے۔ اگر
نفس عقل کی مخالفت کے سبب سے
شیطان کہلائے جانیکا مستحق ہے تو عقل کا بھی یہی حال ہے کیونکہ وہ بھی اُن
باتون کو جھٹلاتی ہے جو اُسکی حد فہم سے باہر ہین اور صرف حقیقی مکاشفات ہی سے
معلوم ہو سکتے ہین جیسے آخرت کا حال۔

سید صاحب اس اعتراض کا کہ خدا نے فرشتون اور ابلیس کے قصہ کو اسطرح کیون بیان کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات حقیقی ہین اور فرشتون اور خدا مین دراصل کچھہ مباحثہ ہوا تھا اور شیطان نے آدم کو اُسی طرح بہکایا تھا جسطرح کوئی ایک شخص دوسرے کو ورغلاتا ہو" یہ جواب دیتے ہین "کہ ان آیتون مین یعنے جنمین اس قسم کے تذکرے ہین خداے تعالیٰ انسان کی فطرت کو اور اُس کے جذبات کو بتلاتا ہے اور جو قواے بہیمیہ اُسمین ہین اُنکی برائی یا اُنکی دشمنی سے اُسکو آگاہ کرتا ہے۔ مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگون کی اور اونٹ چرانے والون کی فہم سے بہت دور تھا اسلئے خدا نے انسانی فطرت کی زبان حال سے آدم و شیطان کے قصئے یا خدا اور فرشتون کے مباحثہ کے طور پر اُس فطرت کو بیان کیا ہے تاکہ ہر کوئی خواہ اُسکو فطرت کا راز سمجھے خواہ فرشتون اور خدا کا مباحثہ خواہ شیطان و خدا کا جھگڑا اصل مقصد حاصل کرنے سے محروم نرہے اس طرح پر عام و خاص سمجھدار و ناسمجھہ عالم و جاہل کا یکسان قرآن مجید سے مقصد پانا درحقیقت بہت بڑا معجزہ قرآن کا ہے۔ سید صاحب نے جو وجہ بیان کی ہے یہی وجہ ہمارے علماء سلف نے بھی لکھی ہے۔ وہ بھی یہی کہتے ہین کہ اکثر قرآن مجید اور اس کے پیغمبرون کے کلام مین اور حکما کے اقوال مین ایسی چیزون کا جسکو عام نہ سمجھہ سکین بیان بطور اسرار اور مثالون کے ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک عالم فرماتے ہین کہ

کما قال۔ ان اکثر کلام اللہ تعالیٰ وکلام انبیائہ واقاویل الحکماء رموز لسر من الاسرار مخفیا من الاسرار وما تعلمہا الا اللہ تعالیٰ والراسخون فی العلم وذلک ان القلوب والخواطر	اکثر کلام الٰہی اور کلام انبیا مین اور حکما کے اقوال مین ایسے اسرار مخفی ہین جنکو یا تو خدا جانتا ہو یا وہ لوگ جو علم مین بلند پایہ رکھتے ہین اسلئے کہ بہت سے دل ہین

ما كانت تحتمل فهم معنى ذلك ولهذا قال عليه السلام كلموا الناس على قدر عقولهم وافشاء اسرار الربوبية كفر واما الخواص من الحكماء الذين هم الراسخون في العلم فهم لا يحتاجون الى زيادة بيان اذهم مطلعون على حقائق جميع الاسرار والرموزات من ذلك قول الله تعالى علمناه منطق الطير واتينا من كل شئ علما ان هذا لهو الفضل المبين وقوله سبحان الذى اسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى الذى باركنا حوله وقوله في البقعة المباركة من الشجرة ان يا موسى انى انا الله رب العالمين وقوله والق عصاك فلما رأه تهتز كانها جان ولى مدبرا ونظاير ذلك من الآيات والاخبار تحت ذلك سر من الاسرار اللتى لا يجوز ان تكشف على العوام والجهال سيما في آخر الزمان فلهذا الغرض البسوا حقايق الاشياء بلباس غير لائق بذلك حسب فهم عامة البشر لكن

جوان باریک باتون کے سمجھنے کا تحمل نہین کر سکتے۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لوگون کی عقل و دانش کے موافق کلام کرو۔ اور اسرار آلہی کا کھولنا کفر ہے اور وہ خاص خاص حکیم جو علم مین بلند پایہ ہین تفصیل کے اسلئے محتاج نہین ہین کہ انکوان تمام پوشیدہ باتون اور مخفی رازون پر اطلاع اور عبور حاصل ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ ہمنے (سلیمان کو) جانورون کی منطق سکھائی ہمنے ہر چیز کا علم اسکو دیا اور یہ کھلی فضیلت ہے اسی طرح خدا نے درخت سے آواز دی اے موسےٰ مین ہون دنیا کا پرورش کرنے والا خدا۔ اسی طرح حضرت موسےٰ سے یہ کہنا ہے کہ اپنی لاٹھی پھینکدے جب دیکھا کہ وہ سانپ کیطرح لہراتی ہے تو پیچھے ہٹ گیا۔ اسی طرح اور بہت سی آیتین اور حدیثین ہین جنمین ایسے اسرار پنہان ہین جنکا عوام اور نادانون پر کھولنا خاصکر اس زمانہ مین کسیطرح جائز نہین ہے۔ اسی سبب سے حقایق و معارف کو ایسا لباس پہنایا ہے جو عوام کی عقل و فہم کے

الخواص والحكماء يعلمون الغرض والحقيقة فی ذلك و يخفون عن الاشرار والاجلاف فمن منح الجهال علماً اضاعه ومن منع المستوجبين فقد ظلم صفحه ۲۲۲ جلد ثانی اخوان الصفا	موافق ہو۔ لیکن خواص حکما اصلی غرض اور حقیقت کو جانتے ہین۔ ہان وہ شریرون اور نا اہلون سے اسکو چھپاتے ہین پس جو شخص نا اہلون کو علم سکھاتا ہی اسکو ضایع کرتا ہی اور جو اُنکو روکتا ہے جو علم کے مستحق ہین وہ اپنے ظلم کرتا ہے۔

سید صاحب قواے بہیمیہ کو شیطان اور ابلیس سے تعبیر کرتے ہین۔ اور کہتے ہین کہ یہی قواے بہیمیہ جو انسان مین ہین اور جو اُسکے سخت دشمن ہین شیطان ہین اور اُنھین کا قابو مین لانا اور فرمانبردار کرنا انسان کا انسان ہونا ہے۔ صوفیہ کرام اور اولیا اعظام کی نسبت بہی یہی حال منسوب کیا گیا ہے چنانچہ اخوان الصفا مین جہان اولیار اللہ کی علامات اور اُنکے علم کے لطائف اور معرفت کے دقایق کا ذکر کیا ہے یہ لکہا ہے کہ اولیار اللہ کے دقایق معرفت اور لطائف علوم مین سے یہ ہے کہ وہ شیطانون اور اُسکے لشکر کی حقیقت جانتے ہین اور نیز یہ کہ وہ کیونکر اُنکو ورغلاتا ہے اور اُسکے وسوسے اور مس کی کیا حقیقت ہے اور خدا نے جو کچھ اسکے متعلق فرمایا ہے مثلاً

ان الذین اتقوا اذا مسهم طائف من الشیطان تذکروا فاذا هم مبصرون واخوانهم یمدونهم فی الغی ثم لا یقصرون۔	جو ڈرتے ہین جب انہین شیطان سے کوئی وسوسہ پہونچے وہ چونک اُٹھتے ہین۔ پھر فوراً انھین سمجھہ آجاتی ہے۔

اور یہ اُن مسائل دقیقہ مین سے ہے کہ جنمین علمائے شریعت اور فقہاے ملت حیران ہین اور ابلیسیت اور ابلیس کی حقیقت مین متحیر ہین۔ اور اکثر علمار اُسکے وجود ہی مین شک کرتے ہین اور اکثر مدعیان فلسفہ آدم کے قصے اور شیطان کے جھگڑے اور اُس مباحثہ کا

جو خدا کے ساتھ ہوا انکار کرتے ہین"۔ یہ لکھکر صاحب اخوان الصفا ابلیس کی حقیقت
اور شیاطین کی مخالفت اور اُسکے وساوس کی کیفیت لکھتے ہین۔ جیسے وہ ایک ولی کی
زبان سے حکایتاً یون بیان کرتے ہین کہ ایک دانشمند عالم نے ایک ولی اللہ سے پوچھا
کہ شیطان کے مکائد اور مخالفت کی کیا حقیقت ہے تو اُسنے یہ جواب دیا کہ جب میرے
ہوش کا زمانہ آیا اور مین نے کچھ علم تحصیل کرلیا اور اوامر و نواہی اور سنن و فرائض
اور احکام و حدود اور وعدہ و وعید اور خیر و شر اور سزا و جزا سے واقف ہوا اور اپنی
طاقت کے موافق عمل کرنے لگا تو مین خدا کے اس قول مین فکر کرنے لگا کہ ان الشیطان
کان للانسان عدوا مبینا۔ اور اسی طرح اور بہت سی اس قسم کی آیتون مین
جو قرآن مین ہین اور بہت سی حدیثون مین مثلاً رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر مین
غور کرنے لگا اور مجاہدہ نفس کی حقیقت سمجھنے مین متفکر ہوا۔ مین سوچنے لگا کہ خدا کے
قول من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس کی حقیقت کیا ہے
اور اس حدیث کا کہ لکل انسان شیطان ان یعتریانہ و ان شیطانی اعاننی اللہ
علیہ فاسلم کے کیا معنے ہین؛ پھر مین نے دیکھا اور خوب سوچا اور دل مین غور کیا اور
عقل لڑائی۔ تو کیسکو بظاہر مین نے ایسا نپایا جو میری مخالفت کرتا یا مجھے بہکاتا ہو
سوائے اپنے ابنائے جنس کے۔ تو مین سوچا کہ اس حکم مین تو وہ سب میری شریک
ہین اور یہ خطاب اُن سے بھی ویسا ہی ہے جیسا مجھ سے۔ تو مین سمجھا کہ یہ تو وہ بات ہے
جو تمام بنی آدم کو شامل ہے۔ تب مین نے خوب غور کیا اور دقیق نظر سے دیکھا تو
مجھے معلوم ہوا کہ شیطان کی حقیقت اور اُسکے لشکر کی کثرت اور بنی آدم کیساتھ
اُسکی مخالفت اور عداوت اور اُسکے وسوسے سب امور باطنی اور اسرار مخفی ہین؛ اور
یہ سب خود انسان کی طبیعت مین موجود ہین؛ اور انسان کی خلقت یعنی اُسکا خمیر
ایسا ہی بنایا گیا ہے۔ اور اخلاق سیئہ اور بُرے اخلاق اور بدخیالات جو انسان سے

ساتھ لڑکپن سے پیدا ہوتے ہین اور اُسکی جہالتین اور باطل اعتقاد اور فاسد رائین جو بغیر معرفت اور بصیرت کے انسان کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہتی ہین اور اُس کے سبب سے جو اعمال سیئہ اور افعال قبیحہ سرزد ہوتے ہین یہ نفس شہوانیہ اور نفس غضبیہ کے کام ہین۔ اور امر و نہی اور وعدہ و وعید اور مدح و ذم جو کچھ ہے یہ سب نفس ناطقہ کے سبب سے ہے کہ اُسمین خدا نے ایک قوت ایسی رکھی ہے جو نیک و بد کو پہچانتی ہے اور جو اخلاق جمیلہ اور معارف حقیقیہ اور آرا صحیحہ اور اعمال ذکیہ سے موصوف ہے اور یہ نفس شہوانیہ اور غضبیہ کے مقابل مین فرشتہ ہے اور نفس شہوانیہ اور غضبیہ نفس ناطقہ کے مقابل مین شیطان ہین پھر مین نے غور کیا اور بہت نظر دقیق سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ تمام پاک کام اور نیک عمل نفس ناطقہ سے ہوتے ہین اور تمام بُرائی و فساد اور اعمال قبیحہ نفس شہوانیہ و غضبانیہ سے صادر ہوتے ہین۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ ان قوتون کا توڑنا اور نفس ناطقہ کا اُنپر غالب کرنا ہے وہ جہاد ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مین مذکور ہے رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر۔

اصل عبارت اخوان الصفا کی یہ ہے۔

ومن دقیق معرفتہم ولطیف علومہم معرفۃ حقیقۃ الشیاطین وجنود ابلیس اللعین وکیف وسواسہم ومسہم کما ذکر اللہ سبحانہ بقولہ ان الذین اتقوا اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ہم مبصرون واخوانہم یمدونہم فی الغی ثم لا یقصرون ومن علاما تہم وصفاتہم ودقیق علومہم ولطیف اسرارہم معرفۃ البعث والقیامۃ والنشر والحشر والحساب والمیزان والصراط والجواز وذلک ان اکثر علماء اہل الشرایع النبویۃ وفقہاہا المتعبدین فیہا متحیرون فی معنی الابلیسیۃ وحقیقۃ

ابلیس المخاطب لرب العالمین بقوله انظرنی الی یوم یبعثون واکثر العلماء شاکون فی وجود هذا القایل لاغوینهم اجمعین واکثر المتفلسفة منکرون قصته مع آدم وعداوته وخطابه لرب العالمین ومواجهته لحجتونة الخطاب بما ذکر الله سبحانه فی القرآن فی نحو من خمسین آیة مثل قوله ثم لآتینهم من بین ایدیهم ومن خلفهم وعن ایمانهم وعن شمائلهم ولا تجد اکثرهم شاکرین وآیات کثیرة فی امثال هذه الحکایات موجودة فی التورات والانجیل وصحف الانبیاء علیهم السلام کثیرة وقد بینا نحن معانیها فی رسالة البعث والقیامة ولکن نرید ان نذکر فی هذا الفصل منها طرفا فی کیفیة عداوة اولیاء الله تع مع ابلیس وکیفیة محاربتهم مع الشیاطین ومخالفتهم ومجاهدتهم معهم طول اعمارهم لیلا ونهارا سرا وجهرا وانه لا یخفی علیهم مکائدهم ولا یذهب عنهم غرورهم وامانیهم

(فصل) فیما حکاه ولی من اولیاء الله من کیفیة معرفة مکائد الشیطان ومحاربته معهم ومخالفة جنود ابلیس اجمعین قال العالم المستبصر لاخ له من ابناء جنسه فیما جری بینهما من المذاکرة فی امر الشیاطین وعداوتهم کیف عرفت الشیاطین ووساوسهم قال انی لما نشاءت وتربیت وشدت من الآداب طرفا واخذت من العلم نصیبا وعقلت من امر المعاش قسطا وعرفت امر المنافع والمضار تنبیت ما یجب علی من احکام الناموس من الاوامر والنواهی والسنن والفرائض والاحکام والحدود والوعد والوعید والذم والمدح علی الاعمال والافعال وعلی ترکها ثم قتلوا جهها جهدی وطاقتی بحسب ما وفقت وقصی علی لیسر لی ثم تفکرت فی قول الله تعالی ان الشیطان لکم عدو فاتخذوه عدوا وقوله ان الشیطان

كان للانسان عدوا مبينا وايات كثيرة فى القرآن فى هذه المعنى وتفكرت
فى قول النبى صلى الله عليه وعلى آله ورجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر
يعنى مجاهدة النفس وتصديقه قول الله تعالى ومن جاهد فانما يجاهد
لنفسه وفكرت فى قوله عليه السلام لكل انسان شيطان يعتريه وقوله
ان شيطانى اعاننى الله عليه فاسلم وقوله ان الشيطان يجرى من ابن ادم
مجرى الدم وتصديق ذلك قول الله تعالى من شر الوسواس الخناس
الذى يوسوس فى صدور الناس الى آخر السورة وقوله تعالى انه
يريكم هو وقبيله من حيث لا ترونهم وايات كثيرة فى القرآن فى هذا
المعنى واحاديث مروية ايضا فى هذا المعنى كثيرة فلما سمعت ما ذكر الله
تعالى وتفكرت فيما روى عن النبى صلعم فى هذا المعنى نظرت عند ذلك
بعقلى ففكرت بقلبى وتاملت برؤيتى فلم ار احدا فى ظاهر الامر يضادنى
فى هذا المعنى ولا يخالفنى ولا يعادينى من ابناء جنسى وذلك لانى
وجدت الخطاب متوجها عليهم كلهم مثل ما هو متوجه على ووجدت
حكمهم فى ذلك حكمى سواء لا فرق بينى وبينهم فى هذا الامر فعلمت ان هذا
هو امر عموم يشتمل جميع بنى ادم كلهم ثم تاملت وبحثت ودققت النظر
فوجدت حقيقة معنى الشياطين وكثرة جنود ابليس اللعين اجمعين
ومخالفتهم بنى ادم وعداوتهم لهم ووسوستهم اياهم هى امور باطنة
واسرار خفية مركوزة فى الجبلة مطبوعة فى الخليقة وهى الاخلاق الردية
والطباع المذمومة المنشية منذ الصبى مع الانسان بالجهالات المتراكمة
واعتقادات اراء فاسدة من غير معرفة ولا بصيرة وما يتبعها من الاعمال
السيئة والافعال القبيحة المكتسبة بالعادات الجارية الخارجة من الاعتدال

بالزيادة والنقصان المنسوبة الى النفس الشهوانية والنفس الغضبية ثم تاملت ونظرت فوجدت الخطاب في الامر والنهي والوعد والوعيد والمدح والذم متوجها كله الى النفس الناطقة الفاضلة المميزة المستبصرة ووجدتها هي بما توصف من الاخلاق الجميلة والمعارف الحقيقية والآراء الصحيحة والاعمال الزكية ملكا من الملئكة بالاضافة الى النفس الشهوانية والغضبية جميعا ووجدتهما تين النفسين اعني الشهوانية والغضبية بما توصفان من الجهالات المتراكمة والاخلاق المذمومة والطباع المركوزة والافعال التي لها بلا فكر ولا روية كانهما شيطانان بالاضافة الى النفس الناطقة ثم تاملت وبحثت ودققت النظر فوجدت جميع الاعمال الزكية والافعال الحسنة التي هي منسوبة الى النفس الناطقة انما هي لها بحسب آراء الصحيحة واعتقاداتها الجميلة ثم وجدت تلك الآراء والاعتقادات انما هي لها بحسب اخلاقها المحمودة المكتسبة بالاجتهاد والروية والعادات الجارية العادلة اوما كانت مركوزة في الجبلة فتبينت عند ذلك وعرفت بهذا الاعتبار بان اصل جميع الخيرات وصلاح امور الانسان كلها هي الاخلاق المحمودة المكتسبة بالعادات الجارية وعرفت ايضا ان اصل جميع الشرور وفساد امور الانسان كلها هي الاخلاق المذمومة المكتسبة بالعادات الجارية منذ الصبا من غير بصيرة اوما كانت مركوزة في الجبلة فلما تبين لي ما قلت وعرفت حقيقة ما وصفت تاملت قول النبي صلى الله عليه وعلى آله اجمعين رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر وقول الله تعالى ان الشيطان لكم عدو فاتخذوه عدوا يعني خالفوهم وحاربوهم

كما تحاربون اعداءكم من الكفار والمشركين؛

تمت